

دین

فروری 2018



کریم آباد سترخان



مستقبل ملے

- | | | | | | |
|-----|------------|------------------|-----|------------|------------------|
| 281 | ادارو | موتی پنہنے ہیں | 272 | شعبہ عہد | کرن کرن خوشبو |
| 279 | روایت شریف | مُسکرائی کرکٹیں | 275 | بشریٰ محو | یادوں کے دیکھئے |
| 283 | مدیر و کرن | ناعیہ میسے زانام | 277 | شگفتہ بیان | مجھے شیر لپیہ ہے |

فروری 2018

جلد 40 نمبر 11

قیمت 60 روپے

کھانا کھاؤ

کرن

37 - 14ویں کلاں

پبلشرز اور ڈسٹریبیوٹرز: کھانا کھاؤ پبلیکیشنز، 37-14ویں کلاں، لاہور۔
 Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
 Email: Kiran@khwatondigest.com Website: www.khwatondigest.com

محمد
نعت
عمر عظیم چشتی 11
ادام چشتی 11

انٹرویو

- | | | |
|----|-----------------------|----------------|
| 12 | سعودی خاتون سے ملاقات | شاہین رشید |
| 21 | آواز کی دیباہ | شاہد حسین شاکر |
| 17 | میری بھی سنتے | فیروز خان |
| 26 | مقابلہ پر آمینہ | فضہ نور |

ناول

- | | | |
|----|--------------------|-----------|
| 28 | ہوائیں رخ بدل گئیں | نگہت جبار |
|----|--------------------|-----------|

نسل ناول

- | | | |
|-----|--------------------|---------------|
| 49 | دل کو تم نے جھکایا | سدا جیات |
| 124 | محبوبہ شین | مصباح علی سید |
| 193 | مجھے اپنے رنگ میں | ام ایم عافی |

ناولٹ

- | | | |
|-----|------------------|--------------|
| 89 | کسی اجنبی سے کیا | شاہد داؤد |
| 157 | تیری چاہ میں | مائتہ خورشید |
| 232 | مہر کاں ہوا | عنبرین ولی |

اُسنے

- | | | |
|-----|------------------|---------------|
| 43 | اُس اوس کے | منشا احمد علی |
| 115 | کوہاک دن | منعم ملک |
| 183 | فیصلہ | غریبہ راجہ |
| 256 | روفا کے کوہ گراں | فرحان سعید |
| 227 | آزاری | مناہد علی خان |
| 264 | مہبت سورج | ریحانہ زین |

ذرا سا بڑھ کر دیکھو یہ سچی
 پاکستان (سالانہ) 700 روپے
 انڈیا مالیریا 6000 روپے
 امریکا کیلین فورنیا 7000 روپے

ہمارے ادارے کی رجسٹرڈ اور پرائیویٹ ایجنسی کے تحت شائع ہونے والے ہر شمارے میں ایک کپی شائع ہونے والی ہر تصویر
 حقوق کی رائے کے مطابق ہر تصویر کے ساتھ اس کے بارے میں اس کے کسی بھی قسم کی اشاعت کی اجازت نہیں ہے اور اگر کوئی شخص
 اور اس کے بارے میں کسی بھی قسم کے اشتعال کے بغیر اسے شائع نہ کرے گا۔

سعدیہ خان سے ملاقات

شاہین رشید



سعدیہ خان کو آپ زیادہ تر ماڈلنگ، کمرشل ماڈلنگ اور میگزین ماڈلنگ میں دیکھتے ہیں۔ لان کے جراثیمدار میں یہ نظر آ رہی ہوئی ہیں۔ آپ کبھی بھی نہیں آکر کون سی لان زیادہ اچھی ہے۔ خیر سعدیہ خان کو آج کل آپ ڈرامہ سیریل ”شاہید“ میں دیکھ رہے ہیں۔ سعدیہ ڈراموں میں کم کام کرتی ہیں، مگر بہت دل و جان کے ساتھ۔

☆ ”کیا حال ہیں سعدیہ؟“
☆ ”جی اللہ کا شکر ہے۔“
☆ ”شاہید“ میں بہت اچھا یہ فارم کر رہی ہیں۔

اس سیریل کے لیے آپ کا انتخاب کیسے ہوا؟
☆ ”مجھے خاص پروڈیجر کے تحت انتخاب نہیں ہوا۔ مجھے بلایا گیا اور کیا کیا یہ فائزہ انٹار واکس کا اسکرپٹ ہے آپ پر میں..... میں نے پڑھا تو مجھے ان کی تحریر بہت پسند آئی اور جو کردار مجھے کرنے کو کہا گیا وہ بھی مجھے بہت پسند آیا اور میں کام کرنے پہ راضی ہو گئی۔“

☆ ”اب تو اس سیریل کی کافی اشاعت ہو چکی ہیں۔ تجربہ بھی اس کی کہانی یا اپنے کردار کے بارے میں کچھ بتاؤ؟“

☆ ”اس سیریل میں مجھے ایک ایسی لڑکی دکھائی گیا ہے جو اپنی عمر سے بڑے لڑکے سے شادی کی خواہش مند ہے اور یہ خواہش اس کو کتنی بھی پڑتی ہے یہ آپ کو ڈرامہ دیکھ کر ہی پتا چلے گا کہ اسے یہ خواہش دلدل میں لے گئی ہے۔“

☆ ”کیا رپاس ٹل رہا ہے؟“

☆ ”بے حد اچھا..... میرے دیگر ڈراموں کی طرح اسے بھی بہت پسند کیا جا رہا ہے۔ بہت اچھا رپاس ٹل رہا ہے اور میں اپنے آپ کو بہت کئی محسوس کر رہی ہوں کہ مجھے اس سیریل میں کام کرنے کا موقع ملا۔“

☆ ”ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کون ہیں؟“

☆ ”پروڈیوسر تو اسے اینڈی لی کے جاوید ہیں جبکہ ڈائریکٹر سید علی رضا ہیں جو کہ ”اسامہ“ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ اسامہ ایک بہترین ڈائریکٹر ہیں۔“

☆ ”شاہید“ میں کس کے ساتھ کام کر کے بہت اچھا لگا..... اور کیسا تجربہ رہا؟“
☆ ”کام کا تجربہ بہت اچھا رہا..... بہت حرا آیا بہت اچھا لگا۔ جب تک اس کی ریکارڈنگ جاری رہی ہیں ہم نے خوب مزے کیے۔ مجھے عزیز ہنرمندوں کے ساتھ کام کر کے بہت اچھا لگا۔ وہ کافی خوش مزاج ہیں اور نعمان ایجاز صاحب کا تو جواب نہیں وہ نہ صرف بہت اچھے اداکار ہیں بلکہ بہت ہی اچھے انسان بھی ہیں۔ ان کے ساتھ کام کر کے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔“

☆ ”انڈر پروڈکشن کیا کیا کام ہیں؟“

☆ ”فنی احوال تو ”شاہید“ ہی سے ہے۔ آپ کو بتائی ہے کہ میں سال میں ایک ہی پروڈیوسر کرتی ہوں تاکہ میری پروڈیوسر کے ساتھ کسکوں۔“
☆ ”تو کیا آفرز سے انکار کر رہی ہیں..... اس طرح آپ کی شخصیت یا مقبولیت پہ فرق نہیں آئے گا؟“



☆ ”میں جس سے خیال میں مقبولیت میں فرق نہیں آتا..... میں سمجھتی ہوں کہ جب لوگ سنتے ہیں کہ سعدیہ خان فلاں ڈرامے ٹل آ رہی ہے تو وہ میرے ڈراموں کا زیادہ اظہار کرتے ہوں گے کیونکہ ان کو اس بات کا اندازہ ہے کہ سعدیہ کم کام کرتی ہے مگر اچھا کرتی ہے۔ سیریل ”خدا اور محبت“ بھی کتنا مقبول ہوا تھا..... لیکن خیر..... اب میں نے سوچا ہے کہ میں لان زیادہ وقت اینٹینک کو دوں..... کیونکہ سب مجھے اسکرین پہ پارہا رو بھانپنا چاہتے ہیں۔“
☆ ”خدا اور محبت“ کے ڈکریر پاد آ گیا کہ ”خدا اور محبت“ کا سیریل تو زیادہ پسند کیا گیا یا سیریل ”دن“؟“

☆ ”دونوں ہی بہت پسند کیے گئے پہلے کی مقبولیت کے بعد ہی سیریل نو بنایا گیا تھا۔ اور سیریل نو اس لیے بھی زیادہ پسند کیا گیا کہ اس میں جلد ہی کمزور کا استعمال کیا گیا تھا۔ لیکن زیادہ بہتر لی میں، لائٹنگ کا انتظام بہترین تھا..... بہت کچھ نیا تھا اس لیے سیریل نو بہت زیادہ پسند کیا گیا۔“
☆ ”زیادہ محنت کس پہ ہوئی ”خدا اور محبت“ یا



- 1- "میرا نام؟"
- "فیروز خان۔"
- 2- "تھے بلائے ہیں سب؟"
- "ای گڈا کہتی ہیں اور بانی سب فیروزی کہتے ہیں اور دوستوں نے تو مجھے بہت نام رکھے ہیں، بہت سوٹ ہیں سب دوست۔"
- 3- "جہنم دن اجتم سال؟"
- "11 جولائی 1990ء۔"
- 4- "جہنم؟... ستارہ... اقد؟..."
- "کوئٹہ... کینٹر... 5... 11 ایچ کاش"
- چھ فٹ کا ہوتا۔ مگر دیے گنا چھ فٹ کا ہی ہوں۔۔۔۔۔ کوئٹہ چلا ہوں۔"
- 5- "نہیں بھائی میں میرا نمبر؟"
- "میری بھائی ہیں اور ہم دو بھائی ہیں اور میں پانچویں نمبر کا بچہ ہوں۔ اپنے والدین کا تو بچہ ہی ہوں۔"
- 6- "بڑھائی کی یا صرف دقت گزارہ؟"
- "نہیں۔۔۔۔۔ بڑھائی کی یا شاہد اللہ اور میں نے بڑھائی میں ڈگری حاصل کی ہے۔"
- 7- "شادی؟"
- "اس سوال کو رہنے دیں۔ ویسے سب کو معلوم ہے کہ میری شادی کس سے ہوئی ہے۔"
- 8- "شوہر میں کس طرح آیا؟"
- "100 فیصد اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے آیا۔ اور اللہ نے میرا ساتھ دیا اور مجھے شہر خریدا کیا۔"
- 9- "شہر دی؟"
- "وہ میرا ہے۔" "چپ رہو" نے دی۔"
- 10- "آن ایئر ڈرامے؟"

"حانی" اور اس کی مقبولیت تو آپ کو معلوم ہی ہوگی۔ اس میں میرا کردار بہت اچھا ہے۔"

11- "پرنسپل لائف میں جب آیا؟"

"جب سو سال کا تھا۔" اپنے آپ کو سونانے کے لیے اور اپنی تعلیم کو مکمل کرنے کے لیے مجھے اس پرنسپل لائف میں چل دی آنا پڑا۔"

12- "شوہر نے کیا دیا؟"

"شوہر نے ہی تو سب کچھ دیا ہے۔ عزت، شہرت اور دولت اللہ سے برقرار رکھے۔ (آمین)۔"

13- "برائی جو شوہر میں ہے؟"

"صرف شوہر میں ہی کیوں؟ ہر شعبہ، ہر جگہ پر

ہاتھ کے لیے کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑی، بس سب کام خود بخود ہی ہوتے گئے۔"

"کیا کام کر کے زیادہ مڑا آتا ہے،" ماڈلنگ، اداکاری یا شوز؟"

"مڑا سب میں آتا ہے۔ کیونکہ اچھا چلتا ہے لیکن ماڈلنگ زیادہ آسان ہے بہ نسبت اداکاری کے۔ کیونکہ اداکاری میں ٹائم بھی بہت لگ جاتا ہے۔ مگر مڑا بہت آتا ہے۔ تو ان شاہد اللہ اب زیادہ تو بڑا اداکاری ہی ہوں گی۔"

"فلم میں بھی تو آپ نے کام کیا ہے؟"

"جی۔۔۔۔۔ ایک فلم بھی کی ہے "دیور بھائی" اور اگر مزید آفرز ہوں تو ضرور کروں گی۔"

"مہ۔۔۔۔۔ سعیدہ آپ نے ایم ای اے انگلش سے کیا اور اتنی اعلیٰ ڈگری لے کر آپ اس فیلڈ میں ہیں۔"

"کیوں جاب کرنے کو دل نہیں چاہتا کیا؟"

"فی ضروری نہیں کہ ڈگری لے کر جاب ہی کی جائے۔ تعلیم ہر جگہ کام آتی ہے اور جس فیلڈ میں میں ہوں، یہاں تو تعلیم بہت ضروری ہے۔۔۔۔۔ بلکہ ہر فیلڈ کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے گڈا کہی کہ بہت شوق ہے اور میں نے باقاعدہ ٹریننگ لی ہے اور میرے استاد کا نام "رتھن"

سانحہ ارتحال

گزشتہ دنوں ہماری دیرینہ ساتھی شاہین رشید کو انتہائی دکھ اور صدمہ سے گزرنا پڑا ان کے ماموں کے ارادہ آصف حسین نقصاے الہی سے انتقال کر گئے اور اسی دن ان کے ماموں بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اللہ وانا الیہ راجعون

ادارہ خواتین و وابستہ بہن شاہین رشید کے کم میں برابر کا شریک ہے اور دو کا ہے اللہ تعالیٰ مرحومین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ سے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔



تو انسان غرور میں پاگل ہو جاتا ہے اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے ان چیزوں سے دور رکھنا۔“
24۔ ”میری پسندیدہ تاریخی شخصیات؟“
”قائد اعظم اور مائیکل جیسن۔“
25۔ ”ایک بات جو سب کو سمجھاتا ہوں؟“
”کہ وقت کی پابندی کیا کرو۔۔۔۔۔ اس میں فائدہ ہے۔ بہت سے کام آسانی سے اور جلدی ہو جاتے ہیں۔“

26۔ ”میرے نزدیک اجماعت؟“
”میرے نزدیک اجماعت وہ ہوتا ہے جو ہم صحت و عہدہ کی کے ساتھ گزار رہے ہوتے ہیں اور اپنے نیچے اور حال کو سنوارنے میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔“

27۔ ”مجھے کن کیڑوں سے کھن آتی ہے؟“
”پھلکی ہے۔ پھلکی عجیب سا کیڑا ہے۔۔۔۔۔ دیکھو ذرا کسی سے کہیں ہوں۔“

28۔ ”کھانے سے ذرا کس کب ہوتا ہوں؟“
”نہیں نہیں۔۔۔۔۔ اب نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ یہ کچھ یکنی عادتیں تھیں جو اب تقریباً ختم ہو چکی ہیں۔“

29۔ ”جب نصرت تاتے تو؟“
”تو تو نہیں ہوتا چاہے وہ ہی ہوتا ہے۔۔۔۔۔ یعنی منہ سے گالیاں لگتی ہیں اور سب کی بچا دیتا ہوں۔“

30۔ ”لہذا مشکل لگتا ہے؟“
”نہیں۔۔۔۔۔ مجھے اعلیٰ بھی مشکل نہیں لگتا۔۔۔۔۔ جب مجھے اعلیٰ ہوتا ہے تو پھر کسی نہیں دکھاتا۔“

31۔ ”میرے مشاغل؟“
”یہ ایک مشغلہ مطالعہ کا، جہاں ہوا وغیرہ۔“
32۔ ”اگرچہ اسے کہتا ہوں؟“
”جب کوئی لڑکی مجھے پہچان کر گھوڑی ہوتی ہے یا کچھ کچھ شے میں گھوڑی ہوتی ہے۔“

33۔ ”شہرت لینا چاہتا ہوں؟“
”نہیں کی بھی شہرت لینا نہیں چاہتا۔۔۔۔۔ پاکستان سے اچھا کوئی ملک ہو ہی نہیں سکتا اور میں



19۔ ”مطالعہ کتابوں کا کرتا ہوں یا اپنا؟“
”دونوں کا۔۔۔۔۔ کتابوں کا اس لیے کہ مجھے پڑھنا اچھا لگتا ہے خواہ وہ کتابیں ہوں یا اخبارات اور میگزین۔۔۔۔۔ اور اپنی ذات کا بھی مطالعہ کرتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔ کیا خامیاں اور کیا خوبیاں ہیں۔“
20۔ ”کس رنگ کی شرس اور لی شرس پسند ہیں؟“

”دیکھو میں ہر رنگ بہت شوق سے پہنتا ہوں۔ لیکن مجھے لال رنگ بہت پسند ہے اور کالہ بھی اچھا لگتا ہے۔“

21۔ ”جب جان پرہن آئے؟“
”جب پھر جموں کا ساہرا لیتا ہوں۔ کہ اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔“

22۔ ”مجھے ایسے انداز پسند ہیں لائی ہے؟“
”مجھے اچھا فطرتی ہے۔ اللہ کرے کہ کامیاب ہو جائوں۔“
23۔ ”اللہ تعالیٰ غور کرے؟“
”غور سے۔۔۔۔۔ کیونکہ جب شہرت مل جاتی ہے

پرائی ہے۔ بس انسان کو اسٹرک ہوتا چاہیے۔ پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔“
14۔ ”میرا سورج طلوع ہوتا ہے؟“
”اچھا شاد ہو جائے۔۔۔۔۔ نہیں جانا ہو جب بھی جلدی اٹھ جاتا ہوں۔“
15۔ ”کھڑا تاتوں؟“

”کوئی تاثر مقرر نہیں ہے۔۔۔۔۔ آپ کو چاہے کہ اس فیلڈ میں اپنی ایک نہیں ملے۔ جب کام ختم ہو جاتا ہے کھڑا جاتا ہوں۔“

16۔ ”کھانے کا شوقین ہوں یا کھلانے کا؟“
”دونوں کا۔۔۔۔۔ بچوک برداشت نہیں ہوتی۔ یا گلوں والی کیفیت ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔ اور اگر کچھ کھائے گونے طے ہو کر ہی برا لگ رہا ہوتا ہے۔“

17۔ ”لاڈلوں کی کیا بات اچھی لگتی ہے؟“
”نزا کہتے ہیں، بردباری اور سوسائٹ۔“
18۔ ”برقی لگتی ہیں وہ لڑکیاں یا خواتین؟“
”جن میں شرم و حیا نہیں ہوتی۔ اور اب شرم و حیا ہی سے کہیں ہے۔“

اے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔“
34۔ ”کس کے شے سے ڈر لگتا ہے؟“
”اپنے بوے بھائی کے شے سے ڈر لگتا ہے۔ بہت فضا ہے ان کا۔“
35۔ ”والدین سے کیا رعب ارڈ چاہتے ہیں؟“
”بھئی کہ میرے والدین بھئی کہ ہمارے بیٹے نے اپنی فضا سے یہ مقام بنایا ہے۔ وہ بہت سختی پچھ رہے ہیں۔“
36۔ ”طلعی مان لیتا ہوں؟“
”جی۔۔۔۔۔ بالکل اب بہت سنبھل کے سب کام کرتا ہوں۔ بچپن میں اور لڑپن میں بہت غلطیاں کی تھیں۔“

37۔ ”میرا میٹر گھوم جاتا ہے؟“
”جب کوئی میری عزت نہ کرے۔ جب کوئی میری بات نہ مانے بس پھر طے کی حدود کو کراس کر دیتی ہوں۔ عزت انسان کے لیے بہت ضروری ہے۔“
38۔ ”سوشل ہوں؟“
”جی۔۔۔۔۔ مگر مجھے یہ دوسری کرنا بہت مشکل ہے دیکھو سب میں جلدی کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھو دوست کہتا ہوں۔“

شاكر حسين شاكر

شاہین رشید



قادر للضحیٰ شروع کیں، پھر اخبار تک رسائی ہوئی۔ جب کالج میں آیا تو مجھے ایسے دوست پارادوراسا تھے جو کہ جن کی وجہ سے ریڈیو پاکستان آجانا شروع ہوا اور یوں لکھنے کا آغاز بھی باقاعدہ طور پر ہو گیا اور یہ سلسلہ 1980ء سے پہلے شروع ہوا اور ایک تک میری بائیں (22) کتابیں آج بھی اور ان بائیں کتابوں میں پاکستان کی ڈے بائے ڈے ہسٹری ہے۔ 14 اگست 1947ء سے لے کر آج تک کی ہے۔ اس کے تین ایڈیشن آچکے ہیں..... اور ایک فاطمہ جناح کی حیات و فکر پر ہے۔ ایک کتاب لکھ چکا ہوں اور اس کتاب کو ردی اعزازات ملے ہیں، صدارتی ایوارڈ ملے ہیں اور ”دورِ انجم ادنیٰ“ ایوارڈ بھی ملا۔ ”ملتان ایکسپریس“ نام سے ملتان کی تاریخ پر ایک کتاب آچکی ہے۔ بچوں کے لیے ایک کتاب ہے جو میرت پہ ہے۔ شاہ

”ایف ایم جینیل پورے پاکستان میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ہمارے انٹرویوز کا دائرہ عموماً گرامی ہی ہوتا ہے..... اور دیگر چینل کے پریزنٹرز کو ملوے یہ شکایت رہتی ہے کہ ہم انہیں جگہ نہیں دیتے..... جگہ دیا نہیں ہے۔ ہمیں جب بھی موقع ملتا ہے ہم دیگر شہروں کے آنرز کے انٹرویوز بھی دیتے ہیں۔ اس بار آپ FM-93 ملتان کے آرہے ہیں۔ شاكر حسين شاكر“ سے ہمیں گے۔ جو بیک وقت کی خوبیوں کے مالک ہیں۔ بے حد صدفہ ہے ہیں مگر اور سے کہنے پر بہت ہی شائستہ فہم میں انہوں نے انٹرویو دیا اس کے لیے ہم ان کے بے حد مشکور ہیں۔“

☆ ”کیسے ہیں آپ؟“

☆ ”میری اہلیق ملتان شہر سے..... اور ملتان میری جگہ اور آخری محبت ہے اور مجھے ملتان کے بارے میں عموماً یہ کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ خوب صورت شہر پوری دنیا میں نہیں ہے..... میں اسی شہر میں پیدا ہوا اور اب میری وصیت بھی یہی ہے کہ مجھے ملتان کی اسی شہر میں کیا جائے۔ میری والدہ کا انتقال لاکل پور (پھل آباد) سے ہے جبکہ والد کا انتقال ملتان سے۔ دونوں پٹانی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور چونکہ میں ملتان میں ہی رہا تو مجھے یہاں کی سرائیکی زبان پر عبور حاصل ہے اور میں کی دی بہ ہفتہ وار پروگرام کرتا ہوں وہ بھی سرائیکی زبان میں ہوتا ہے اور سرائیکی زبان میں میری کتاب بھی آچکی ہے۔ کی دی میری سرائیکی زبان میں جو پروگرام کرتا ہوں وہ ”گرفت الزمر“ ہے اور آپ کو بتاؤں کہ اسکول کے زمانے سے ہی میں نے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے

ای اور بھی لکھنا اور شائستہ اچھا بناتی ہیں۔“

47. ”لکھنے کے لیے پسندیدہ جگہ.....“

48. ”پسندیدہ لباس؟“

49. ”میری انعام کی بات.....“

50. ”حق کی بات.....“

51. ”میرا سب سے بہتر دوست.....“

52. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

53. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

54. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

55. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

56. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

57. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

58. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

59. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

60. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

39. ”کوئی تنقید کرے تو؟“

40. ”پسندیدہ پیشہ؟“

41. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

42. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

43. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

44. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

45. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

46. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

47. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

48. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

49. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

50. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

51. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

52. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

53. ”میرا سب سے زیادہ پسندیدہ.....“

اعتذار

اس ماہ میرے مرنے والے ”من سورکہ کی بات نہ آو“ کی قسط آسیر مرزا کی طبیعت کی ناسازی کی بنا پر شامل اشاعت نہیں ہے۔ آپ اگلے ماہ قسط چھ لکھیں گی۔ ان شاء اللہ



”جی“ جب میں لوگ ڈرائیو پر ہوتا ہوں تو مختلف جھیل تبدیل کرتا رہتا ہوں۔ مجھے اپنا ہی ایف ایم 93 جو کہ سرکاری جھیل ہے جس میں ایف ایم 101 بھی شامل ہے بہت پسند ہے کیونکہ ہم ہمسایہ ملک کے گائے نہیں سٹواتے۔ پاکستان سے محبت میرے جوڑو کے اندر ایک میڈیکل طرح ہے۔ ہمارے جھیلوں میں پاکستان سے محبت کا بیٹا مانا جاتا ہے۔ باقی جھیل کے لیے بھی یوں کام کا مقابلے کا دور ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک جھیل آگیا ہے۔ ایک سے ایک بڑھ کر آگیا کہ کام کر رہا ہے۔ صرف ”اے ایم“ ہوتا تھا یا داس آف امریکہ، داس آف جرمنی یا بی بی بی ہوتا تھا۔ اب اسنے یو کائی جھیل محل گئے ہیں۔ ہاں ضرور ہے کہ پہلے والا دونوں ہاں ابھی آواز اور اچھا ہے، شہت اردو اب یہ سب محقق ہو رہے گی ہیں جس سے تو یہ دیکھی دیکھا ہے جو جتنا زیادہ برا ہوتا ہے اسے زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ بہر حال میری تو پہلی اور آخری محبت ایف ایم 93 ملان ہی ہے۔“

پروگرام کرنا ہے اور یہ بھی آپ کو بتاؤں کہ بہت جلد کمپیوٹر کے ایک بڑی ایک جگہ ہے اور جب مجھے ”تحفہ امتداد“ ملا تو میرے تعارف میں اس بات کا ذکر کیا گیا کہ میں ایک بہترین کمپیوٹر بھی ہوں۔ اور میرے والدین کی دعائیں ہیں، احباب کی مہربانی اور محبت ہے کہ وہ مجھے پسند کرتے ہیں میری نگاہات کو سراہتے ہیں۔“

”خدا داد ملا جتنی ہوں تو پھر کہیں بھی جگہ بنانے میں مشکل نہیں ہوتی اور یہ تحفہ خدائے آپ کو دی دیا۔ ایسا ہی ہے؟“

”جی“ میں بھی بہت خوش قسمت ہوں کہ مجھے اپنی جگہ بنانے کے لیے درودوں کی طرح پاپز نہیں لینے پڑے۔ میں اس معاملے میں پواؤں قسمت ہوں کہ جب ریڈیو پاکستان ملان میں میرا انتخاب ہوا تو اس سے پہلے چونکہ ہم پروگرام کرنا چاہا کرتے تھے تو وہاں کا حامل میرے لیے بہت شانساف تھا۔ اور بہت سے دوست پروڈیوسر کے عہدے پر بھی فائز ہو گئے۔ لی ڈی کے لیے ”دعا“ بخود کے لیے ملان سے پہلا بیورو چیف مجھے مقرر کیا جناب درود میرا اور صاحب نے اس مسئلے میں لاہور جا کر میں نے فرینک جی ملی، لیکن پھر جب میں نے دیکھا کہ یہ تو 24 گھنٹے کی جاب ہے تو میں نے سرور منیر راؤ سے مددرت کر لی، کیونکہ میں کسی بھی جھیل کے لیے پابند نہیں ہوتا جاتا تھا۔ میں نے استعفیٰ دیا اور ملان واپس آ گیا پھر سرور منیر راؤ صاحب ملان آئے تو ان کے چاروں دوستوں نے تربیت لے کر آئے تھے انہوں نے انہوں نے کہا کہ آپ شاہرے پروگرام کرنا میں تو کوئی کام کیا ہمارے پاس سرائیکی کے لیے بندہ ہے جس پر در صاحب نے ان کو کہیں سرائیکی اور اردو میں عبور حاصل ہے آپ کو کہیں پروگرام کر دایں۔ چنانچہ ان کی وجہ سے مجھے لی ڈی پر پروگرام ملا جو کہ میں آج تک کر رہا ہوں۔“

”دیکھ ایف ایم کے پروگرام سنتے ہیں آپ؟“

بھی لکھا۔ روزنامہ ”لو اسے وقت“ روزنامہ ”غیرین“ روزنامہ ”آج کل“ سب میں لکھا اور۔“

”ریڈیو پاکستان اب اس طرح ٹھہرا کر اسکول کے زمانے سے ہی میں نے ریڈیو جانا شروع کر دیا تھا۔ وہاں میرے چچا حسین صاحب ایک بلاڈیٹر کے طور پر کام کرتے تھے۔ ان کے زمانے کوڑو شکار پروڈیوسر درخان تھا۔ مقابلہ بیت بازی بھی ہوتا تھا۔ بزم طلبہ میں۔ اسی ہی پروگراموں کی وجہ سے مجھے بھی ادب سے لگاؤ ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ملان میں مسلم وادوں کی بہت سی تقریبات ہوتی تھیں۔ اگر چاہا بھی ہوتی تھی میرا پاپز جیسے معیار نہیں رہا ہے۔ پھر جب اے ایم کے بعد ایف ایم کا زمانہ شروع ہوا تو مجھے ایف ایم پر پروگرام کرنے کا موقع ملا اور آج تک ایف ایم پر پروگرام کر رہا ہوں۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جب ملان میں ایف ایم 93 شروع ہوا تو پروگرام ”تاروں ہماری رات“ کے نام شروع کیا اور آج تک میں یہ پروگرام کر رہا ہوں اور ہفتے میں 3 بار پروگرام کر رہا ہوں۔“

”کشمکش کس کام میں محسوس کرتے ہیں۔ ریڈیو لی ڈی کے پروگرام کر کے کیا نہیں لکھ کر کیا کام لکھ کر؟“

”کشمکش جس کام میں ہے وہ بولنا، لکھنا اور پڑھنا ہے۔ میرے لیے لکھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ خواہ وہ لکھائی کی کوئی بھی صنف ہو، اور بولنے میں تو آئی مہارت ہے کہ آپ مجھے کسی بھی تقریب میں لوڑا کر دیں اور صرف یہ بتا دیں کہ آپ کو کس موضوع پر بات کرنی ہے، میں کر دوں گا، اور آپ کو لطف کی بات بتاؤں کہ گزشتہ دو ماہوں سے ریڈیو پاکستان پر کام کر رہا ہوں مگر میں نے بھی اسکرپٹ نہیں لکھا۔ اسی طرح لی ڈی پر پروگرام بھی لی ایف ایم کرتا ہوں۔“

”اگر ایسا ہوتا ہے کہ لی ڈی پروگرام کی ریکارڈنگ کے لیے جاتا ہوں تو میرے پروڈیوسر اسی وقت مجھے بتاتے ہیں کہ آج آپ کو کس موضوع پر

بزدلاری حضرت یوسف شاہ گرد پڑایا اور کرامت زور ہے ان کی سوانح حیات پر میری ایک کتاب شائع ہو چکی ہے۔ میرے مضامین کی ایک کتاب ”مطلوہ پورا“ آگئی ہو چکی ہے۔ ”تم حیران انتظار کرتے ہیں“ شاعری کی کتاب ہے۔ فیکس صاحب کے خاکوں پر ”میری یادوں کے نقش“ کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ ان کی صد سالہ سالگرہ پر شائع ہوئی۔ یہ کتاب دسرف بہت پسند کی گئی۔ ”ایم فل“ کے مضمین میں بھی شامل ہے۔ لکھنے پڑھنے کا کام میں کرتا رہتا ہوں اور سیاست پر بھی لکھتا ہوں۔“

”بے نظیر بھٹو“ کی شہادت کے موضوع پر میں نے دو کتابیں لکھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا اصل کام تو لکھنا پڑھنا ہے۔ اور بولنا ہے۔ ایف ایم 93 پر پروگرام کرتا ہوں۔ ہفتے وار میں پروگرام کرتا ہوں اور لی ڈی کی ملان جب سے وجود میں آیا ہے میں پروگرام کر رہا ہوں۔ ہم چہ بھائی ہیں۔ اور یوں نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم سب ہماریوں کو بنیاد دی ہیں۔ میری پہلی اولاد بنی ہے۔ پھر جو بیٹے ہیں۔ میری چوتھی میری چچا زاد ہے اور شاکستہ جنول ان کا نام ہے اگلی نسل میری ہے۔“

”بھٹو! اللہ شاہ آپ تو بہت قابل انسان ہیں ریڈیو۔ لی ڈی کی کیا باتیں کتابیں بھی لکھیں۔ کیا خواہش ہے کہ لوگ آپ کو کس حوالے سے پہچانیں؟“

”میں آپ کو بتاؤں کہ میں کچھ عمر میں سو سو بی بی رہا۔ اور جب وہاں سے واپس آیا تو میری شادی ہو گئی۔ اور میرا اپنا ایک جلیبٹنگ واکس ہے جس کو میں گزشتہ 30 سال سے چلا رہا ہوں اور آپ نے کچھ کچھ بارے میں پوچھا تو میری پہچان میری کتابیں ہیں۔ اور کتاب ہی میری زندگی کی کتاب سے ہی میں نے سب کچھ پایا ہے اور میری میرے روزگار کا ذریعہ بھی ہے۔ ہفتے میں دو کام لکھتا ہوں، کالم نگاری کا آغاز ”انکسپریس“ اخبار سے کیا۔ روزنامہ ”آفتاب“ اور روزنامہ ”سنگ میل“ میں

فضہ نور

اُطارد

ن۔ "فصد نور..... رو پڑی
س۔ "مٹی نام گھر والے پیار سے کیا کہتے
ہیں؟"
ن۔ "فصد ہی کہتے ہیں گھر والے سب۔"
س۔ "آئینہ آپ سے کیا کہتا ہے؟"
ن۔ "میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے اک مکمل انسان بنایا ہے دینے آئینہ تو تعریفیں کرتا ہی ہے..... مجی اسے دردی ہوئی آج میں پیاری لکھی ہے تو مجی مسکراہٹ پیاری لکھی ہے۔"
س۔ "حسین صورتیں دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟"
ن۔ "مجی کہ ان کی سیرت کسی ہوگی..... کیونکہ میں صورت سے زیادہ حسین سیرت کی قائل ہوں۔"
س۔ "اگر آپ کے پر میں کی حالتی لے جائے تو کیا لگے گا؟"
ن۔ "کچھ خاص نہیں۔"
س۔ "بھائی سے دردی ہیں؟"
ن۔ "نہیں اگر کوئی ڈرامہ یا پار فلم دیکھ لوں تو....."
س۔ "مہمان کیسے اچھے لگتے ہیں؟"
ن۔ "مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں میں جو بتا کر آئے وہ مہمان زیادہ اچھے لگتے ہیں۔"
س۔ "کھانا میں کیا پسند ہے؟"
ن۔ "چکن کڑاہی، اوری گوشت، بھنڈی گوشت، بریانی، برگڑ، بڑوں میں آدو پیسے تو سب کھا لیتی ہوں صابر ہوں۔"
س۔ "اگر آپ کو حکومت مل جائے تو؟"
ن۔ "ظاہری بات ہے اپنے ملک کا بھلا ہی چاہوں گی دینے تو سب ہی سدھارنے والا ہے ہمارے ملک میں۔"
س۔ "پسندیدہ شاعر؟"
ن۔ "شاعری سے بہت لگاؤ ہے شاعری جس مرضی شاعری ہو میں انہی لگے کچھ شاعروں کے نام ہیں وہی فیض احمد، احمد فراز، مجنغوی اور پروین شاکر ان کی شاعری زیادہ پسند ہے۔"
س۔ "موا جائزہ لیا؟"
ن۔ "جی نہیں مجھے نہیں لگتا لیکن قصہ بہت جلدی آتا ہے۔"
س۔ "مکس حراج کے لوگ پسند ہیں؟"
ن۔ "معصوم، ام کو اور تھوڑا بہت ہنس مذاق کرنے والے۔ سب کے ساتھ مکمل مل جانے والے انہں کو لگتے ہیں۔"
ن۔ "تو زمانے میں اور بھی کم ہے لوڈ شیڈنگ کے سوا۔"
س۔ "اللہ کو یاد کرنے کا بہترین وقت؟"
ن۔ "اللہ کو یاد کرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے کیونکہ اللہ پاک ہماری ہر گ سے بھی زیادہ قریب ہے تو ہم اسے جس وقت چاہے یاد کر سکتے ہیں۔"
س۔ "آپ کفایت شاعری سے یا فنونِ خراج؟"
ن۔ "مجھے کفایت شاعری ہو سکتے ہیں اور فنونِ خراج بھی کیونکہ میرے پاس پیسے آجائیں تو خرچ ہو جائے ہیں بہت مشکل سے بچائی ہوں۔"
س۔ "کیا نام شخصیت پر اثر انداز ہوتے ہیں؟"

ہیں؟"

ن۔ "میرے خیال میں تو ہوتے ہیں باقی سب کا اپنا نظریہ ہے۔"
س۔ "وہ کون سے کام ہیں جن کو کرتے ہوئے سوچ آتی ہے؟"
ن۔ "دنیا کا کیا ہے کہنے کو تو بہت کچھ کہتی ہیں اگر انسان اتنا سوچنے لگے جائے تو جینا بھی دشوار ہو جاتا ہے مجھے شاعر نے کہا ہے۔"
مجھ کام مسلسل سے تھکاوٹ نہیں لازم..... انسان کو تھکا دیتا ہے سوچوں کا سفر بھی..... س۔ "آپ سنسان راستوں سے گزر رہی ہیں اور کن جگہ لگ جاتے تو؟"
ن۔ "ایسا تو بھی نہیں ہوا لیکن میں کوشش کروں گی کہ جلدی جلدی چلے گاؤں ویسے ندا سے چھیزوں گی وہ پیچھے لگے گا۔"
س۔ "آپ کی نظر میں محبت؟"
ن۔ "محبت تو اک خوب صورت احساس ہے لیکن آج کل کے دور میں تو رہتے بھی مطلب سے مل رہے ہیں تو محبت تو گھین دور جاسکتی ہے۔"
اس دور کے انسان ہیں کہ پھر کے مجھے..... س۔ "کن لوگوں کی احسان صدیق ہیں؟"
ن۔ "اپنی اہلی کی۔"
س۔ "اپنی تحریف سن کر خوشی ہوتی ہے کیا؟"
ن۔ "بندہ بشر ہوں ظاہری بات ہے کون انسان اپنی تحریف پہ خوش نہیں ہوتا۔"
س۔ "ڈرامے دیکھی ہیں؟"
ن۔ "جی بہت شوق سے دیکھتی ہوں لیکن ڈرامے گزشتہ زمانے کے ڈرامے زیادہ شوق سے دیکھتی ہوں۔"
س۔ "اگر دوست ناراض ہو جائے تو کیسے شانتی؟"
س۔ "ہیں؟"

فروری 2018 27

ن۔ "جانتی ہوں اپنی غلطی تسلیم کر لیتی ہوں اگر غلطی سامنے والی کی ہو تو پھر نہیں سنا لی جب تک وہ اپنی غلطی نہ مان لے....."
س۔ "عقلمندی خوشی کا وقت حاصل ہوتی ہے؟"
ن۔ "یہ تو وقت اور حالات پر منحصر کرتا ہے کیونکہ وقت اور حالات کو مد نظر رکھا جائے تو پریشانی میں دینی سکون بھی کسی نعمت سے کم نہیں درنہ کوئی بن مانگے پیچڑ پھر کوئی خواہش پوری ہو جائے تو عقلمندی خوش حاصل ہو جاتی ہے۔"
س۔ "زندگی سے کیا سبق سیکھا؟"
ن۔ "زندگی شاید کچھ بھی نام سے نہیں لے کر پڑھا ہے تک انسان اس سے کچھ نہ سمجھتی ہی رہتا ہے۔ وقت اور حالات کے بدلنے کے ساتھ انسانوں کے بدلنے روپے بہت کچھ سکھا دیتے ہیں۔"
س۔ "ستاروں پر تعین رکھتی ہیں؟"
ن۔ "جی، اپنی احمقوں بہت۔"
س۔ "کوئی آخری بات؟"
ن۔ "مجھے سالی کی سب کو مبارک باد دادور دا کہی کہ نیا سال ہم سب کے لیے اچھا ثابت ہوا میں۔ اور خوشی ان کا شکر۔"
ن۔ گھڑ ہے کوئی حالات سے نہ کفایت سمجھی کی ذات سے خود ہی سارے ورق جدا ہو رہے میری زندگی کی کتاب سے..... س۔ "کوئی ایسا بات جو ہمیشہ ذہن میں رہتی ہو؟"
ن۔ "بندر تھو اس قدر کے معلوم نہ ہو سکا..... کیسے، کہاں؟ اگر کب میرا بچپن چلا گیا..... ☆☆☆

کہتے ہیں عبداللہ

پہلی سچی پہچان

پہلی اور احمد علی دو بھائی تھے۔ احمد علی بڑے تھے چھوٹے بھائی احمد علی کے لیے وہ مشفق باپ تھے۔ احمد علی کا انتقال ہو چکا تھا اور احمد علی جس حد تک ممکن ہوتا ہوا مزاج اور بچوں کی مدد کرتے ہیں۔ احمد علی کو ان کے مزاج کے برعکس بیوی کی بیگم تھیں وہ جتنے نرم خور تھے عہدہ بیگم اس قدر تیز دماغ اور کسی حد تک بد مزاج بھی۔ احمد علی کی بیوی کا خرافہ ان کی طرح نرم مزاج اور درگزر کرنے والی بیگم احمد علی کی بیگم بیگم سید خیرینہ اور شہرینہ بیگم جبکہ احمد علی کے دو بچے عزرا اور بیلا تھے۔ سونہ کی شادی ہو چکی ہے۔ عزرا بیگم نے اس کی شادی کو پسند کر لی ہے جبکہ عزرا کا خاوند شہرینہ اس کو بھاتا ہے۔ عزرا اور شہرینہ کا رشتہ احمد علی نے عہدہ بیگم کی مرضی کے خلاف بھائی کی زندگی ہی میں ان کی کم عمری ہی میں کر دیا تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ ان کے دلوں میں کسی مضبوط ہو چکا ہے۔

چوتھی قید



حمى

”کچھ نہیں ہوگا، تم لوگ بات کا جملزمت بناؤ۔“ حسان صاحب کے جھنجھلانے پر شرر کو وہاں سے کھینکے میں مانت نظر آئی تھی۔

☆☆☆

کھلے دو انتہائی غصے میں ٹکلا ہوا اور آفس سے نکلنا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ وہ دوبارہ بھی اصرار نہ نہیں کرے کہ گات ہی ایسی ہی ملا کر دیکھا کہ خرابی اس کی طرف ہی آگئی اور جب اس نے حوصلہ افزائی نہیں کی تو جانے اسے ڈونڈے سے کیا کہا کہ اس میں چڑھ دوڑے تھے۔ کوئی اور بات ہوئی کہ آفیشل معاملے میں وہ اسے ریفریکس کرتے ہوئے دیکھا کہ اس نے سسٹن نہ لیا تھا کہ انہوں نے تو انتہائی بے ہودہ الزام کے کراس کے کردار کی دہلیا اڑا دی تھی اور اس کی طرف سے یہاں تک۔

رات اس نے بہت سوچا تھا تب مجھ سے نہیں اُتر رہا تھا کیا کرے یہ جب اسے بہت خوارگی کے بعد بھی تھی، بریاتی کا مطلب تھا جو خوارگی اور اس نے خوارگی منظور کی عزت نفس سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا اس نے سوچا تھا کہ یہ خوارگی بہت ضروری ہے، کھا، پھر دیکھ لیوں ذلیل ہو کر دوبارہ اس آفس میں نہیں جاسکے گا۔ یوں صبح جاتے جاتے قانع ہوئے اس نے روزانہ لیوٹان صاحب کے ساتھ کھانا کھا کر اور ایک کدو فاختہ کو کباب کھاتے تاکہ بریٹان نہیں کرنا جاتا تھا سب سے معمول کے مطابق صبح سے نکل رہا تھا۔

اب اسے جا بگھنے لپے جتنے سرے سے تک دودھ کی گھٹیا اس لیے دوا بگھ جائے گے ہوٹل میں آ بیٹھنا
چاہئے پیسے کے ساتھ اخلاقی سلیکچر دیکھتے ہوئے اس نے کافی وقت وہاں کر رہا جو ایک دوسلر کی سی دی
گئے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا اب کیا کرے، کہاں جائے، ایک نگر دھاتھانے مضمحل مریکوں پر بائیک ڈوڈے
ہوئے اسے خود کشی کا شہید بننے کا ارادہ کیا۔ اس نے ان کا دھاتھانے اصل میں اس کا ذہن سے جدا بھیجا ہوا تھا
اس کی گھر زبانی میں خدا کا کہنا کہ اب حالات بہتر ہوں گے تجھے کچھ بھڑکائی جانے کو سن اسٹان لینا چاہی
تھی وہی اس وقت میں تھا کہ اسے نام کی یاد پر جو کچھ کہہ رہے تھے۔

”تم کیسے آئے؟“ شہرینہ پوچھ رہی تھی۔

”پتا نہیں۔“ اس نے بے دھیانی میں کہہ کر ادھر ادھر دیکھا پھر نظریں شہرینہ پر جمادیں۔

”کیا ہوا ہے خزا، سب ٹھیک تو ہے ناں؟“ شہرینہ اس کی سنجیدگی سے زیادہ پریشانی محسوس کر کے خائف ہوئی تھی۔

”سب ٹھیک ہے، بیٹھو۔“ اس نے کہہ کر بائیک کو کلک ماری تو شہرہ نے اس کا مولد دیکھتے ہوئی کچھ کہہ نہیں سکی اور اس کے چہرے میں کھردری جانے لگا کہ اس سچی، قاسم کرتی رہی ہو۔

”کھانا کھاؤ گی؟“ مہزو نے ریسٹورنٹ کے پرسکون ماحول میں بیٹھتے ہی اس سے پوچھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

”نہیں، پہلے تم بتاؤ مجھیں کیا ہوا ہے، اتنے ریشاں لگ رہے ہو۔“

”اس لیے تو میں گھر نہیں گیا“ کیا واقعی میرے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی ہے؟“ وہ یوں اپنا چہرہ نیونے لگا جسے رشتا انورجھٹکا۔

”انگل ظاہر ہو رہی ہے اب بتائیے دو خنزروں میں تم سے زیادہ پریشان ہو رہی ہوں۔“ شہرینہ کی بے صبری پر

”میرے جواب کی کیا گنجائش ہے۔“

”دیکھا میاں، ہمیشہ ایسے ہی کرتی ہے، بلیک سیل کرتی ہے آپ کو اور ڈیڈ لی کو بھی لیکن اس کی اس ناچائز بات کے سامنے آپ لوگوں نے ہتھیار نہیں ڈالنے، سر دی ہیں ناں میاں.....“ ہنسنیلا غصے میں بولنے لگے ہوئے شہ کڈ بیسیں شہ کو احاطہ معجزو ڈالا تھا۔

”میں سمجھتی تھی تو بتا رہی تھی، تمہارے ڈیڈی نے بھی منع کر دیا ہے اور میں بھی نہیں چاہتی اسے کیسے سمجھایا جائے۔“ شہرہ اسے سمجھانے کے معاملے میں بے بس نظر آنے لگی تھیں۔

”کوئی ضرورت نہیں اسے سمجھانے کی، خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔“
”مجھے تو دل کا بہت حالاک لگتا ہے۔“ شرار نے کہا تو شہنشاہ دانت پیس کر کہنے لگی۔

”صرف چالاک نہیں ممالاچی بھی، یہ نعلی طبقے کے لوگ امیر بننے کے لیے ایسے ہی لڑکیوں کو بھانٹتے
بجھتے، بیکار حیرت اور اس نے تو کبھی معمولی چیزوں پر دھیان نہیں دیا اس کی باتوں میں کیسے

آگسٹی۔

”ڈیڑی سے کہیں اسے فارغ کریں، میرا مطلب ہے اس لڑکے کو دھکے دے کر نکال دیں اپنے آفس
سرایمچ سے۔“

”ریلیکس بیٹا! غصہ اور سختی سے ریکا کو نہیں روکا جا سکتا، تمہارے ڈیڈی ہی اب اس میٹر کو ہینڈل کریں گے، یہ سب میرے لیے ہے۔“

”فارگا ڈسک می آپ ریکار سے ڈر لی کیوں ہیں؟“

”تو اس میں غلطی آپ لوگوں کی ہے..... آپ کی ڈیڑی کی..... شروع سے اس کی ہر بات مانتے چلے

آئے۔ مجھے کہیں یاد نہ تھی آپ نے یا زلیخا کی بات سے سنا لیا ہو یا مجھ کے کسی اور کسی دوست سے سنا ہو کہ میں نے آپ کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔“ ”مہربان! اب شرہ کو الٹا مڑا دے رہی تھی اور کچھ غلط بھی نہیں تھا جب ہی وہ خاموش ہو گئی

شام میں حسان صاحب آئے تو انہوں نے خود ہی شرہ کو بتایا کہ ”انہوں نے حمزہ کی طبیعت صاف کر دی تھیں۔“

”لیکن حسان آپ اگر اسے اپنی فرم سے نکال دیتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔“ شمرہ نے ان کی ساری بات سن کر

”تم عورتیں بہت جلد باز ہوتی ہو، فوری اسے نکالنے کا مطلب اچھا بیٹی کو خود سے متنفر کرنا تھا جبکہ میں چاہتا

ہوں سانپ ابھی مر جائے اور لاش بھی نہ ٹوٹے۔ اس لیے میں نے ابھی اسے صرف وارن کیا ہے۔" سرور انہیں دیکھے کیس جب کہ چہرے پر ہلکے مندی جوں کی توں موجود تھی۔

”ڈونٹ وری اسب ٹھیک ہو جائے گا۔“ حسان صاحب ان کا چہرہ دیکھ کر کہنے لگے۔ ”تم اسی ربیکا سے اس سلسلے میں کوئی بات مت کرنا۔“

”میں نے تو اس دن کے بعد سے کوئی بات نہیں کی،“ بس آج صبح ایلانے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

”کہاں؟“ وہ بے ساختہ کہہ کر جھنجھلا اُٹھی۔ ”آف ترمزہ نے تو میری جان ہی نکال دی ابھی فصل بنائے ہوئے جو پیسے پائیں لکنا برا سا نسخہ ہو گیا۔ اللہ نکرے..... تو بیکورہ۔“

”برساتھی تو ہے۔“ حمزہ نے کہا تو اس نے فوراً ٹالو۔ ”جی نہیں“ نسخہ وہ ہوتا ہے جس کی طلائی نہ ہو اور یہ تو سنا ہے ایک در بندہ سیکھے۔ تم خواہ خود ہریشان اور بے ہوش رہو، ہمارا مکروہ جلدگی اور سبب پیدا کر دے گا۔“ وہ لالچابی کی لڑکی کھتے آرام سے اسے جھٹکنا سے نکال گئی۔

”ہوں.....“ حمزہ نے جھنجھٹے مسکراہٹ کے ساتھ اجنبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگا۔ ”بہر حال میں نے صرف جہیں بتایا ہے اور ابھی کسی سے ذکر کرت کرتا۔“

”نہیں کروں گی کچھی جان کو بھی نہیں چاہی؟“ شہرینہ نے اس کی بات مان کر پوچھا۔ ”نہیں، میں انہیں ہریشان نہیں کرتا چاہتا۔ کشش کروں گا جلدگیوں اور چاہی نہ جانے تو پھر بتانے کی ہوت ہی نہیں آئے گی۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو، ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ چلو اب جلدگی سے کچھ کھائے کو مگواؤ، جھوک لگ رہی ہے۔“ شہرینہ نے کہنے ہوئے بیٹو کا رڈا ڈھکا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

”تم بتاؤ، کیا کھاؤ گی؟“ ”زیادہ کچھ نہیں بس بریلی مگلو۔“ وہ اب اس پر زیادہ برڈن نہیں ڈالنا چاہتی تھی، حمزہ بریلی آ رڈر کر کے اسے دیکھنے کا سوجھا ہوا انداز تھا۔

”کیا ہوا؟“ شہرینہ نے پوچھنے کے ساتھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ بھی لہرایا تو اس نے یوں ہی ٹٹی میں سر ہلایا پھر کہنے لگا۔

”سوچتا ہوں زندگی میں کتنے ایسے موڑ آتے ہیں جن کے بارے میں ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا، ایسا کیوں ہوتا ہے؟“

”پائیں۔“ شہرینہ کی لار دلائی اس نے نظر انداز کر دی اور زور سے روگیا ہوا۔

”سوچنا شہرینہ، خود کو مار پھر اس پر کس کریم گے۔“

”ابھی بات ہے، ابھی تو جلدگی کھاؤ اور جلدگی چلے، ایسا نہ ہوا می گھر اور خزینہ کو فون کر دیں کہ میں ابھی تک گھر نہیں پہنچی۔“ شہرینہ پر اس خیال سے ٹکٹ سوار ہو گئی اور وہ بھی جھٹکتا تھا اس لیے اس کی طرح جلدگی جلدگی کھانے لگا تھا۔

☆☆☆

”مج آفس آتے ہوئے دمیدہ جیکر سے کہا آئی تھی کہ وہ غمرہ کے ساتھ مارکیٹ جائے گی اس لیے واپسی میں در ہو جائے گی۔“ اسل میں سعد بے باکی شادی کے سلسلے میں ایسے کچھ شاٹنگ کرنی تھی اور شہرینہ کے لیے ایک دوسرا کیلئے کاسٹنگ کر اس نے اپنی بیٹی پوچھی کہ میں روک لی تھی اور اب وہ غمرہ سے پوچھ رہی تھی۔

”سنو مارکیٹ چلو گی؟“

”مارکیٹ..... کیا لیتا ہے؟“ غمرہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ گئی۔

”بس لینا ہے کچھ..... میری کرن کی شادی ہے۔“ اس نے کہا تو غمرہ ہونٹ سکیز کر بولی۔

”او..... پھر کبھی شاٹنگ ہوگی ایسا کر دیکھ پر رکھو۔“

”کھل سے تو کشش شروع ہیں یار!۔“

”پھر آج تو میں نہیں جا سکتی کیونکہ مجھے خود جلدگی گھر پہنچنا ہے، مہمان آر ہے ہیں۔“ غمرہ نے نہ جانے کی وجہ بتائی تو اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

”بھئی نہیں دیکھتے؟“

”ہاں کچھ ایسا ہی سلسلہ ہے۔“ غمرہ ہنسی تھی۔

”چلو اللہ تمہاری کیا یاد رکھے۔“ پھر میں ایسا کرتی ہوں ابھی نکل جاتی ہوں تاکہ شام تک بھر جیجے جاؤں۔“

اس نے کہتے ہوئے ٹائم ڈیکھا چار بج رہے تھے۔

”ہاں سے پوچھ لو جانے دیں تو پکی جاؤ۔“

”ہوں.....“ اس نے کھانے والے سے ادھر نظر ڈالی، تیمور غزنی فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے اس کے قارغ ہونے کا انتقاد کیا پھر اللہ کر اس کے درم میں آئی تو وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا وہ ہمیشہ اسے متوجہ کرنا پڑتا تھا۔

”بھئی کس خیزینا؟“ خاما دوستانہ انداز میں شایا اس لیے کہ وہ اپنے دل کی بات اس کے ساتھ شیئر کر گیا تھا۔ خیزینہ نے چیخ کر طرف دیکھا اور دیکھ نہیں پائی تھی کسے اس کی چیخ پوری بات نہیں کر لی تھی۔

”سراٹھے مارکیٹ جانا ہے اگر کوئی ضروری کام ہو تو میں آتی.....“ وہ اس سے غلط بیانی نہیں کر سکتی تھی۔

”کام.....“ تیمور غزنی نے چند لمحوں سوچا پھر اسے دیکھ کر ہلا دیا۔

”ہاں مجھے بھی باہر کے ایک دو کام ہیں آپ جیسے میں آتا ہوں۔“

”اللہ ایچس جب میرا نہیں ہو سکتا تو مجھ پر مہربان کیوں ہے۔“ وہ سوچتی ہوئی واپسی آئی اور اپنا بیگ اٹھا کر نکرو خدا حافظ کہتے ہوئے آفس سے نکل آئی تھی۔

نظر کیا اس منٹ بعد تیمور غزنی پارک سے گاڑی نکال کر اس کے قریب آئے یا تو وہ خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس دوران اس نے اپنے طور پر کچھ کیا کہ تیمور غزنی اسے اس لڑکی کے بارے میں بتانا چاہتا ہوگا جس کا اس دن اس نے ذکر کیا تھا۔

”کو کس قسم دہی کی پھر بھی اس کے بارے میں نہیں مانتا چاہتی تھی کیونکہ اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ جس شخص کو وہ اپنا محبوب باقی ہے اس کے لیے ہر کسی اور کا نام ہو۔“ کبھی جانے انہانے میں اس کا اندر مہیاں ہو گیا تو تیمور غزنی تو جوبھی سمجھے وہ خود اپنی نظروں میں بے وقعت ہو جائے گی۔ اس لیے وہ اس کی طرف سے انجان ہی نی رہی تھی اور جب اس نے اسے شاٹنگ مال کے پارک میں گاڑی روک دی تو وہ پوچھ کر اسے دیکھنے لگے۔

سے شاٹنگ کا تو وہ قصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

”سرا! آپ اپنا کام کر لیں، میں بیٹلن ویٹ کر لوں گی۔“ اس نے خود پر قابو پا کر سہولت سے کہا تو وہ قدرے حسرت سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”واٹ ڈیو میں..... کیا آپ کو شاٹنگ نہیں کرنی؟“

”کرنی ہے سر اور میں کمرے سے اپنی سسٹر کے ساتھ جاؤں گی۔“ اس نے جڑ بڑھ کر بات بتائی تھی۔

”او“ کے سسٹر کے ساتھ میں چلی جائے گا ابھی تو میرے ساتھ آئیں۔“ تیمور غزنی نے لاپرواہی سے کہہ کر پہلے اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تو اسے اترنا پڑا۔

پھر وہ قدم آگے کر روکتی اس طرح اس کے ساتھ چلی رہی تھی کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ کسی چیز کو کچھ کر اس کی آنکھوں میں لینے کی چمک باند لے سکتے کی حسرت لہرائے۔ اس لیے ہر طرف سے بے نیاز وہ جہاں رکاوٹ رک گئی، وہ چلا تو وہ بھی چل پڑی جانے دیا کیا لہے ہمارا خود کار پر بیٹھا تو وہ بھی بیٹھ گئی، اس کے

چہرے پر بے زاری داغ نظر آئے گی تھی۔

”آپ شاید یورو ہو گئے۔“ تیوروزنی نے اس کی بے زاری محسوس کر کے کہا، وہ کچھ نہیں بولی۔ ایک نظر اس پر ڈال کر کلاس والے سے باہر دیکھنے کی دھوپ میں یوں لگے، جیسے سمندر میں ایک چٹان پر ہونے والوں میں سے ایک کی آنکھوں میں جھپکنے کی حالت تھی تو اس نے دوسرے نظریں جھانکیں۔ تیوروزنی خودی جانے کے ساتھ سینہ دھڑکنے لگا۔

”مرا اس کی ضرورت نہیں تھی، ہمیں چلنا چاہیے۔“

”ضرورت تو کسی چیز کی نہیں تھی، اس نے کہا تو وہ مہر کی سانس بھیج کر بولا۔

”پھر؟“ اس کے صرف ہونٹوں نے بہش کی جب کہ انھیں سوالیہ نشان بن گئی تھیں۔ تیوروزنی نے پہلے جانے لگا۔ اس کے سامنے رکھا پھر لگا۔

”وہ ایسا ہے کہ اس روز میں نے اپنی پراہم..... نہیں پراہم نہیں کہا تھا چاہیے۔ ہاں دل کی بات آپ کے ساتھ شہر کی گئی۔“

”تو کیا دل کی بات گئی؟“ اپنی بے اعتباری پر وہ خود بخود پچھتا رہی تھی۔

”نہیں..... میرا مطلب ہے ابھی میں نے اس سے بات نہیں کی کیونکہ مجھے نہیں پتا کہ اس کے دل میں میرے لیے کیا ہے۔ وہ مجھ پر ہند کرتی ہے یا نہیں یہ سب جاننے کے لیے آپ بتائیں مجھے کیا کرنا چاہیے۔“ اس کی ساری بات سن کر خیریت نہ دل میں اسے گالی دی کہ اور دل تو ابھی بہت کچھ بھرا ہوا تھا، مشکل اسے سمجھا کر گویا ہوتی تھی۔

”مرا آپ کو ان صدی میں مٹی رہے ہیں؟“ یہ ایک سو بیس صدی ہے پھر دیکھنے میں آپ کو ان ایسے لیے لپٹنے بھی نہیں گئے جوا اظہار محبت کے جواب میں رعایت پر جانے کا غرضہ۔۔۔ اس کے بچے کی کوئی محسوس ہو رہی تھی، وہ اسے دیکھا رہ گیا۔

”میں غلط نہیں کہہ رہی سراسر اب کوئی پارتھنن بنیے پڑے۔ آپ سیدھے سیدھے اس سے کہہ دیں کہ آپ اسے پسند کرتے ہیں اور اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہائی کا کام کا، وہ وہاں کے رہا یاں۔“ وہ اس موضوع سے جان چھڑانا چاہتی تھی کہ اسے ایک تیوروزنی نے اس کے دل پر ہاتھ رکھ دیا۔

”تو کیا جواب ہے تمہارا؟“

”جی..... سارے منشی جڈ بڑوں پر حیرت غالب آگئی تھی اور تیوروزنی اس کی پوری کھلی آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگا۔

”جو بھی ہوں لیکن تمہارے سامنے ہوں، کیا تم مجھے میری فیملی کے بغیر قبول کر سکتی ہو..... میں بڑے بڑے دعوے کر کے خود کو لگا نہیں کرنا چاہتا جس اتنا کہوں گا.....“ اس کا سر مٹی میں بٹنے دیکھ کر وہ ایک دم خاموش ہو گیا اور جب تھا کہ خود پر ہڈا سے وہ دھیرے سے بولی گئی۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا.....“ تیوروزنی قدرے خائف ہوا تھا، وہ سن نہ کہہ دے کہ سارو کی موجودگی میں تم اپنی بات کہیں کر سکتے ہو، جب ہی اسے ٹوک نہیں اور اس کی ایک ایک حرکت دیکھنے کے خیریت کی نظر اس اپنے ہاتھوں کی گھبراہٹ میں بٹھکنے ہوئے جانے کا تلاش کر رہی تھیں پھر اس کی طرح وہ نظریں اٹھائے بنا بولی گئی۔

”جب میرے ہاتھ کی گھبراہٹ میں اڈل سے آپ کا نام لگ دیا گیا ہے تیوروزنی تو میں اسے مٹا دوں نہیں سکتی۔“ تیوروزنی نے کب سے اس کی سانس پر چپ کر کر کہاں کی گئی۔

☆☆☆

شام اتر رہی تھی جب وہ ہماری شاہزادہ سے لدی ہندی کمر میں داخل ہوئی تو پہلے مڑے پر ہی سیدہ آپا کی

آدھے کا چھوٹی کر کے اس نے سیدہ حائے کمرے کا رخ کیا اور تمام شاہزادہ الماری میں بند کر کے پھر سیدہ بیگم کے کمرے میں آئی گی۔

”سلام بیگم؟“ اس نے قصد اٹھا انداز اختیار کیا تھا، سیدہ بیگم جواب کے ساتھ ہو گئیں۔

”جی، آپ کب آنیں سیدہ آپا؟“ اس نے سیدہ کے گلے لگتے ہوئے پوچھا، ساتھ اس کے بیٹے کو پیار بھی کیا تھا۔

”کافی دن ہوئی امی نے تاتا تم بارکٹ جاؤ گی کیا لائی ہو؟“ سیدہ بیگم اسے انتظار میں بیٹھی تھی اور اسے خود پتا نہیں تھا تیوروزنی نے وہ ساری شاٹنگ اسے تھیاری گئی۔

”کچھ خاص نہیں شہرینے کے لیے سوٹ لینا جاری ہے لیکن کچھ میں نہیں آئے۔“ اس نے بتاتے ہوئے شہرینہ کو آکھ ماری جس سے وہ کچھ سیدہ کے سامنے نہیں دکھانا چاہتی پھر مٹی منہ بھلا کر بولی گی۔

”کلی ہندی می، میں کیا پہنوں گی؟“

”کوئی ضرورت نہیں ہندی وہ ہندی میں جانے کی، یہ کوئی موقع ہے خوشیاں منانے، خالہ نے بھی احساس نہیں کیا۔“ سیدہ بیگم کی گئی۔

”کیا ہو گیا ہے سیدہ آپا خالہ اسے اجازت لے کر ہی سب کر رہی ہیں، مجھوری بھی ان کی۔“ خیریت نے سمجھا جا پاؤ وہ اور بڑی۔

”کلی مجھوری..... دوسرے دن مجھے ہیں امی کی عدت ختم ہونے میں، اس کے بعد کی تاریخ رکھ لیتیں، کیوں امی؟“

”میں چپ ہو جاؤ۔“ سیدہ بیگم اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتی تھیں۔

”میں تو چپ ہو جاؤ گی، دنیا کیا کہے گی۔“

”دنیا کو پھوڑیں ہے تا میں آپ میں شادی میں۔“ خیریت نے گویا چلتی پر تپتی بیگم کا تھا۔

”کی لی جیئے سرال میں باتیں نہیں سہیں کہ چاہے کو کمرے سے جھڑک دیا تو نہیں ہوئے اور اسے شادیاں سوچ رہی ہیں۔ میں نے تو کسی کو بتایا بھی نہیں، طلاق تو بھی نہیں پر اور خیر اور تم لوگ بھی ان کے سامنے ذکر کرتا۔“

”نہیں کر سگے۔ اب آپ ایک بات بتائیں اگر اس وقت میرے لیے کوئی پر بول اڑ گیا تو کیا آپ صرف اس لیے منع کر دیں گی کہ یہ ان باتوں کا موقع نہیں ہے، چار مہینے بعد آئے گا۔“ اس کی بات پر لا جواب ہو کر سیدہ نے سیدہ بیگم کو نگار تھا۔

”کیا یہ کہہ رہی ہیں مجھے نیچے منہ نہ کر رہی ہے۔“

”کی نہیں، میں نے تو ایک بات کی ہے۔“ وہ چپٹے ہو کر سے لکل آئی، اب وہ کیسے ہائی کر اس کا دل اٹھکیاں کرنے لگا چاہا ہے۔

”خیریت..... شہرینہ کی پکار وہ ان کی کمری اور آسان کی دستوں میں کچھ تلاش کرنے کا شغل جاری رکھا۔

”کیا وہ کہہ رہی ہو؟“ شہرینہ اس کے کمرے میں آئی۔

”اپنے بخت کا ستارہ۔“ وہ کہنے کے ساتھ اچھل پڑی۔ ”وہ دیکھو..... دیکھو شہرینہ! کتنا روشن ہے۔“ شہرینہ نے بے اختیار اس کی آنکھ کے اشارے کی نظر اس کی پھر ایک دم بھٹکی۔

”کیا یہ فتویٰ کی باتیں کر رہی ہو، کم از کم تم پر ایسا باتیں باطل سوٹ نہیں کر سکتیں۔“ وہ ہاتھ نیچے کر کر

پوری شہرینہ کی طرف گھوم گئی۔

”کیونکہ مجھے شہر میں کسی خاص جگہ دار کھتے ہو۔“ شہرینہ ہنسی۔

”نف! اس میں تو ذرا سی کمی بھی مجھے بڑی دکھ دے۔“ اس نے کہا تو شہرینہ جھپٹنے سے باز نہیں آئی۔

”وہیے ہر ایک کی مطلب تھا۔“

”شٹ اپ!..... ہر بات سونید! آپ کا کمرہ گرام ہے؟“ اس نے ٹوک کر پوچھا۔

”کھانا کھا کر جاتے گی اور سے.....“ کھانے کے ساتھ ہی شہرینہ کو ٹوکنا یاد آیا تو بچکن کی طرف دوڑ لگا دی

جب کہ اس کا بالکل دل نہیں جا رہا تھا کہ اسے نہ کہ خواہش ضرور آیا کہ شہرینہ کی مدد کر دے لیکن بھر پور

جھٹک کر وہیں جن میں چھٹی کی گورکھ سرنی کا دروٹ چٹا کھانے شام میں کھلی جا رہی تھی اور اسے شک فضا

اچھی لگ رہی تھی۔

وہی بات دل کا موسم اچھا ہوتو سب اچھا لگتا ہے ہر طرف سے بے نیاز وہ ان لوگوں میں کھو گئی جب تیمور

غزنی نے اس کی دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ اس کی ایک ایک بات سمجھتی اور اس میں نہ ہر آنے لگی۔ یوں کہ رہا تھا

پیسے کو کی خراب ہو جس نے اس پر بھڑکاری کر دیا تھا اور وہ اسے بھر سے لکنا نہیں چاہتی تھی۔

تھی دیر ہو گئی مگر شام نے سا دواور دھنی اوڑھ لی تھی لیکن اسے کوئی ہوش نہیں تھا جب شہرینہ نے پکارا تب

چہ کھنے کے ساتھ ہی اس نے بھر پوری ہنسی کی، اچانک شٹنگ کا احساس ہوا تھا۔

”بہار پڑنے کا ارادہ ہے کیا؟“ شہرینہ کہہ رہی تھی۔

”ہاں، دل جا رہا ہے شاید کوئی عیادت کو جائے۔“ وہ اپنی خود کھائی پر غرضی معقول ہوتی اٹھ کر اندر

آگئی۔

پھر کھانے کے بعد طارق اپنے بھائی بچوں کو لے کر چلا گیا تو معمول کے مطابق حمیدہ بیگم کے سونے تک وہ

ان کے پاس بھی چہرے پر اسے کرے میں آئی تو شہرینہ کی طرح بھٹک رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بولی گی۔

”کھانا کھا رہے تھے؟“ اس نے پوچھا، میں ڈھونڈ ڈھونڈ کھٹکتی تھی۔

”مگر میں نے شہر میں۔“ اس نے الماری کے کپڑے سے چالی اٹھا لے ہوئے کہا پھر شہرینہ کو دیکھ کر بولی۔

”دیکھو شہر مت چانا۔“ رام سے ساری شام بک دیکھا۔

”کیا مطلب؟“

”کوئی مطلب نہیں، یہ لو.....“ اس نے چالی شہرینہ کے ہاتھ پر رکھی اور خود کھل میں آئی باقی مار کر بیٹھ

گئی۔ اس کی یہ چال ہی اسے سارا تھا۔ شہرینہ الماری میں سے شام بک نکال نکال کر بیٹھ کر دیکھتے ہوئے حیرت میں

جھٹکائی پھر جب خود بھی تو اس حیرت سے پوچھنے لگی۔

”کیا کیا لے آئی ہو؟“ شہرینہ نے اس کی شام بک کے لیے پوچھے کہاں سے آئے؟“

”پہنوس کا حساب کتاب بعد میں کرنا چاہیے یہ دیکھتے ہیں۔“ وہ کہہ کر شام بک میں سے ڈبے نکال نکال کر

کھولنے لگی۔ بہت خوب صورت ریڈی میڈ سوٹ تھی اس کے علاوہ میں جیلری جینی روتھ راج اور ایسے ہی

جینی موڈل فون پر تھو..... ایک ایک امتیاز سے دیکھتے اور دل کھول کر تعریف کرنے کے بعد شہرینہ کا بھر پور

سوال تھا۔

”اتنے پیسے کہاں سے آئے؟“

”پہنوس ملتا تھا۔“ اس نے جینی بیل فون پر نظر نہیں جاتے جواب دیا تھا، اصل میں وہ کچھ عجیب سامعہوں

کرنے کی بھی کینکدہ اور کراہ نہیں تھی تو غریب بھی نہیں تھی۔ وہ بھلوان کے خواب نہیں دیکھتی تھی، اس کے دل نے

تیمور غزنی کی کہانی اور اس کے لیے وہ سب کچھ تھا۔

”اس نے مجھے یہ سب کیوں دیا؟“ وہ سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

آج تیسرے دن بھی حیرت زدہ آپٹ نہیں آیا تھا تو بیکار کا اچھا ہوا۔ کسی اور سے اس کے بارے میں پوچھنے

کے بجائے دیکھنے کی شان صاحب کے درم میں آئی تھی۔

”ڈیڈی! مسٹر جنرل نہیں آ رہے، کیوں نہیں کیا؟“

”نہیں، اس نے یہاں سے راز میں دے دیا ہے۔“ شان صاحب نے معصوف انداز میں یوں جواب دیا

جیسے ان کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

”رہزانی دے دیا، کیوں؟“ ریکیا کو کچھ لگا تھا۔

”آئی ڈی ڈی! (نوشہ منظم)“ کھٹے کھٹے معلوم ہوا کہ اسے یہاں سے اچھی جا بل گئی ہو۔“ شان صاحب نے

یہ چال بازی سے کھنکھایا کہ تو وہ نہیں اس کیفیت سے نکالنے کی خاطر بیل پر ہاتھ مار کر بیٹھی۔

”لیکن ڈیڈی! وہ ایسے کیسے جا سکتا ہے، آئی میں اسے پہلے سے ان کا درم چاہتا تھا۔“ جینی کا بلیں دول

(اصلی) ہے، آپ نے اس کا راز میں تو بل کیسے کیا؟“

”کیونکہ وہ میری کھپائی کے لیے اتنا اہم نہیں تھا، اس کے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ شان صاحب

نے کہا تو وہ میری کھپائی سے بولی گی۔

”مجھے فرق پڑتا ہے ڈیڈی! کیونکہ میرے لیے اہم ہے۔ کیا آپ کو بھی یہ نہیں بتایا۔“

”ریکیا.....“ فصد ضبط کرنے کی سعی میں شان صاحب کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

”میں کچھ نہیں جانتی آپ اسے دیکھیں بائیں۔“ وہ کہہ کر ان کے درم سے اور پھر آٹس سے اٹھ کر آئی۔

اس کے اندر جب ہی سے جینی بیل کی تھی، وہ دنیا میں ایسا تو کچھ بھی نہیں تھا جو اس کی دوسرے سے باہر ہو۔ گاڑی

پارک کرنے کے لیے ہی اس نے بیل فون اٹھا کر کمرہ پر بل کیا تھا۔

اس وقت دل کے بارے میں کچھ حیرت زدہ رہا کہ کچھ سے کچھ لگا تھا اور کیونکہ اسے وہیں اندازہ ہو گیا تھا

کا تھوڑا بھل کھل میں ہے ورنہ شکیں بیلے ہی ہو چکا تھا جب ہی وہ خاصا باپوں اور دل برداشتہ سارا بھی سوچ ہی

دہا تھا مگر یہاں پر مٹی کر کے کسی کی جیب میں بیل فون بیٹھ گیا کہ اس نے بیل فون نکال کر دیکھا ابھی فون بھر تھا۔

”شام بک اور اس سے کال آئی ہو۔“ اس خیال سے اس نے فوراً کال کی تھی۔

”بیلو.....“

”حزینہ آپ نے راز میں کیوں دیا؟“ دوسرے دیکھنے سے چھوٹنے ہی پوچھا اور دوسرے مل کر بولا تھا۔

”تمہاری وجہ سے۔“

”میری وجہ سے.....“ وہ حیران ہوئی۔ ”مجھے بھی نہیں؟“

”جی ہاں! اتنا کچھ نہیں سمجھ کر یہ یاد کرنا نہیں ہے، اتنا دوسرا نہیں کو چھوٹنے کی زحمت مت کیجیے گا۔“ حیرت نے

کہہ کر ان کا دل کی تھی۔

”مگر.....“ ریکیا نے فیر پھرتی سے اپنے بیل فون کو دیکھا پھر بارہ کال ملائی، دوسری طرف بیل جاری تھی

پھر بات دس بارنگ کا شپ بیٹھے بیٹھے نکلا کہ اس کے بازو دھڑکا ہوا اس کا کمرہ پر بل کر رہی تھی، اسی حساب سے اس پر فصد اور

جھجھلاہٹ سوار ہو رہی تھی۔ ڈیڈی! لگ جھٹکے لگا تھا آٹس سے موڈل رکھ گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔

وہ مگر سے پوچھنا چاہتی کی کہ اس کی شان صاحب سے تیز کے بارے میں کیا بات ہوئی تھی لیکن پھر مگر

بچھ کر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ غم سے کچھ پوچھنے سے پہلے وہ حزمہ سے بات کرنا چاہتی تھی، اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے پہلے حزمہ کو کھینچ لیا۔
 ”حزمہ! پلیز ریسیو مائی کال“۔ خواب غدار اس نے پہلے کال مانی پوسٹج کیا۔
 ”حزمہ! میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔“ وہ بار بار اسے یہی جتنج بھیتی دیتی اور شام میں کہیں جا کر اس کا جواب آیا تھا۔

”میں ابھی تین چار دن بہت مصروف ہوں اس کے بعد۔“
 ”اس کے بعد.....“ اس نے سوچا پھر سمجھ کر گہری سانس کھینچی تھی کہ حزمہ کی بات واضح نہیں تھی مگر بھی وہ قدرے مطمئن ہو گئی تھی۔ اس لیے جب حسان صاحب آئے تو اس نے ان پر کچھ طابریک نہیں کیا اور غم سے اپنی دوست انابیکہ کے پاس جانے کا کہہ کر گھر سے نکل آئی۔

☆☆☆

حزینہ کے کہنے پر حزمہ و شام میں ہی فارغہ دیا گیا کہ اس کے گھر لے آ یا تھا کیونکہ حزمہ اور شہرینہ کو کزن مسجد پر کی مہندی میں جانا تھا تو حمیدہ بیگم کے اکیلے ہونے کے خیال سے اس نے حزمہ سے کہا تھا کہ وہ چلی جان اور بیلا کو تین چار دنوں کے لیے ان کے ہاں چھوڑ دے۔ حزمہ کا خیال تھا وہ انہیں چھوڑ کر واپس آ جائے گا مگر ان کے حمیدہ بیگم نے اسے تو کیوں کے ساتھ جانے کا کہہ دیا۔ اسے اعتراض تو نہیں تھا لیکن عجیب سا گھبراہٹا کہ وہ من بابا یہاں ہے۔

بھر حال اس نے جو رپیکہ کو کھنٹا لے کر غرض سے کہہ دیا تھا کہ ابھی تین چار دن وہ بہت مصروف ہے تو واقعی تین چار دن وہ مصروف رہا تھا۔ اس کے ساتھ وہ چاب کے لیے بھی کوشش کر رہا تھا۔
 اس وقت وہ چاب کے سلسلے میں ہی ایک دیرینہ ساتھی سے ملے جا رہا تھا کہ رپیکہ نے گاڑی اس کے قریب روکتے ہی دروازہ کھول کر اسے پکارا تھا۔

”حزمہ.....“ وہ جو بیک لاک کر کے مصلوبہ بلڈنگ کی طرف قدم دو رہا تھا ہی جا رہا تھا کہ اپنے نام کی پکار پر بلا ارادہ پہنچنے ہی ٹھٹھک گیا۔
 ”حزمہ! پلیز آ کر اس کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنی ہے۔“ رپیکہ کہنے کے ساتھ اسے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ بھی کر رہی تھی۔ اس کا دل چاہا پھر کی شوکر سے اس کی گاڑی کا دروازہ بند کر دے لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

”آپ کی مصروفیت ختم ہو گئی ہے؟“
 رپیکہ نے گاڑی آگے دوڑھاتے ہوئے غائبانہ کرنے کی غرض سے یونٹنی پوچھا تھا اور کیونکہ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے ان کی رپیکہ کے ساتھ کیا رو یا اختیار کرنا چاہیے اس لیے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو پھر وہ بھی اصل بات پراگئی۔
 ”مجھے یہ پوچھنا حزمہ کہ آپ نے ریڈیو نہیں دیا اور پھر آپ نے کہا میری وجہ سے تو میری وجہ سے کیوں؟“

”پہلے آپ بتائیں، آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟“ حزمہ نے سامنے نظریں جمائے الناس سے پوچھا تو وہ دھڑلے سے بولی۔
 ”میں آپ کو کیسی اپنے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں۔“ حزمہ اس کی بے باکی پر مستحضر رہ گیا اور وہ حزمہ پر گیا ہوئی۔

”مگر حزمہ! میں جانتے ہوں، میں نے اپنے دل کی ریاست آپ کو سونپ دی ہے اور اس پر صرف آپ ہی حکمرانی کر سکتے ہیں اور اگر کی نہیں۔“
 ”آپ.....“ بے حد سگ کر حزمہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس نے ٹوک دیا۔
 ”ایک منٹ حزمہ! ابھی آپ کچھ نہیں کہیں کیونکہ غصے اور جذبات میں کیے گئے فیصلے ہمیشہ پچھتاوے کے آتے ہیں۔“

”تو پراکتھر میں پچھتاؤں گا۔ آپ ہائیر گاڑی روکیں۔“ وہ اس کی حزمہ کو اس منہ ہی نہیں چاہتا تھا۔
 ”ایسا مت کہیں حزمہ! اپنی اب تک کی زندگی میں آپ نے پایا ہی کیا ہے اور آئندہ میں بھی آپ وہ کچھ نہیں پائیں گے جو آپ کو میرے ساتھ سے حاصل ہوگا۔“ وہ بہت سکون سے حزمہ کے ساتھ اس کی زندگی کا سودا کر رہا تھا۔
 ”رہی میں۔“

حزمہ نے سختی سے اپنی ہونٹ سمجھنے لے کیونکہ اس کی لڑکی پر جلا نہ دو رہا گئی کی تو جین بھٹا تھا۔ اس لیے چہرہ موڑ کر شہر سے باہر دیکھنے لگا اور رپیکہ سے کب کسی نے منہ منہ اٹھا وہ پہلا شخص تھا اور اس کی ایسا کردار نے اسے خند دلانے کا ساتھ دے کر ڈھکی رہی تھی۔

”حزمہ! آپ مجھے کی کوشش تو کریں۔“ جانے کیا تھا اس کے لہجے میں کدوہ ایک دم اسے دیکھنے کو بلاشبہ وہ بہت خوب صورت کی شہی راہ ہوگا۔ وہ سے میں اس کی آنکھوں میں اپنی شہی کا غور و خوض کرتا نظر آ رہا تھا۔
 حزمہ کی سمجھ میں نہیں آ یا اسے کیسے دے کہ بھٹل خوش کو بولے ہما راہ کر پاتا تھا۔

”بھیس کس رپیکہ! آپ نے اپنی طور پر سمجھ لیا کہ میں نے اب تک زندگی میں کچھ نہیں پایا ایسا کچھ نہیں ہے۔“ یہ ٹک میرے پاس سب کچھ نہیں ہے لیکن اللہ کا شکر ہے ضرورتوں کے لیے مجھے بھی تو سنا نہیں پڑا اور بھلا میرے لیے بہت ہے۔“
 ”کیوں حزمہ؟“

”پلیز.....“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مجھے کی ضرورت مجھے نہیں آپ کو ہے۔ آپ اپنے دل کی ریاست ایسے شخص کو سونپنا چاہتی ہیں جس کا اکل کی نہیں ہے۔“
 ”اس کا فیصلہ وقت کرے گا، آپ اپنے خول سے باہر نکلیں۔“ رپیکہ نے کہا تو وہ شخص اس سے جان چھڑانے کی غرض سے بولا تھا۔

”کیوں ٹھٹھک رہے ہیں سوچو گا۔“
 ”ضرور، میں بھی یہی چاہتی ہوں۔“ رپیکہ خوش ہو گئی جب کہ وہ کچھ اور سوچنے لگا تھا۔

☆☆☆

وہ سوچا کہ بچوں کے ساتھ کدوہ کیلئے ہوئے خوشی کی بجائے ہوا تھا، ماما کی نظریں بار بار اسے دیکھ رہی تھیں۔ کنٹراکٹس نظر آ رہا تھا وہ اور اب تو ماماں کی ایسی خوشی کے لیے دعا بھی نہیں کرتی تھیں کہ اللہ اس کے آئین میں ایسے پھول کھلائے، جب ہی ان کی آنکھوں میں حیرت جیسے محسوس کر کے سوچا سرگوشی میں پوچھنے لگی۔
 ”کیا سوچ رہی ہیں ماما؟“

”جی.....“ جو کچھ کے ساتھ ماما کے سینے سے آؤ کی صورت سامنے خارج ہوئی تو سوچانے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

”میں جانتی ہوں ماما! یہ دکھ آپ کو اندر سے کھوکھلا کر رہا ہے۔“ ہانپنے تو سمجھتا کہ لیا ہے لیکن آپ نہیں کر پار ہیں اور دیکھیے گا ابھی نہیں تو وقت گزرنے کے بعد باپ کی اکیسا ضرور ہوگا۔“

”وقت گزرنے کے بعد.....“ مانے تڑپ کر سونا کا دیکھا تھا۔
 ”سوری! بابا بات کر دی ہے لیکن یہی جگہ ہے، مجھے سارہ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ آپ کی اور بابا کی طرح
 مجھے بھی وہ بہت عزیز ہے لیکن آپ کا، تھوڑا کارٹھی تو ہونا چاہیے۔“
 ”آپ بابا کو کوشش کریں،“ آخر تک یہی درود سروں کے بچوں کے ساتھ خود کو بہلاتا رہے گا اور کیا آپ
 کا دل نہیں چاہتا کہ آپ کو اداسی ہے؟“ سونا نہایت نرمی سے انہیں اسکار ہی کی۔
 ”تمہارے بابا ہمیں مائیں کے،“ مانا کا انداز ٹھوہا ہوا تھا، مرنیا یکدم پر جوش ہو گئی۔
 ”اور آپ؟“
 ”میں تمہارے بابا کے خلاف نہیں جاسکتی۔“ انہوں نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

”اسی لیے تو میں کبھی بھی آپ بابا کو اداس نہ کریں! اسٹوٹل بلیک سیل کریں، انہیں تھوڑا احساس
 دلائیں۔ یہی خود کو لاپرواہ بن گئے اس لیے چارے کو بھی بٹے دیں۔“ سونا دروائی میں جوتھیں آیا کبھی مائی کی۔
 ”بس، بس! کر سونا! اب اس سر میں مجھے کھرے ٹھکانا کی کیا۔“ مانا نے ٹوک کر کہا تو وہ حیرت سے ہوئی۔
 ”ہیں آپ کو کون کھرے نکال سکتا ہے؟“

”تمہارے بابا کی کہا تھا انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے تھوڑا دوسری شادی پر اکساتا تو پھر اس گھر
 میں میرے لیے کچن کھول دی۔“ مانا کی بات پر سونا ساگ کرانت پینے کی تپ تپور غزنی پکار کر پوچھنے لگا۔
 ”سونا بی! اہم لوگ بچوں کو آؤنگ بڑے چارے ہیں آپ چلیں گی؟“
 ”نہیں، ہم لوگ جاؤ اور ذرا جلدی آجائے، مجھے کھرے چاہیے۔“ سونا نے صرف اس لیے منع کیا کہ مانا کو
 راضی کر سکے۔ اتفاق سے اس وقت بابا کھر نہیں تھے اور وہ یہ موقع ٹھکانا نہیں چاہتی تھی۔ جب ہی تھوڑا لوگوں
 کے جاتے ہی وہ مہر شروع ہو گئی تھی۔

”عد کر کی ہیں مانا! بابا کی دیکھی سے آپ ذکر کر رہے ہیں، یہ محکم تو آپ کو نہیں دینی چاہیے۔“
 ”بے کار بحث مت کر سونا! جیرو گی نہیں مانے گا۔“
 ”اسے میں سمجھاؤں گی۔“ سونا نے فوراً بولی کی، مانا بھی سر ہلانے لگیں تو وہ جھجھلائی۔
 ”دیکھی جان! میں آپ، بچے، تھوڑا احساس نہیں۔“ کھر کر رہی ہیں آپ اس پر اور اپنے آپ پر بھی۔ اللہ نے
 آپ کو سب کچھ دیا ہے، اختیار بھی، حق بھی، پھر بھی آپ سناؤں میں پڑی ہیں۔“ زردا نے ان درود پر اور کبھی
 دیرانی نہیں کی۔
 ”اللہ کی ہی مٹھو رہے۔“ مانا کے آدھ مرنے پر سونا نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

☆☆☆☆

وہ اس کی محبت نہیں جتنی جواہر اللہ کے بعد اس کے من گھڑاؤں میں اڑنے لگا اور اس کے انتظار میں
 بل بل گنتا۔ وہ جوتھیں وہ بعد آنے کا کہہ گئی تھی تو آج چوتھا دن تھا۔ وہ معمول کے مطابق اپنے کام میں مصروف
 تھا جب خیر نے اس کے روم میں داخل ہو کر سلام کیا تب چوہے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں میں دن پہلے کی
 شام آواز کی سی جب کہ وہ تو اس حیرت سے لگی ہی نہیں کی۔

”پلیز.....“ تھوڑی غزنی نے اسے پیٹنے کا اشارہ کر کے پوچھا۔ ”دیکھی ہیں آپ؟“
 ”سوری، میں آج کچھ لیٹ ہو گئی۔“ وہ پیٹنے ہوئے ہوئی، اس کی بات کا جواب سر کے اشارے سے دیا
 تھا۔

”تو پراہم! اب یہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے ہٹا کر سنجیدگی سے کہا تو وہ نہ بھگ کر پریشان

ہو گئی۔

”جی؟“

”جی، میں اب آپ کی ضرورت میرے گھر میں ہے۔“ وہ اس کی کھلی آنکھوں میں دیکر مسکرایا تو قدرے
 نرمی ہو کر اس نے پتلیں جھکا لی تھیں۔

”پھر میں اب آؤں تمہارے گھر؟“ وہ زیادہ دل چاہی نہیں کر سکتا تھا۔

”جی.....“ وہ ہولکا ہوئی تو اسے پوچھا پڑا۔

”کوئی پراہم ہے؟“

”فوسر..... بس ابھی آپ آتی جلدی نہ کریں، پراہم مطلب ہے پہلے میں خود اپنی در سے بات کروں گی اور
 جب وہ بھیجیں گی تب.....“ وہ قدرے چٹکی کا بول رہی تھی۔

”ہوں.....“ وہ کچھ کہنے لگا۔ ”تم ان پر ساری صورت حال واضح کر دینا، آئی میں اپنی جلی کے بارے
 میں، میں نے نہیں جو بتایا ہے۔“

”جی! میں ابھی بھی جانتی ہوں۔“

”پلیز اب یہ سرسری کر دوں چھوڑو، میرا تو کسی اتنا مشکل نہیں ہے جاہو تو صرف غزنی کہلو۔“ اس نے
 ٹوک کر کہا تو وہ ٹھٹھا ہونٹ دانتوں میں دبا کر اسے دیکھنے لگی، اب اسے کیا بتانی کہ اس کا دل تو اوال روز سے اسے
 غزنی غزنی پکارا کرتا ہے۔

”اور ہاں، میں جانتا ہوں تم ابھی راز میں دے دو دیکھ کر یہاں کی کو بھی ہمارے بارے میں شہر ہو گیا تو
 میں بڑی مشکل میں پھنس جاؤں گا۔“ کھر ہی ہوا، پراہم مطلب ہے بات میرے گھر تک پہنچ سکتی ہے۔“

”تو کیا آپ کسی بھی.....“ وہ اندر سے خائف ہوئی تھی۔

”دیکھو میں نہیں کوئی جھوٹی آس نہیں دلا سکتا، ابھی چوہے لگے کہ میرے والدین بھی نہیں مائیں گے
 تو میں نے نہیں بتایا ہے۔ ہائی دقت پر چھوڑ دو ہو سکتے ہیں، میں ان کے دل نرم ہو جائیں۔ میرے لیے نہیں تو
 میرے بچوں کے لیے۔“ وہ بہت سنجیدگی سے بات کر رہا تھا پھر اس کی آخری بات اس کے چہرے پر دیا
 کے رنگ بھر گئے تھے جو بچائیں اس نے محسوس کیے نہیں، اپنی بات جاری رکھتے ہوئے گئے لگا۔

”بہر حال تم سے زیادہ مجھے اس دقت کا نظارہ ہو گا اور ہاں یہاں راز میں دے کر تم کہیں اور جا ب کرنے کا
 مت سوچنا، نام سے گھر بیٹھو۔ میں نہیں دوہینے کی سہلی کی دے دوں گا۔“

”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ جڑ ہو گئی تھی۔

”بات ضرورت کی نہیں تھی ہے اور اب تو تم مجھ پر ضرورت کے علاوہ خواہشات کا بھی حق رکھتی ہے، آئی
 کچھ۔“ وہ جا بک اس کی آنکھوں میں دیکھ کر خوشی سے مسکرایا تو اس کے سارے خدشات اپنی موت آپ مر گئے،
 سنبھل کر بولی تھی۔

”مجھے آپ کے ساتھ کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے غزنی!“

”اور میں تمہارے ساتھ سب کچھ۔“ معنی خیر مسکراتی ہوئی وہ پھر نرمی ہوئی تو آدھ کھر کی ہوئی۔

”میں چلتی ہوں؟“

”کیسے جاؤ گی؟“

”جیسے آئی تھی۔“ وہ کھر بولی تو بے اختیار تھوڑی غزنی نے اٹھ کر اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ انجانے میں
 وہ اسے مان دے گیا تھا اور پھر دیکھا کہ ان کے مان نے اسے کتنا پراہم بنا دیا تھا۔

نفاخ حسن علی الٹس ایو کے



☆ ☆ ☆
جزوہ نے کیونکہ فارغہ کو اپنی جاب جانے کا نہیں بتایا تھا اس لیے وہ گھر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ روزانہ آفس ہنر پر ہی گھر سے نکل جاتا وہ کہیں، انڈیا پوسٹس ہی وکی دیا، اس کے بعد ادھر ادھر وقت گزارتا جس سے اب وہ تنگ آ گیا تھا۔ اس وقت اسے کچھ سمجھ نہیں آتا تو حمیدہ بیگم کی خیر خیریت معلوم کرنے کے کہاں ان کے پاس آ گیا تھا۔

”آج آفس نہیں گئے؟“ حمیدہ بیگم نے چھوٹے سی ہاتھوں سے پوچھا۔
”نہیں، کچھ گھر کے کام نہ بنائے تھے اس لیے آج چھٹی کر لی اور ابھی سو جا آپ سے بھی پوچھ لوں کوئی کام۔۔۔“ وہ انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو حمیدہ بیگم یاد کرنے میں لگ گئیں کہ انہیں کیا کام تھا۔ تب ہی خنزیر آ گئی، بے وقت آ گئی جب ہی حمیدہ بیگم فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
”جلدی آ گئی بیٹا! خیر تو ہے۔“

”جی، پچھلی ہو گئی۔“ خنزیر نے گنگے گنگے ایک سے خوشی پھوٹ رہی تھی، پر اس ایک طرف اچھال کر جزوہ کو دیکھنے لگی۔
”تم اس وقت کیسے؟“
”میں میں سے کبھی آج چھٹی کر لی۔“ وہ کہہ کر حمیدہ بیگم سے پوچھنے لگا۔
”جی تائی جان آپ بتائیں۔“

”کیا تائو، وہ ان سے ہی نکل گیا۔“ پانچویں کیا کام تھا خیر کام تو ہوتے ہی رہے ہیں، تم یہ بتاؤ۔۔۔“ حمیدہ بیگم جانے کیا پوچھنے جاری ہیں کہ خنزیر کو دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔
”پوچھ لیں جو پوچھا ہے، میں جاری ہوں۔“ خنزیر کہہ کر کچھ ہونے ان کے کمرے سے نکل گئی تب حمیدہ بیگم آواز دبا کر کہنے لگیں۔
”تم نے شرجیل کو کیا ہے نا، ابھی اس کی بہن کی شادی میں بھی تمہاری اس سے ملاقات ہوئی ہوگی، کیا برائی ہے اس میں؟“
”جی۔۔۔؟“ جزوہ ہنسا نہیں۔

”ہاں بتاؤ کیا برائی ہے اس میں؟“
”میں کیا کہہ سکتا ہوں تائی جان! امیرا مطلب ہے میرا اس سے زیادہ ملنا جلتا تو نہیں ہوا بیسے بھی آپ زیادہ بہتر جانتی ہوں گی، کیوں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟“ وہ بہت سچل کر بول رہا تھا۔
”ارے بات کیا ہوئی ہے، میری بہن اس کے لیے خنزیر باک رہی ہے۔ پڑھا لکھا، ہوا والا ہے لیکن خنزیر بان کے نہیں دے رہی۔“ حمیدہ بیگم کہاں تو جزوہ کو نہ نہیں لگتی تھیں اور اب اسی پر مجرم سا کر رہی ہیں اور وہ وہ نہیں پایا اسے کیا کہا جاوے کیونکہ یہ بات شہر میں بھی اسے جانتی تھی کہ خنزیر نے شرجیل کا پر زور ریجیکٹ کر دیا ہے۔

”بیٹا تم بات کر خنزیر سے۔“ حمیدہ بیگم اسے بولے پر آمادہ نہ کیا کہ خود ہی کہنے لگیں۔ ”بلکہ اس سے، آج کل ایسے ہی ایسے ریجیکٹوں کا کل پڑا ہے۔ تمہارے تائی جان زندہ تھے تو مجھے زیادہ فکر نہیں تھی اب تو فکر میں ہی فکر میں ہیں۔“

”فکر نہ کر تائی جان! میں بات کروں گا خنزیر سے۔“ اسے کہنا پڑا۔
”ہاں بیٹا! سمجھاؤ اسے، میں اس سے فارغ ہوں تو شہرینہ کا سوچوں، تمہاری اماں کو بھی جلدی ہے۔“
☆ ☆ ☆
حمیدہ بیگم نے کہا تو وہ خوشی کو ارجحیت میں گھر گیا تھا۔

(باقی ان شاء اللہ سندھوہ)

میں کی زندگی کسی بہت صرف اور تھکا دے
والی ہو جاتی ہے۔ نا..... محض ایک..... وہ بھی تھکتی،
مرکز زندگی کا دور میں کبھی پیچھے نہ رہی تھی اور اس دور
میں پیچھے چھوٹنے والی واحد اس کی اپنی چیز۔ "عالیہ"
تھی۔ اس کی بیٹی..... کہنے کو تو والد کے سامنے
تلے پر دروس باری تھی، مگر وہ چھوٹی عمر سے ہی اس کی
صرف رویت سے گھبراتا کہ نیکہ بھی تھی۔ شاید سکون کا
دوسرا نام ہوتا ہوگا، بلکہ ہوتا ہے۔ عینے تک
گھر اٹھا تھا۔



ہوں..... فاریہ نہیں سمجھے گی، مجھ جیسوں کو تو ممکن ہوئی بھی نہیں۔ میں انسان نہیں ہوں نا، ایک مشین ہوں، جس کو کام کرنا چاہی ہے، جس کے دل کی جگہ انجن فٹ ہوتا ہے۔ ان چار سالوں میں، میں نے صفحہ کتابی کی دوا کی کاغذ نہیں ہونے دیا۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر کران کو دیکھا۔ چہرہ بہت لاہور تھا، میں نے اس کے کسی بری کھنی میں نہ پڑ جانے کی وجہ سے ہمیشہ اس پر قہر دی۔ اس کی اسٹڈیز کا خیال رکھا۔ سونا آج کی لڑکی ہے نا، اس کی تمام ضروریات کا خیال رکھا۔ آپ سب کے لیے وہ سب کچھ کیا جو فاروق بھی ہوتے تو یہ بھی کرتے اگر اس سب میں کچھ نظر انداز ہوا تو وہ بھی ”میں“ اور میری ”بچی“۔

”آج ایک شخص نے پر پوز کیا تو آپ لوگوں نے بے پروا کر دیا۔ ساری محنت، سب کچھ کھلی میں دل گئی۔ آپ سب کی خوشیاں خواب، خواہش پوری کر کے کرتے ہیں نے اسے آپ کو مار دیا۔ اور آپ سب نے میرے لیے کیا، کیا؟ چار سالوں کے بدلے میں تو ”چار“ لفظ۔ میں تو تیار ہو چکی ہوں گی، سب قربان کر لی گئی۔ جان دینے کی تویت آئی تو ایک سیکنڈ نہ سوچتی، اسی وقت دے دیتی۔ انسان نہیں ہوں نا۔“ میں نے اپنی سسکیاں ہنسل روک لی تھیں۔

”میں تو بہت بے وقوف ہوں۔ قربانیاں اور تیار کو دیاں دیے جاتے ہیں جہاں بدلے میں کچھ تو لے۔ اور یہاں تو راکھ ہی لے۔ کھالوں یا سر میں ڈالوں؟ میری عالتو کھتی ہے میرا زندگی بہت قہقوی ہے۔ اسے اور کم مت کریں۔ داہنی ہر پار آپ کو زندگی چھینا یہ کہیں اور بڑے بوڑھے نہیں سمجھتے۔

”ماڈل رائتہ خان
ملک اپ روز بھونی پارلر
فوٹو گرافی موسمی رضا

☆☆

شام کے سامنے بڑھ رہے تھے۔ پارک میں معمول کی چال چل کر مغرب کی آوازوں کے ساتھ ہی کم ہوتا شروع ہو گئی۔ اب اکا کا کونگ سی پارک میں نظر آ رہے تھے۔ وہ پارک کے ایک الگ ٹھکانے کو گئے تھے۔ پتلی بھی تھی۔ براؤن رنگ کی مثال اس کے کھنکھوں سے ہوئی، پرے سے دھوکا دھانچے ہوئے تھے، اس اس کے خوب صورت ہال ہی تھے جو سرے مثال کے ڈھنگ جانے کے باعث زندی سے ہوا کے ساتھ اٹھلیاں کر رہے تھے۔ نفاض میں پارک کے بعد کی مٹی کی مٹی میں خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ پتلی غشی ہو کر احوال کو بے لطف بنائے ہوئے تھے مگر ایک وہ چی جو ہذا اپنی جگہ بیٹھی، درد راقی پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھوں کے زیر پر نگارے سرخ تھے۔ آنکھیں میل ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ بال اڑ کر اس کے چہرے پر پھر رہے تھے، مگر اسے پوش کہاں تھا۔ وہ تو یہاں بیٹھی اپنی قسمت کو دور رہی تھی۔ ہاں، قسمت کو ہی رو دیا جائے تھا۔ شاید اسے خاتون کے چہرے کو بھالی۔ یہ سوچ کر دل فرمیا، بھاری آدہ یہ سب تو انہیں ہی بھانا ہے، جن کا دل آباد ہوا اور اس کا دل تو بک کا اڑ چکا تھا اور جن کی قسمت پر کالے بال چھاپا جس پر جو مگر بھی خوشی کو اور بیت ان کے لیے یہ سب تو گور کر جاتی تھیں۔

”کیا ابھی؟“ کب سے یوں ہی بیٹھی ہو مگر نہیں جانتا۔ ”وہ خاتون کا دل دے رہے دیکھ رہی تھیں۔ اب پارک دیکھا تو اس کے قریب آ گئیں۔

”مگر“ اس کے لب ہولے سے بولے۔ ”دجو میں بھی پتلی کی پیش ہوئی۔ چہرے پر تاریک سایہ لہرایا۔

”دیکھ لیتی ہو۔ شادی شدہ بھی لگ رہی ہو۔ کیا سسرال والے انکھے تھے؟“ پتلی پر ہنسنے ہوئے خاتون نے ہنسنے شروع کر دی۔ اسے دیکھا۔ کالوں میں سوئے کے خوب صورت کونڈے، کچلے کچلے تھن، ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی، یہ سب اس کے شادی شدہ ہونے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

”شادی۔۔۔ ہاں ہوئی تو تھی۔“ ذریعہ بولتی تھیں۔ ”مگر وہ کچھ یاد رکھی ہو۔“

”کیا کوئی بات ہوئی ہے مگر میں۔۔۔ شوہر کو کھرے تھرا۔۔۔ مجھے بتاؤ میں سمجھاؤں گی اسے۔“

خاتون کو اس کی ہنسی صورت پر ہنس آ گیا۔

”شوہر۔۔۔“ یہ لفظ بولتے ہی آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

”اوہ۔۔۔ میں رہا ہے چارہ بیٹا اللہ کے کاموں میں کیا دل۔“ خاتون افسردہ ہوئیں۔

”میں نہیں، میں رہا میرے پاس۔۔۔ سب۔۔۔ سب ختم ہو گیا۔“ آنسو دریا سے چکوں کی ہاتھ پھلاکتے ہوئے تھے۔ اور وہ اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھنے جا رہی تھی۔

”مگر کھڑا بیٹا۔۔۔ دیے ہو کیا تھا؟“

”نکل۔۔۔ کھلے ہوئے۔ اور اب چوٹی نہیں بھا میرے پاس۔۔۔ میرے ہاتھ خالی ہیں بالکل خالی۔“

خاتون نے ہم درد سے اس کی لڑکی کو دیکھا جو دکھ و اذیت کی کیفیت سے دو چار تھی۔ الفاظ ٹوٹ کر اس کے منہ سے ادا ہو رہے تھے۔

”یہ ہیں؟“ خاتون نے پوچھا اور اس سوال پر وہ جھپٹے سے اٹھی۔ اپنی مثال سننا تھی وہ بیل بڑی۔ پتلی بھی خاتون نے آنسو سے اس کی لڑکی کو دیکھا تھا جو تیزی سے قدم اٹھاتی تاریکی میں گم ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆

”وہ آج بھی اپنی زندگی نہیں آتی تھی۔“ بستر دوران تھا جب وہ اس کے پیچھے کوئی درخت تک آ گیا تھا۔ اسے دیکھنے اس سے بات کرنے کو بے قرار تھا اور ایک وہی جواکب میں کچلے میں سارے تعلق توڑ دینے کے درپے تھی۔ بھلا جو تعلق اس کے دل سے بندھا تھا وہ اسے اتنی آسانی سے دیکھے تو زکنتی بھی نہیں وہ اسے ایسا نہیں کر دیتے۔ اسے اس کی زندگی میں آتا ہی ہوگا۔ وہ کسی صورت اپنی محبت سے دست بردار نہیں ہوگا۔ جیسی سے لب بکھج کر کھلتے ہوئے اس نے

کارڈی لٹلٹ کی وہ ایک ایسا لڑکا تھا جس کو اس کے ناکورہ، جرم کی سزا دی جانے والی کسی اور وہی صورت اس زبانی کو تسلیم نہیں کر پارہا تھا۔

☆☆☆☆

ڈھونگ کی آواز گھر کے باہر تک گونج رہی تھی اور ساتھ لڑکیوں کی سرنگاہی آوازیں۔ ایک کے بعد ایک گانا ان کی زبان کی ٹوک پر دھرا تھا۔ گونا مارا اٹاک تمام کر کے ہی انہیں سکون ملا تھا۔ لڑکیوں کے گول واڑے کے کچ چڑکی مارے بیٹھی وہ اپوں کے دلہن کی اور دلہن کی کینی زبانی معلوم ہو رہی تھی، جو اپنے سارے ارمان کا ٹکانا چارہ ہی ہو۔ زور دھو سے تاپاں پٹنی اور سر ملائی ہوئی وہ پوری طرح سے اپنی دھوگی اوجھارے کر رہی تھی۔ دو کھینچے سے پتلی چارہ تھا اور کچھ پیچھے رہنے سے اب اس کی تپائیں درد کر رہی تھیں۔ کھینچے کے گانے کی فرمائش کو وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ تاپاں پٹنی، ان کا جوصلہ بڑھاتی، ایک دو چکر لگا کر وہ کچھ فاصلے پر تخت پر بیٹھی اٹی اور خاندان کے پاس آ گئی۔

”آپ کو دلوں اپنی دور کیوں بیٹھی؟“ اصرار آئیں کوئی کا گانا گائیں۔ دیے مجھے جیتیں سے اصرار بھی میرا ہی ذکر خیر ہو رہا ہوگا۔ پتلی نے اپنی میری دھاتیں ٹوٹ کر مار دی ہوں گی۔“ خیرات سے بولتی وہ ان کے چہرے پر کھلی صاف ہنس کر رہی تھی۔

”کوئی کا تمہارا ڈھنگ کا ہے۔“ جلدیو بھانا کوئی بولنے کی دھن گانے کا نہیں۔“ اس کے ہراس میں سے بولنے پر خاندان سے نکلتیں۔ اپنی ہی گانھی کو دیکھا جواب دانت لہوں میں دبانے اپنا جالڑ لے رہی تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اس پر سیاہی دراز کر رہی تھیں، خوب صورت نقوش میں مل کر کھڑی اور خوشی، آپس میں کھٹے سیاہ چمک دار بال پٹ پٹ پٹ پٹ تھے جن کی کچھ ٹپیں اس کے چہرے سے نکلتے تھیں۔ ساتھ آگے کو آتی ٹھوڑی کو چھو رہی تھیں۔ دھو صبا رکت پٹ پٹ لگ کر جاڑا پہنے، کلائیوں میں پٹیلے گھرے۔ من ایک دو چٹا چٹا ہوا دلانی سے دانتیں

کندھے پر جمول رہا تھا۔

”ٹھیک تو لگ رہی ہوں ای، اور پھر پہلی پہلی شادی ہے۔“ مجھے کی دلہن بننے کا تجربہ تو زکی ہے۔“

”مے سے بولتی وہ سامنے کی کرسی پر بیٹھ کر، مگر اس کے چہرے پر پتلی کا کوناری، پیچھے ہی اسے اپنے جیلے کے غلط ہونے کا احساس ہوا۔ سر پر ہاتھ رکھنے، دانت لہوں میں دبانے اور خال کو دیکھا جو سمجھ نظر دے اسے بکھیر رہی تھیں۔

”سدرہ جادو ننب۔۔۔ ایسی اوٹ پانگ باتیں اس کی سہلی کا کردار نہ تھے مگر خیر منہ ہوں گے۔ لڑکیاں سوچ سمجھ کر بولتی ہی اچھی لگتی ہیں۔“ اسی نے سمجھایا۔

”اچھا! ای سوری۔“ ننب نے آگے ہو کر پیار سے ان کے کندھوں پر اپنے بازو پھلایا۔ یہ اس کا سہلی کے کارہاں ہی تھا۔

”نن! آپ کی سمجھ دار بیٹی بھی آگئی۔“ فکر نہ کریں یہ کر کے کی آپ کا نام روشن۔“ ننب نے شرارت سے جانے لائی قارہ کو دیکھا۔ پیچھے پتلی بھاگی تھی جس کا جملہ سن کر سکر گئیں۔

”آج میں لکھ کر دوں۔ اس کا نمبر تو اپنی دور سے اور پھر ایسا فائدہ تو کتنا سارے دل کا گنا خوب آتا ہے۔ یہ تم ہی جو میں نے کرکیتوں کے فوراً بعد بڑھائی کو خیر آباد کہہ کر جان چڑائی۔“ بھاگی نے شرارت سے اس پر چوٹ کی۔ تخت پر سے اٹھی وہ ان کے قریب آئی۔ دانتیں ہاتھ سے ان کے ہاتھ میں پکڑی پٹنی سے ٹکوا ایک کر منہ میں رکھے، بانتیں کھینچ ان کے شانے پر رکھتے وہ بے نظمی سے بولی۔

”ہائے بھاگی کچھ خیال کریں میرے معصوم دل کا۔ بھلا میں ان کی دلہن سے بھی کوئی بڑھائی کی باتیں کرتا ہوں اور پھر زندگی کی کتاب کے اوراق پڑھنے میں تو اپنا نہیں ہے۔“

”ہوں۔“ زندگی کے پس پردہ آپ جو کتاب پڑھنا چاہ رہی ہیں وہ مجھے سمجھ آ رہی ہے اور اس کا

اس کے بھائی کا ایک سا مزان ہے ہلی میں تولہ ہلی میں ماش اور تھم نہ دل برا کر دو۔ ہلی کو دیکھو تو اچھی چنی ہے۔“ فریدہ بیگم نے فادہ کے ساتھ بیٹھی خوش مزاج ہلی کی کور دیکھا۔

☆ ☆ ☆

گزارشیں کہ چوکی کے بعد وہ مرزوق ہیں۔ شہر پار
کے لیے انہیں نیت کا انتخاب بہتر لگتا تھا۔ شہر پار
نے ان کا بڑا چاہنا ہونے کے ناطے بہت مشکل وقت
دیکھا تھا اور اب جبکہ وہ اپنے قدم جما چکا تھا۔ وہ ایک
ایسی ہی زندگی سے محروم ہو رہی تھی کہ ساتھ ساتھ اس
دہاتے پر بھی بندیاں لگ کر رہی تھی جب فاروہ اس کے
ساتھ آکر بیٹھی۔

52 فروری 2018ء

بھی۔“ شرارت سے اس کی ٹھوڑی ہلائی وہ اسے چھیننے کو بولیں اور فارہ کو رسم کی چیزیں لینے بھیجا۔ اسی کو وہ پہلے ہی کہہ آئی تھیں۔ وہ اور خالہ زینب کی ساس کو اس کا بڑا ہی لارہی تھیں۔

”ہجومزدی تم لوگ رسم شرع کر دو۔ میرے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔ دیکھو اسی گھر کے لوگ مجھے غیر متنبہ تھے۔ میں بھی پھر غیروں کی طرح ہی شرکت کروں گی نا۔“ استغناء اعجاز میں ہنسی اور ناچ سے اتر گئیں۔ نسیب اور علی ایک دوسرے کے کد کر رہے تھے۔ اس خود ساختہ باراشی کا وہ کیا کرتب جس کوئی خودی کسی چیز میں شامل نہ ہوتا ہے۔

ماہنامہ گزنی

☆☆☆

☆☆☆

فروری 2018ء

”ہوں“، نیلے لان بہت تعلیق کرے ہیں۔
 ”میری تہہ ڈاسے“، زویب بولی جیسے
 تاریخ یاد کر رہی تھی۔
 ”مگر میری تہہ ڈاسے تو کھلے۔“ اسے یاد

”مجھے یہ توچ بہ میری اماں بہت اچھا لگتا تھا۔
 آتی ہیں۔ اس میں نمبر بٹانے والی کوئی بات نہیں
 ہے۔ ہاں اگر کوئی اپنے ہاتھ کا ڈانڈہ نہیں پکھڑھایا
 میں جانتا تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ بغیر کھانے تو خالی
 یہ تعریف نہیں کر سکتے۔“ شجرہ نے اپنے ساتھ
 بھی نضب کو چھوٹے ہوئے سکرابٹ دیا۔ اس
 پہلے کہ نضب اس الزام پر احتجاج کرتی اماں بول

”بیٹا تم نے کب جانا ہے۔“ اماں کے پوچھنے

پرنسپ کا بریالی والا تھا۔ کرا۔
 "ہفتہ ہی ہو گیا ہے۔ اگلے اڑار کو میری فلائٹ ہے۔" چارلوں سے تمہارا بچہ تم میں رکھنے شہر یار نے بتایا۔ زنبب نے مزید بریالی ڈالنے کے بجائے ڈش واہیں رکھی۔ اس کا دل ایک دم سے اجاٹ ہو گیا تھا۔ جلدی سے پلینٹ خالی کر دی وہ بہن کیٹنے کے لیے اٹھ گئی۔ اماں بھی ساتھ ہی اٹھ گئیں۔ وہ اسے زیادہ کام نہیں کرنے دیتی تھیں۔ بہن بھی خودی سنبھالی تھیں۔ وہ خود ہی ان کی مدد کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ شہر یار زین سے اس کی پر سٹائی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔
 "یہ سال ختم ہوتے ہی تم باہر کی پرنسپسٹریز میں اپلائی کرنا۔"

"جی جی بھی سوچ رہا ہوں اسکالرشپ کے لیے اپلائی کروں پر اماں کا خیال آتا ہے۔" زین تذبذب کا شکار تھا۔ ان کی آواز میں کتنی تک آ رہی تھیں۔ زنبب پر تن سمیٹ رہی تھی اور اماں چلے پر جانے دکھ رہی تھیں۔
 "زین یہ میری اور اماں دونوں کی خواہش ہے۔ جہیں اسکالرشپ لینے پڑے گا وہیں میں نہیں سب سے اچھی پونی درجی سے پڑھانا چاہتا ہوں بلکہ میرے خیال میں نہیں ایک آدھ مال باہر چاہ کر کے ایسٹرن شہر بھی لیتا ہوں۔ شہر یار کے کچھ میں اس کے لیے بے پناہ پسند کرتی۔
 "پر تمہاری یہاں اماں اور اماں بھی..... میں کیسے جاسکتا ہوں۔"
 "چار کچھ سوچتے ہیں ابھی تو عام ہے۔" پھر تمہاری کب شب کر کے دونوں اٹھ گئے تھے۔ ساڑ بیٹھل پر چائے کا کپ رہی زنبب کے چہرے پر پھٹی افسردگی کا اس نے نوٹ کیا۔
 "کیا ہوا ہے۔" شہر یار کے پوچھنے پر وہ ٹھٹھی میں سر ہلاتی مڑی گئی۔ جب اس نے ساتھ تمام کر اپنے پاس بٹھایا۔ "اداس ہو؟"
 "آپ جا رہے ہیں؟" اس نے نظر میں اٹھا کر

اسے آواز میں دیا وہ لاؤنج میں آیا تھا۔ وہ زین کے ساتھ برتن سمیٹ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی چند مہمان خواتین اس سے مل گئیں۔ زین کے ساتھ میں بڑے چھاتی اور شہر یار کی طرف متوجہ ہو گئی۔
 "گوئی کام ہے آپ کو۔"
 "ہوں تم آؤ ڈراما میری شرت کا جن لگاؤ۔" سنجیدگی سے بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں شراوت کی جوں زنبب نے فکس کر کے مگھور تھا۔
 "نہیں جا رہے ہو؟" اماں نے اسے تیار دیکھ کر پوچھا۔
 "جی ایک دوست سے ملنا تھا۔ تیار ہو رہا تھا پر اس شرت کا جن ٹوٹ گیا۔" شرت کے انہیں بازو کا جن وہ ساتھ میں بکڑے کھڑا تھا۔ نظریں زنبب کے اٹھنے کی طرف تھیں۔
 "اماں یہ ان کی شرت کے جن کچھ زیادہ ہی نہیں پڑنے لگے۔ کچھ بھی جو شرت پہنی تھی اس کا جن ٹوٹا ہوا تھا۔" تبسم کچھ میں بولتی وہ اماں سے غائب تھی۔
 "جن کچھ ہو گئے ہوں گے۔ تمہیں اسیا کر دساری شرت بھی لے لو۔ میں سب کے جن کچھ کر دوں گی۔"
 "نیک ہے۔ اماں۔ ابھی تو تم ڈوٹا۔" مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اماں سے کہہ کر وہ اس کی طرف مڑا۔
 "اماں آپ جن لگاؤ میں جن میں سالن دیکھ لیں۔ وہ اسے دم آ گیا ہوگا۔"
 "ہاں دیکھ لو گا۔ دیر ہو گئی اسے رکھے۔" زنبب سر ہلاتی اپنی سگریٹ دہانی اٹھ گئی اس کی طرف دیکھنے بغیر جی جاتی کی کراس وقت وہ اسے ہی مگھور ہوا۔
 "ہو گا۔ سن منہ بعد وہ کرے میں کی گئی۔ جوئے پینے کے بعد وہ آگئے کے ساتھ کھڑا ہواں میں برتن پھیر رہا تھا۔ زنبب کھانسی ہوئی اس کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔
 "یہ ناراضی کیسے تک چلی گی۔" لب داتوں میں دباؤ ہے وہ پوچھ رہی تھی۔

"جانتا تم اسے ضروری کیا تھا؟" پر غم کا بے درخ استعمال کرنا وہ کھلی سے بولا۔
 "اچھا اب چھوڑ دیں نا۔ میں تو آپ کو کھنگ کر رہی تھی۔ آپ بھی تو روز اس بھانے سے مجھے اپنے پاس بٹھاتے ہیں اور چہرہ دیکھیں لانا بالکل بچوں کی طرح منہ پھیلانا ہے۔" اس کے کھلی بھرے تاثرات پر وہ ہنسی گئی۔
 "ابھی مجھیں چہر پر دا نہیں ہے۔ جب چلا جاؤں گا اور مڑ کر جی نہیں سب کی دیکھوں گا تب قدر آئے گی۔" کلائی پر کھڑکی باغداد وہ مڑا۔ اس سے پہلے کہ آگے بڑھتا زنبب نے اس کا بازو پکڑ لیا۔
 "کچھ کچھ بول دیتے ہیں آپ۔ میرے جذبات کی کچھ پوچھا ہے۔ ایک چھوٹی سی شرات ہی تو کی گئی۔" اس کی آنکھوں میں کچھ دیکھ کر وہ شرمندہ ہوا۔
 "سوری میرا وہ مطلب نہیں تھا چلو اب سکرادو تاکہ میں جائوں۔ عمر انتظار کر رہا ہوگا۔" اس کی فرمائش پر وہ ہنسی کچھوں کے ساتھ زبردستی سکر اہٹ چہرے پر لائی۔
 "ایسے نہیں سمجھ سے سکرادو۔ پتا ہے زنبب، تمہاری سکر اہٹ مجھے بہت پیاری لگتی ہے کیونکہ جب تم دل سے سکرانی ہوتا تو ساتھ میں تمہاری یہ خوب صورت آنکھیں بھی سکرانے لگتی ہیں۔ ایک دل چاہتا ہے۔ بھلا ایسے ہی سکرانے۔" زنبب سے بولتا وہ اس کی آنکھوں میں تھما کر رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں وہ اپنا کس سا فہم دیکھ رہی تھی۔
 "اچھا بہت ہو گئے ڈائیکٹار۔ جائیں دیر ہو رہی ہے۔" اپنے آنکھوں پر اس کے ہاتھ بٹھائی وہ پیچھے ہوئی، چہرے پر بڑی پیاری مسکان پھیلی تھی۔
 "دیکھ میں نے سنا ہے میاں کی محبت کا بخار چاروں کا ہوتا ہے۔ کچھ سالوں بعد ہیوں کی تحریف کرنا بھی بھول جاتے ہیں۔" کمرے سے نکلتی وہ

شرارت سے بولی۔

”ہائے، اگر یہ بیمار ہے تو میں تمام مری بخار میں چٹا رہوں اور ادوا تک نہ کروں۔“ ملاحظہ ہو وہ اس کے پیچھے ہی کرے سے لگتا تھا۔

☆☆☆

دو دن بعد وہ چلا گیا تھا۔ شروع شروع میں وہ بہتوں بیچہ کر اس کے فن کا انتظار کر رہی تھی۔ اسکا بچہ برہمنی دن میں ایک آدھ رات ہو جاتی۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے اماں کا ہاتھ مٹانا شروع کر دیا۔ اس طرح اس کا وہاں بھی بٹا رہتا تھا۔

سال بعد وہ پندرہ اس کی کو دوش آگیا پھر چوتھے معصوفیت ہی معصوفیت تھی۔ سارا دن اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہی گزار جاتا۔ اس کی بیٹی ایش پھر شادی ہی نہیں کی چھٹی لے کر آیا تھا اور اس کی زندگی کا پہلے چلے گیا۔ پندرہ سال کے بعد اس کی کو دوش مثال آگئی۔ اب تو وہ بھی ٹھنکوں کے چل چلے گئی تھی۔ پانچ سال کو یا زندگی کی کتاب کے وہ درق تھے جو تیززی سے چلت دیے گئے تھے۔ اس دوران فرین بھی اسکا رشتہ پر پڑا نہ اسکا چلا گیا تھا۔ اس کے جانے سے پہلے ہی زہیدہ بیگم نے اپنے بھائی کو گوالیا تھا جو سالگٹ میں تھے۔ جب احمد ساہا لوٹی کے رشتہ دار پروفیسر تھے۔ یہی سالوں پہلے وفات پا چکی تھی۔ بچے تھیں اور دوسری شادی کرنے پر وہ کسی رضامند نہ ہوئے تھے۔ بس کتابیں

تھیں جن سے انہوں نے انٹرنل رٹورڈ جڑو رکھا تھا۔ زہیدہ بیگم کے بلانے پر وہ بیگم کی بس واپس کے اپنا شہر چھوڑ آئے تھے۔ کہہ کر وہ بھی آئے تھے کہ بچوں کے آتے ہی واپس چلے جائیں گے پر اب کنالوں کے ساتھ ساتھ بچوں میں بھی ان کا خوب دل لگ چکا تھا۔

☆☆☆

”ننہ آئی ہے جیسے ہی سنا تم آ رہے ہو میں نے سوچ لیا اس بار تو سارے دوست اکٹھے ہوں گے۔ بولی درہن کے بعد سب ایسے غائب ہوئے

ہیں۔ پچھلی بار تم آئے ہی تھوڑے سے دنوں کے لیے تھے۔ کوئی بلان ہی نہیں سکا تھا۔“ گاڑی ڈرائیو کرتا عمار مسلسل بولے جا رہا تھا۔ فرنت سیٹ بیٹھے زین سے تائید میں سر ہلایا۔

”ہوں۔“ معصوفہ بھی تو ہو گئے ہیں۔“ ”تم اپنا تاناؤ۔ تم تک ہو پاکستان میں؟“

عمار نے ہنسا۔ ”پچھلی بار تو معصوفہ ہی روکا تھا۔ نئی جاہ تھی اور جو انجمن۔“ بیگم۔ ”میرا اس بار دوسرے کی پہنچی لے کر آیا ہوں۔“ باہر کے بھانے دوڑے مناظر دیکھتے ہوئے زین نے بتایا۔

”ریش کرپٹ۔ پھر میں سب کو اکٹھا کرنا ہوں۔ مل کر کپ لگائے ہیں۔“ عمار خوش ہوا تھا۔ اسے گاڑی روکنے دیکھ کر زین نے چپک کر گاڑی کو دیکھا اور اس کا کھر، کھر، کھر کے سامنے عمار نے گاڑی کھڑی کی تھی۔

”مہ یہاں کیوں آئے ہیں؟“ وہ حیران سا اس کی طرف مڑا۔ پچھلی سیٹ سے سفید رنگ کا شاپر اٹھا کر اتر گیا۔ دھکاتے ہوئے عمار بولا۔ ”اس کے لیے۔“ ننبہ آئی نے دیا تھا کہ راستے میں ڈراپ کر جاؤں۔“ زین نے سر ہلایا۔ ”ابروہی۔“ اسے بیٹھے دیکھ کر اشارہ کیا۔ ”میں جا کر کیا کروں گا تم دے آؤ۔“

”لانا کہ میری پھوپھو کا کھر ہے پر تمہاری بھی کام کا کھر تھی تو۔“ چل آ جا۔“ گاڑی سے لگتا وہ اس کے اٹھنے کا منتظر تھا۔

عمار ناصر ف اس کے بچپن کا دوست تھا بلکہ دونوں کی ماں میں بھی ایک دو تھی اور عمار کے بڑے بھائی کی شادی بھی زہیدہ بیگم نے ننبہ کو پسند کیا تھا جو کہ عمار کی پھوپھی زاد کرن تھی۔

زین کی گاڑی کا دروازہ بند کرنا اس کے قریب آ گیا۔ گیٹ چکر مارنے کھولا۔ عمار کو بچپان کر وہ انہیں اندر لے گیا۔ فردوس بیگم انہیں دیکھ کر مہاسی خوش ہوئیں۔ دونوں کا حال احوال پوچھیں۔ انہیں

بیٹھے کیا۔

”میں آئی بس چلتے ہیں۔“ زین نے اٹھ کر ننگا چلا۔ ”آئی تو آئے ہو بیٹا۔ ایسے کڑے سے کڑے دروازے سے میں رخصت نہیں کروں گی۔“ فردوس بیگم نے بیٹھے ہوئے کہا۔

”اس کو چھوڑیں پھوپھو۔ تو خواہ مخواہ تکلف کر رہا ہے پر میں تو جانتے ہی کر رہی جاؤں گا۔“ عمار مڑے سے بولنا چکی لڑکھنوی نے بیٹھے کہا۔ زین اسے کھڑا ہوا ساتھ بیٹھا۔ فردوس بیگم گرا گئیں۔

”کیوں نہیں میں ایسی جانے پلانی ہوں۔“ ”ای۔“ آپ کا جڑا میں نے اسڑی کر دیا ہے۔“ ایچنے آپ میں میں دھوے ہوئے عمار کے طرح اندر آئی۔ کچھ عین دوسرا پہن، چرے پر دوسری معصوفہ اور وہی شیشی جو سالوں پہلے کی اسے اپنے صدارت لیے تھی۔ ”ایسا کیا تھا اسڑی میں کہ اس کے علاوہ کسی کوئی اچھا نہیں لگا تھا۔ آج بھی اس کی لگا ہی تھی پلٹنا بھول گئی تھیں۔

ہلکا کنڈی رنگ، گہری سیاہ آنکھیں، مٹی کیلش، چہرے پر دھبے مسکراہٹ جو عمار کی کسی بات پر اس کے کپڑوں پر چلی گئی۔ آج بھی وہ عام سے طے میں تھی۔ لیکن اور براؤن کنٹراسٹ کا سوٹ پہنے، دو چار پہلے کی طرح کندھوں پر پھیلانے کے بجائے سر پر اوڑھ رکھا تھا۔ پر ایک واحد تبدیلی کی نظر آ رہی تھی۔ عمار کے کھنکھارے ہوئے نکالنے پر اور ساتھ میں بھی مارنے پر وہ جیسے ہوش میں آ چکا تھا۔

”جاؤ ناوہ۔“ تمہارے لیے جانے ہاؤ۔“ اس کی حالت سے بے خبر فردوس بیگم نے بیٹی سے کہا۔ زین نے پہلو بدلتے ہوئے دائیں ہاتھ کی آنکھوں سے چٹائی کی، شرمندگی سے اس کا پورا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں ایسے جگمگ کی تھیں جیسے صاب صابٹھانے کی تم کھائی ہو۔

”جاؤ شاباش ناوہ انجمن کی جانے بنا کر لاؤ۔“ زین کاؤں کے تو سر میں بھی درو ہے۔“ عمار کے کہنے

پر سر ہٹا کر بیٹھے زین کو کھاسا نے سر ہلایا۔ ”تی۔۔۔۔۔ میں چن کر بھی لے آئی ہوں۔“ پھر سارے وقت عمار ہی بولتا رہا تھا۔ زین چپ چاپ جانے کے کھنکھرتا ہوا جودھوڑی دیر بعد سے کر گئی تھی اور اس بار بار سے دیکھنے کے کر رہی رہا تھا۔ جانے واقعی میں انجمن کی یا اسے ہی خاص کی۔ وہ فیصلہ نہ کر پایا۔

☆☆☆

عمار نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اسے دیکھا جو سیٹ کی پشت سے سر لگائے جا رہا تھا۔ ”تجربہ کار کھوپا کھوپا اعزاز کبھی نہیں آ رہا۔“ ”تمہارا دام ہے۔“ اسی حالت میں بیٹھے زین نے تڑپ دیکھی۔

”اوکے۔۔۔۔۔ میں بتانا بھول گیا۔ میری منگی ہو رہی ہے اور بیٹی اسے اپنی میری والدہ کی ہے۔“ قریب سمجھو شادی کے کارڈ بانٹ رہا ہوں گا۔“ مڑے سے بولتا وہ ہنسا تھا۔

”انجمنی بات ہے اب میں آگئی ہاؤ آؤں تو تمہارے ساتھ میں کارڈ ہونا چاہیے۔“ زین مسکرایا۔ ”ابنیا ہی ہوں تے والا ہے۔ میری والدہ صاحبہ یوں ہی ایک جگہ مل کر گئی ہیں۔ اب ایک دم صاحبہ کر لیا کہ ان کی تنہائی میں بیٹا پیدا کر لاؤں گی۔ خاندان سے باہر مشر جوڑنے کا سوچ کر ہی انہیں غصہ سے سینے آنے لگتے ہیں۔“ عمار نے اپنے مخصوص بکے منگٹھ کے اعزاز میں بولے تو اس کی جانب دیکھا جو ایک جھٹکے سے بیکدھار ہوا تھا۔ چہرے پر زلزلے کے سے تاثرات تھے۔

”تمہیں کیا ہوا ہے۔“ عمار نے سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”نظریں چراتے ہو اس کے سینے میں ساس لگتا تھا۔“

”پھر چہرے پر بارہ کیوں نہ رہے ہیں۔“ ہائے داہے سے میری دو پچھو پچھو اور وہ خوش نصیب میری بڑی پھوپھو کی بیٹی ہیں۔“ عمار نے سنجیدگی

سے بتایا۔ "ساسا اُری سے یا گلگودز پاؤں۔" اس کے حلق میں اٹکا سا سبز سستوں میں بھال ہوا تھا۔ ہر ایک شرمندگی کا احساس ساتھ۔ اسی لیے غلامی طرف دیکھنے سے کر پڑا۔
"مجھے کیا ہونا ہے۔"

"بھوکھیں ہوں میں، آ نکھیں ہیں میرے پاس اور نظر میں بالکل صاف آتا ہے اور شک تو مجھے ہی ہو گیا تھا جب زنبب آئی اور شہر یار بھائی کی شادی ہوئی تھی اور آج تو ماشاء اللہ کیا کارکردگی دکھائی ہے۔ اب تو مان لے لے اثرات نہایت خطرناک ہیں۔"

"مان لایا ہے۔" زین زرب سکرایا۔
"مجھے نہیں چاہیے کہ میں کن کر گیا ہوں۔ گاہے گاہے تم جان ہی گئے ہو تو میں اٹکا نہیں کروں گا۔ شروع میں مجھے یہ ہی لگا کہ میں افریقہ میں ہے، مجھے کبھی کسی کے لیے عرصہ ہوئی ہے۔ ہر آج میں ماما ہوں کہ یہ بہت کا جذبہ ہے جو بہت عرصے سے میرے دل میں پنبہ رہا تھا اور یہ بھائی کی شادی سے بھی پہلے کی بات ہے۔ یاد ہے جب ہم لائی دہشتی سے جبکہ ہر ایک کو شک کے لیے کھینچتے اور وہ اپنی دوستوں کے ساتھ کاغذ پرپ آئی تھی۔ تب ہی وہ دل میں اتر گئی تھی اور پھر میں بھی اسے بھول نہیں سکا۔" لگاؤں جھگڑے وہ اعتراض کر رہا تھا۔ غلام نے گہرا سانس لیا۔ اس کے بعد وہ یاد آیا تھا۔

گہرا سانس لیا۔ اس کے بعد وہ یاد آیا تھا۔
"اب نہیں لگا کھینچے۔ کیوں کہ میں نہیں اچھی طرح جانتا ہوں، دیم ایسے لپیک ہوا ورنہ تہااری نیت میں شکوت ہے اور پھر اچھا لڑکا میں کیوں ہاتھ سے جانے دوں۔ فوراً آئی سے بات کر دو اور رشتہ بھیجیو۔ اچھی لڑکیاں جلدی رخصت ہو جایا کرتی ہیں۔" غلام نے شرارتی لہجے میں کہا۔
"اب یہی کر دوں گا۔" زین بھی مٹھوٹا ہوا۔
"شکر کر دیر سے جیسا اچھا دوست ساتھ تھا۔ وہ تو میں سے چھوچھو کو تو میں لگایا۔ ورنہ جس طرح تم اسے دیر سے تھے اور جانے کو کسی پر لطف

چام کی طرح بولے بولے پل رہے تھے۔ انہیں تمہاری وقتی حالت پر شک ہو جاتا تھا۔" غلام کے چوٹ کے پرے پر وہ سکر سکراتا رہا۔ وہ خوش تھا اور یہ خوشی اس کے ہر صاف پر صاف پر صاف جا سکتی تھی۔ غلام سے محبت کا اعتراف کر کے اس کے دل کا بوجھ ہٹا ہو گیا تھا۔ ایک لمحہ اس کا ریا گھبرا گیا تھا۔

☆☆☆

زین کے منہ سے غلام کا نام نہ کر زیادہ عظیم بہت خفی ہوئی تھی۔ ان کے دل میں بھی یہی غواہش تھی کہ زنبب کے بعد اب غلام کو بھی اس گھر کی بھونکا کر لے آئیں۔ زنبب اگر اپنے چلیے پکیں گی۔ وہ سے پسند آئی تھی۔ وہ غلام کا دھیمہ انداز انہیں بھانپا تھا۔ پھر جس طرح آتا تھا دونوں گھروں کے درمیان سے غلام جھپٹے ہوئے ہوئے تھا۔ زین کو اب وہ رشتہ آیا تھا۔ اس کے تو وہم گمان میں بھی تھا۔ سب کچھ اس قدر سب کو اس کے منہ سے نکالتے ہی غلام اس کی قسمت میں لکھ دی جاسے گی۔ زنبب وہ عظیم اور زنبب تو جا کر غلام کو بھی پہنا آئی تھی۔ جبکہ شادی اس کے انکیزا کے بعد، زین کے اگلی دفعہ آئے ہوئے پائی تھی۔ ورنہ زنبب وہ عظیم کا تو بس نہ چلتا تھا کہ اپنے لڑائے کی خوشی کو پورا کرنے کے لیے بھی غلام غلام ہلاتا تھا۔

☆☆☆

شہر یار کی ایک آمد نے سب کو حیران کر دیا تھا۔ زنبب وہ عظیم کے گھر میں گویا خوشیاں ہی اتر آئی تھیں۔ سب ہی گل لکھنے، خوش گلیوں میں مصروف تھے۔ حذیفہ باب سے چپکا چلتا تھا اور مثال ہاتھ پاؤں ہلاتی ساتھ میں شور مچاتی اس کے پاس آئے تھے گئے تھے ایک دہائی کی۔ سال بھر کی بچی اس قدر احتجاج پر زین نے اسے اپنی گود سے شہر یار کی گود میں چھل گیا تھا۔
"بس بھی اپنی لڑائی کو۔۔۔ اب یہ میں کہاں لف کر آئے گی۔" زین نے شرارت سے مثال کی ناک ہلاتی جو حیر سے باپ کی گود میں بھی تھیں

بھاری تھی۔

"جینے، ماں، باپ کی خوشبو کی بھان رکتے ہیں۔" عیب ماموں سکراتے ہوئے اٹھ گئے۔ ان کے سونے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ جلدی سونے کے عادی تھے اور فجر کے بعد سے ان کے دن کا آغاز ہو جاتا تھا۔

"اے آئے کا تادیتے تو زین کی مٹکی ٹھہر کر کر لیتے۔" زنبب وہ عظیم سے غلام ہویں۔
"میں نے تو دیکھے تھے غلام سے زنبب کو روکا تھا کہ ڈراما چاؤ۔ اتنی جلدی کیا گیا ہے، مگر آپ دونوں ساس، بھویش تب ہا۔" اس الزام پر زنبب نے احتجاجی انداز میں اسے دیکھا۔

"صاف صاف بتاتے۔ آپ کو بھی تو سر پر اتر دینے کا حق ہے۔"
"مثال کی نہیں تھی۔۔۔ کہہ کر نہ آتا تو دروازہ شروع ہو جاتا تھا۔" شہر یار نے شرارت سے لب و لہجہ میں دبائے اور زنبب کا مٹکی بھر انداز دیکھا۔
"چھوڑو، بھائی۔ جس سے چارے کی مٹکی تھی، اسے بھی کسی نے شریک کرنا ضروری نہیں سمجھا۔" زین نے معنوی افسردہ سے کہا۔ جبکہ چہرے پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ مٹکی تھی۔
"مٹی آپ کی ہے چار کی کا پسینا غلامی حد تک انداز ہے۔" شہر یار نے اسے پھڑا۔
"مٹکی دگنی کیا، بس بات لے کر ناسخ۔" ان شاء اللہ اب شادی دھوم دھام سے کریں گے۔ زنبب وہ عظیم مٹکی ہی ہوئیں۔ کچھ دوا آج میں خوش گلیاں کرنے کے بعد بس ہی آرام کی غرض سے اٹھ گئے۔

وہ بچوں کو سلا کر غلام ہوئی تھی کہ شہر یار فریق سا ڈال دے کہ کدو پڑم دم سے لگا۔ کیلے ہالوں میں برش پھیر کر برسر آ گیا۔
"واپس کب سے آپ کی؟" بچی درست کرتی زنبب نے پوچھا۔
"کیا یا اتر آئے ہی واپس کا پوچھنے لگی ہو۔"

دو دھڑا ہوا۔

"پہلے پوچھتی ہوں، تاکہ آپ ایک دم سے سر اتر نہ دیں۔"

"واپس جانے کا تو دل ہی نہیں چاہ رہا۔ چھٹی برصا ہوں گا۔" اس سوتی ہوئی مثال کو کچھ بھیج کر پیادہ کرتے دیکھنے زنبب نے روکا۔
"کیا کر رہے ہیں، جاگ جائے گی۔ اتنی مشکل سے دلوں سے ہیں۔"

"مثالی بچی کو پیادہ کر رہا ہوں۔" اس نے پیادہ سے مثال کے پوچھنے سے گل بھونے۔
"سوئے ہوئے زیادہ پیادہ لگ رہی ہے۔ سونے دیں۔" زنبب نے آہستہ آواز میں بولتے ہوئے اس کے بائیں طرف کٹاٹھن سونے حذیفہ پر ایک نظر ڈالی۔

"مثال کی؟" انہیں بالکل تہااری انکھیں بھی ہیں۔" اس نے زری سے بچی کی بچوں کو پھوٹا۔
"بس کر دیں نا۔" زنبب نے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے اسے گھورا۔ جو شرارت کے موڈ میں تھا۔ زرب سکراتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ کر پش پش کیا۔
"کیا یاد ابھی تو مجھ میں آتا تھا کہ جو بچے، لڑکیوں پر بڑی دوا سے پیار سے کیوں لگتے ہیں۔" "جبردار، جو میرے بچوں میں تفریق کی۔" زنبب نے تب کر اسے دیکھا جو بڑی دھمکی سے اس کا تپا انداز دیکھتا تھا۔
"اے تفریق تو بھی خود میں اور تم میں نہیں کی۔ بچوں میں کیسے کر سکتا ہوں۔" جذب سے اسے دیکھا کہ زرب غلام میں سکرایا۔
"جب کر کے سو جائیں۔ رات کے دو بجے مجھے نہ کچھ یاد دیتا ہے، نہ دکھائی۔ اپنی لاطیفی اور وقت کے لیے بھار میں۔" اپنی مسکراہٹ چھائی وہ لیٹ گئی۔ انکھیں بند ہونے کے باوجود اسے معلوم تھا کہ وہ اسے ہی تک رہا تھا۔
"نیز نہیں آری۔" ہاتھ سر کے نیچے رکھا کھنکھاتی

62

کوشش کرے تو.....“ زین کے سوالیہ انداز میں کہنے پر فارہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی، جو پتھر سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر اس کی طرف دیکھ نہیں سکی۔ جانے کیوں اس کی آنکھیں پڑتی ہوئی سی محسوس ہوتی ہیں۔ پتلیں جھکاتے اس نے جواب دیا تھا۔

”اقتدار کا رشتہ مضبوط ہو تو کسی تیسرے کی اہمیت نہیں رہتی۔“ بڑی خوب صورت مسکراہٹ زین کے لبوں پر چمکی گئی۔ اس کے خیالات سن کر وہ اور بھی دل سے تڑپاؤں سے بھری ہوئی۔

”دیکھا، پتلی آپ کی ہی ہے۔ انا آپ میرا فون بھی نہیں اٹھا رہے تھے۔“ فارہ کے خاموش ہوتے ہی تین کوئلے کا موقع مل گیا تھا۔

”بڑی تھا یار اس وقت۔ اب دفتر میں بیٹھ کر میں اپنے کچھ ٹیبلٹس مل کر نہ رہا۔“ عمار نے سہجائیے کی کوشش کی۔

”دوسرے بندے کو بھی ہادی دیتے ہیں کہ دیکھا جائے۔ آپ تو میرے پیچھے کا جواب اٹھا لیتے دیتے ہیں کہ میں خود کھول جاتی ہوں کہ کتنے کب کیا تھا۔ آپ بتائیں زین بھائی، آپ بھی فارہ کے ساتھ ہی سب کرتے ہیں۔“ مسلسل پوچھتے ہوئے وہ ایک دم سے زین کی طرف مڑی۔ زین کو ایسے سوال کی توقع نہیں تھی۔ اس کی نگاہیں فارہ پر اٹکی ہیں، بس نے اسی وقت اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمبے کے لیے دونوں کی نگاہیں ملیں۔ پھر وہ نظریں جھکا گئی۔

”آہ.....“ عمار نے پاس ایک دوسرے کا نمبر نہیں ہے۔ اس لیے بھی ایسی نوٹ نہیں آئی۔“ جواب دیتا تھا سو سمجھ کر کہہ گیا۔ تین کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلے گئے۔

”آپ بے گناہ نہیں ہیں۔ کون سی دنیا کے ہیں آپ لوگ۔“ حیرت کی حیرت تھی۔

”تو پہلی صدی کے معصوم اور سادہ لوگ ہیں۔ تم غم نہ کرو۔“ عمار نے ہنستے ہوئے زین کو دیکھا۔ جو

زیر لب مسکراتے جارہا تھا، کن انکھیں سے کیونسی فارہ کو بھی دیکھ رہا تھا۔

”مواہل نکالیں اور نمبر لکھیں۔“ تین کی اگلی فرمائش پر زین بیڑھا ہوا۔

”کس کا؟“ فارہ نے بھی ہیشا کر ساتھ بیٹھی تین کو دیکھا۔

”مجھے اپنی معیشت کا۔ کسی بھی کوئی ضروری بات کرنی پڑ سکتی ہے۔“

”ہاں لازماً رہے گی کوئی ملانا ہو تو پہلے زین کو کال کر لیتا، یہ اس سے بھی پہلے آتا ہوا ہونے کا۔“ تین دہاتے عمار نے شریز نیچے میں فارہ سے کہا۔ پھر لاکھ فارہ نے اسے سمجھو، اپنا پاؤں اس کے پاؤں پر مارا، محاسن سے زین کو بہرہ نرٹ کر دھری دیا۔ لکھا سی وقت کس کال بھی دوائی۔ پھر خود کو کھڑی فارہ کو دیکھا۔

”تم کمال مجھے دیکھے جا رہی ہو۔ نمبر سیدو۔ یہ نہ ہوزن بھائی کال کریں اور تم، بھائی صاحب رانگ نمبر ہے کہہ کر بند کرو۔“ فارہ نے دل میں اسے خوب آنا بھنے وٹھ بیگ سے مواہل نکالا۔

”آج مجھے اندازہ ہوا ہے کہ آپ خاصی سبھ دار ہیں۔“ شرارت سے لب داغوں میں بانٹا زین اس صورت حال سے خامسا منظور نگ رہا تھا۔ پھر چادرں کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جو سرور شد کر رہا تھا۔

☆☆☆

”فارہ! اپنے آپ کو تھوڑا بدللو۔“

”کچھ مطلب؟“ فارہ نے اچھپے سے ہزریاں کاٹتی زین کو دیکھا جو سان بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ آج آفر تھا اور ابرا سے معنی زین کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ مگر کسے ہائی افراد بیہہ تنگ کے دور کے رشتہ دار تو فوٹنگ میں گئے ہوئے تھے۔ اسی لیے زین نے فارہ کو بلایا تھا۔

”درا علیہ دیکھو اپنا۔“ زین نے چو لیے کی آج آہستہ کرتے ہوئے کہا۔ فارہ نے حیرت سے

ایک نظر اپنے لباس پر ڈالی۔ سبب کی کاٹش کاٹے کے بعد اب وہ بگن کا ڈنٹر سے لگ لگا لے گیا تھا۔

”سے سب کھانے میں ہر دوں کی۔“

”کیوں، کیا ہوا ہے میرے لیے کہ ٹھیک تو ہے۔“

”ہاں کال سادہ ریاضی ہو ہر وقت۔ اب تین کو ہی دیکھو، ہر وقت شپ ٹاپ رہتی ہے۔“

”میں کی کوئیوں دیکھوں اور تین کو بچپن سے تیار شیار رہنے کا شوق ہے۔ میری اور اس کی پیچہ میں بہت فرق ہے۔“ فارہ نے تنبیہ کی۔

”اسی لیے تو کہہ رہی ہوں خود کو بدللو۔ میں یہ نہیں سمجھتی کہ بالکل تین کو فالو کرنا شروع کر دو۔ مگر بھی کچھ لپکا چلاک ہوا جو اسے میں کی حرج نہیں ہے۔“

ایکڑا خنجر کے بدستھاری شادی ہو جائے گی۔ اس سے پہلے ہی خودی عادت ڈالو۔ زین کو اچھا لگے گا۔ کریم چکی دوسری ٹریکوں کی طرح خود کو شپ ٹاپ رہو گی۔

”زین نے اسے بھانے کی کوشش کی۔“

”سادگی کوئی پری چیز نہیں ہے اور پھر جب وقت آئے گا تو دیکھ لیں گے۔ ابھی مجھے پر حالی پر فوکس کرنے دیں۔ میرے لیے پر حالی ہی اس وقت سب سے اہم ہے اور آپ بے کھو کر دوسری آکر لیاں اتنی پسند ہیں تو ان سے شادی کرالیں۔“

آکر میں خنجر سے مشورہ دیتی وہ پلٹ کر کچھ لگتی۔ زین نے اسے ملتا نظر نہ کرنا۔

”ختم کرلو۔ میرے استے شریف دیور کے بارے میں اے کیے کہہ دی ہوں۔“

”میں تو تیس آپ کی بات کا جواب دے رہی ہوں اور مجھے یقین ہے آپ کی اسی نے آپ سے یہ سب کہا ہوگا۔ انہیں کہیں مجھے اس سے احتیاج دار میں کہ میں شادی کے نام سے ہی بھاگنے لگوں۔“

پر یقین سے اعجاز میں پڑتی وہ زین کو دیکھ رہی تھی۔ بس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

”اچھا ٹھیک ہے، میں اسی سے کہہ دوں گی کہ فارہ سے مجھ نہ کہیں، بس ایکڑا خنجر کی تیاری کرنے

میں۔ تم تینش نہ لو۔“ اس کے تسلی دینے پر وہ بھی مطمئن ہوئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کوئی سویت ڈش بنا دے کہ کھانا نہ پر بری طرح چٹکی زین بھی چونک کر متوجہ ہوئی۔ سامنے کھڑے زین کو دیکھ کر وہ جھٹ سے سڑکی ہوئی۔ چہرے پر خجالت کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے کچھ نہ زلیا ہو۔ اس کا کہہ بھی تو ساتھ ہی تھا۔ پہلی سوچ فارہ کو یہی آئی۔

”اے زین تم مجھے نہیں۔“ زین نے جرت سے کھڑے کھڑے زین کو دیکھا، جو جلی جلی جرت سے شرت پہنے تیار وہم سا لگ رہا تھا۔ باؤں کی اس کے ہاتھ تیار ہونے کی چٹکی کھارہی تھی۔ چچے سے پریشیہ کے جانے کے بعد کچھ تینشیں بھڑکی گئی تھیں۔

”مجھ کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ نیلوت لے کر سو گیا۔“

”اچھا، اب شہریار کی کال آ رہی تھی۔ شاید تمہاری یاد تیار جا رہے تھے، پر میں اٹھا نہیں سکی۔ خیر تم کہیں جا رہے ہو؟“ زین نے اس کی تیاری سے اندازہ لگا دیا۔

”جی..... عمار کا فون آیا تھا۔ اس نے کوئی پروگرام بتایا ہے۔ پہلے آکر ناٹشال جاتے جوت اچھا ہوگا۔“ خوش دلی سے بولتے اس نے زین کے واسطے طرف کھڑی قائم کو دیکھا جو آس کا جائزے لے رہی تھی۔ نظریں نیچے پر پتلیں جھکا گئی۔

”میں ناشتا بناتی ہوں۔“ زین نے چھری رکھ کر سب کا قلع کھول کر ہاتھ دھوئے۔ اسی وقت کمرے سے آتی رونے کی آواز سن کر وہ فارہ کی طرف مڑی۔

”فارہ! تم آج ناشتا بنا دو۔ میں مثال کو دودھ پلا کر سلائی ہوں۔“ جلدی سے اسے ادایت دیتی وہ کمرے کی طرف بھاگی۔ زین کا ڈنٹر کے دوسری طرف، رنگے استول پر بیٹھا گلاس سے منہ لگا لے پانی پی رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی فرنیچ سے بوتل نکال کر اس کی گلاس پر اترھا۔ گلاس خالی کر تار وہ سوار

قدہوں سے چلنا کا ڈنٹر کے دوسری طرف آیا، جہاں فارہ کھڑی تھی۔ اس کے قریب رکھتے ہوئے وہ کھڑا رہا۔ اس کا دھماکا دھماکا کر رہا تھا۔ اس کی جانب مڑی۔ ساتھ ہی وہ آلیٹ بنانے کے لیے انڈر پینٹن رہی تھی۔

”کیسے ہیں آپ؟“
”یہ تو آپ بتائیے، انٹیکلیٹ آپ کو کیسا لگتا ہے؟“
”زین نے اس کی جھپٹتی جھپٹتی سامیوں کو دیکھا، جن کی لڑائی اس کے زروں ہونے کا پتا نہ رہی تھی۔“

”فریش لگ رہے ہیں۔ اب آپ جانیں، میں آپ کا ناشتا بنا رہی ہوں۔“ فارہ نے اسے کہیں سے نکالنے کے لیے کہا، ساتھ میں ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔

”ہوں..... دو تیس دیکھ رہا ہوں، میری پسند کا کچھ کچھ اندازہ ہوتا جا رہا ہے۔“ زین نے اپنے سینے پر ہاتھ پٹپٹے ہوئے دیکھی سے اس کے لبوں پر ہنسی کی مسکان کو دیکھا۔ اشارہ اپنے لمبوٹ آلیٹ کی طرف تھا جو وہ بنا رہی تھی۔ اس دن کے بعد سے ان دونوں کے درمیان ہونے والی ہنسی کی جگہ بات چیت سے کم از کم وہ ایک دوسرے کی پسندنا پسند کر جانے لگے تھے۔

”جہیں آپ بتائیں ناشتا، مزید آپ کو ڈسٹر ب نہیں کرتے، بلکہ لاؤنج میں بیٹھا کراس مڑے دارا بننے کا انتظار کرتے ہیں۔“ زین کے کہنے پر وہ مسکرا کر سر ہلاتی چائے کے لیے پانی رکھنے لگی۔
”فارہ.....“ زنی سے اسے پکارتا وہ مڑے مڑے دکا۔ انہیں بے اختیار اس کی جانب انھیں۔ انداز سوالیہ تھا۔ اس کی طرف دیکھنا سے مشکل لگا، مگر کچھ تھا اس کی نوٹی آنکھوں میں کہ وہ دیکھنے لگی۔ چہرے پر دلچسپ مسکراہٹ سما کر وہ دندم آگے بڑھا۔ دروازہ بند ہونے کی وجہ سے سمجھا سا اس کی جانب ہٹا۔ ”بھائی سے کہیے گا۔ فارہ، زین کو ہر روپ میں اچھی لگتی ہے۔“ اس کا چہرہ اتنی سے سرخ

ہوا تھا۔ جس پر سے لگا دھماکے وہ تیز تر قدم اٹھاتا کچن سے نکل گیا۔ وہ چلا گیا تھا۔ مگر اپنی بہت کی خوشبو چھوڑ کر گیا تھا، جس کو فارہ نے اپنے اندر محسوس کیے۔

☆☆☆

”واپس کے لیے کب کا لوٹ کر دیا ہے۔ اب بتا بھی دیں۔ پہلے بھی آپ سے کہا تھا مگر براہِ نزویا کریں۔“ جوں کا پس بجے ہوئے نازب نے کھٹک سے اسے گھورا، جو برسوں گھٹ کے چکا تھا، مگر پچھتے پر ناں جاتا۔

”میں کرتی کون سا خوش ہوگی۔“ شرارت سے بولتے ہوئے ایریا کی طرف دیکھ رہا تھا، جہاں حذیفہ کھیل رہا تھا۔

”سر براہِ راز ملنے سے بہتر ہے پہلے ہی معلوم ہوں۔“ نازب نے اسٹرا گول میں بھی مثال کے مندرجہ ذیل جو کال دی رہے جس کی طرف ہاتھ کیے آوازیں نکال رہی تھی۔

”بھئی سر براہِ راز کا تو اپنا حراز ہے۔“ شہریار نے مسکراتے ہوئے دیکھی سے اپنی محبوب بیوی کو دیکھا۔

”سر براہِ راز دینے کا بہت شوق ہے۔ اسے“
دونوں چونک کر اس آواز کی جانب مڑے۔

”آج میں نے تمہیں سر براہِ راز کو دیا تھا۔“ جیسے سے کورسے ہوئے شہریار کو کہہ کر وہ مسکرائی۔ نازب نے حیرت سے اس کی آواز کو دیکھا۔ بیوی کی جہاز کے اوپر اس نے دائیں باپ بھن رہی تھی۔ سنہری تڑپا شدہ بال کندھوں سے ڈراپے تک آتے تھے۔ رنگت سے حد کوڑی کی اور چہرے کے نفوس میں کھلا مضمر اور دشمنی احتجاج بہت خوب صورت تھا۔ بلاشبہ وہ بے پناہ حسین تھی۔ پھر وہ خود کو دیکھتی نازب کی طرف مڑی۔

”تم نازب ہو، دائیں۔“ وہ جیسے کھڑک رہی تھی۔ شہریار کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ نازب نے اثبات میں سر ہلایا اور شہریار کو دیکھا کہ وہ اس کا

خفا کرتا ہے۔ مگر وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔
”آپ شہریار کی کوئی ہیں؟“ نازب کو خود ہی پوچھتا ہوا۔

”ہاں، یہ میری کوئی ہے۔“ شہریار کا سینے میں اٹکا سانس بحال ہوا تھا۔

”میں کوئی.....“ وہ استہزاء انداز میں لہجے پر لٹھے میں اردو بولتی وہ اسے آدھی آنکھ پر نیکی بھی کر رہی تھی، اس کی اردو صاف تھی۔

”شاہین تم..... تم ابھی جاؤ، ہم پھر بات کریں گے۔“ شہریار نے جلدی سے کہا۔
”بھئی، آپ ہمارے ساتھ بیٹھیں، لٹچ کریں۔“ نازب کو شہریار کی بے پردگی اچھی نہ لگی،

جب وہ اسے آکر کرنی پڑی۔
”آپ شہریار کی نہیں کرنا ہے گا۔ پر میں اپنا مکمل خفا کر دوں گی جاؤں گی۔“ کرسی کی پشت پر دوڑوں ہاتھ مٹتی وہ بولی۔

”شاہین پلیز۔“ شہریار کی آنکھوں میں اچھا تھی، جسے ان کو کرنی وہ نازب کو دیکھنے لگی۔ جو تیز زنی کوڑی دونوں کے عجیب رویہ دیکھ رہی تھی۔

”میں سر شہریار احمد ہوں۔“ اچلی سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتی وہ مضبوط کچلے میں بولی تھی۔ نازب کو بھی اچھا آیا کہ وہ یہ مذاق کیاں کر رہی ہے۔ امید سے شہریار کو دیکھا کہ وہ بولے مگر وہ خاموش رہا۔

”اب نہ تو شہریار ہی بتا سکتا ہے، مگر میری معلومات کے مطابق میں شہریار کی بہن بیوی ہوں۔“ چھٹی ہوئی نظروں سے نازب کو دیکھتی وہ سر دھلے میں بولی۔ نازب کی گرفت ڈھکی پڑی۔ اس کی کوڑ سے اترنے کے لیے مثال نے ہاتھ پاؤں مارے۔ اس نے جب کہ اسے اترنے سے روکنا نہ پایا۔

”آپ..... مذاق کر رہی ہیں۔“ شہریار نے..... وہ اس کی طرف مڑی۔ اسے نظریں چراتے دیکھ کر اسے پیروں تلے زمین مرنے کی محسوس ہوئی۔

”مذاق تو ہم دونوں کے ساتھ ہوا ہے، بلکہ دھوکا کہتا ہے۔“ وہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی، مگر نازب کے دماغ میں گویا دھماکے ہو رہے تھے۔ اسے لگا تھا کہ اسے بڑے بڑے ہوئے شعلوں میں جھپک دیا ہو۔ کیوں اس کے عجیب شوہر نے نظریں چراتیں کھیں۔ کیوں وہ اس کی کوچنیکس کو رارہا تھا۔ اس کے اندر اتنا شور تھا کہ اسے لگا تھا کہ اس کی ساعت بھین جانے کی۔ وہ بھری ہو جانے کی۔ وہ وہاں سے سر پٹ بھاگی تھی کہ وہ کون سا پھر کہاں پڑا تھا، کچھ مجھ میں تھا۔ اور آقا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ اس کے بچے وہاں رہ گئے تھے۔ چہرا آنسوؤں سے تر ہوتا جا رہا تھا اور کالوں میں ایک ہی جھٹکے کی بازگشت ہو رہی تھی۔

”میں سر شہریار احمد ہوں۔“ شہریار کی پہلی بیوی۔“ وہ اسے آواز سے کرسی کی پیٹ روک پایا تھا، نہ ہی وہ بچوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے جا سکتا تھا۔

”تمہارا کام ہو کیا شاہین۔“ مگر میں اس وقت کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔“ پریشانی سے پریشانی مسکرا وہ بار بار پیچھے دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ نکلی تھی۔
”ہات تو چھین کر لینی ہوگی۔ دھوکا دینا ہے تم نے مجھے۔“

”ایک دھوکا تو انسان کہہ بھی گیا سکتا ہے۔“ اس سے نظریں چراتے۔ پتیل پر ہاتھ باری مثال کو اٹھایا۔ اسی اسے حذیفہ کو لے کر گھر آتا تھا۔ گھر..... ہاں، وہ گھر جہاں سے وہ نکلا تھا۔

☆☆☆

”بھائی مجھے کب تک نہیں لگے گی۔“ کچھ ہوا ہے آپ لوگوں کے درمیان۔“ اس کے گھر کچھ ہی زین نے پہلا سوال یہ ہی کیا کیوں کر کس حالت میں وہ اسے روڈ پر لے گئی تھی، وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔ پھر سارے راستے وہ کم ہی سمجھتی رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی ٹہری لگی ہوئی تھی جہاں سے چہرے کو بھگوے جاری تھی۔ زین نے اس سے شہریار اور

بچوں کا پورا چھٹا کہ وہ کہاں ہیں، وہ تو ان کے ساتھ بھی گئی، پھر اچانک کیوں ہے۔ پر وہ چھڑاموڑ کر بیٹھی تھی۔ نہ ہی شہر یا اس کا فون تک کر رہا تھا۔ سخت نشیمن میں وہ گھر بیٹھا تھا۔ گھر بچے کراس نے پھر شہر یا رکھوں کیا اور نہ جب کے گھر پہنچے کا سن کراس نے ”میں رہا ہوں“ کو کہ فون بند کر دیا تھا۔ گھر پر کوئی نہیں تھا۔ زیدہ و بیگم اور حبیبہ ماموں مل کر گئے ہوئے تھے۔

”وہ کہاں ہے۔“ پیدائی مسئلہ وہ منظر تھا۔
”اسنے کمرے میں ہیں۔“
”تم مجھ کو اپنے کمرے میں لے جاؤ، میں دیکھوں۔“ شہر یا نے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے کہا۔
”ماما کہاں ہیں؟“ ذہین نے باپ اور چاچو کو دیکھا۔

”مما آرام کر رہی ہیں۔ ان کی طبیعت خراب ہے۔ تا۔ آپ چاچے کے ساتھ جاؤ۔“ شہر یا نے اسے پیار سے سمجھایا اور مثال کو زین کی گود میں دے دیا۔
”وہ آؤ کی ٹینڈ میں؟“
”بھائی ہو کیا ہے؟“ زین نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ سمجھ نہ پاتا کہ اس کا آخرا کیا کیا ہوا تھا ان کے درمیان، دور شان کے درمیان تو ہمیشہ جیت ہی نظر آتی تھی، پھر اب کیا ہو گیا تھا۔

”سب غلط ہو گیا اور اب ایسا لگتا ہے کہ سب کے پاس سوال بہت ہوں ہے، میرے پاس شاید دینے کے لیے کوئی جواب، کوئی توجہ نہ ہو۔“ نظریں چراتا وہ حیران چھوڑ کر کمرے کی طرف چلا گیا۔

☆☆☆

دروازے کے پینڈل پر ہاتھ رکھتے ہی اسے پتا چل گیا کہ وہ لاک کڑا ہے۔ اپنے اندر مت پرک کر تادہ اندر دھاوا، سامنے ہی وہ اپنا سامان بیچ کر بیٹھ کر آئی۔ وہ پریشان سانس کی طرف بڑھا۔
”مگر کہاں رہی ہیں؟“ اس کی طرف سے جواب نہ پا کر اس کو کھائی سے پکڑ کر موڑنا چاہا، مگر وہ

اس کا ہاتھ بے دردی سے جھٹکتی غضب ناک انداز میں اس کی جانب مڑی، چہرہ شدت کر رہی ہے سرخ تھا۔
”مجھے ہاتھ مت لگانا۔“ سختی سے اسے وارن کر دیا۔ وہ اسے کوئی اور ہی نینب لگی، جس کے لیے میں کی اور انھوں میں غلطی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ بول نہیں سکا تھا۔ مگر اسے بولنا تھا اسے روکنے کے لیے۔

”نینب تم مجھ سے پوچھو۔ سوال کرو مگر اس طرح سے مت جاؤ۔“ اس نے اٹھائی۔
”سوال..... ہاں میں یہ جتنی رکتی ہوں شہر یا احمد کے تمہارا کر بیان پڑا کرتی ہے سوال کرو۔ پوچھوں تم سے، کیوں دیکھتے ہو، کیوں میری زندگی پر ہادی۔ جب تمہاری زندگی میں کوئی اور لڑکی تھی، مگر مجھے لگتا ہے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ جب میں تمہیں امید سے دیکھتی رہی کرتی مجھ بولو گے۔ تب تم چروں کی طرح نظر میں چراتے رہے۔ اب سب تم ہو گیا ہے۔ مجھے تمہاری کسی صفائی کی ضرورت نہیں ہے۔“ مجھے سمجھ میں ہوئی وہ اسے جھپتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کھنکھناتی ہوئی۔
”تو وہ اس کے لیے آپ سے تم ہو گیا ہو؟“
”میں بھی اس کی جگہ نہ رہی تھی؟“ اپنے اندر اٹھنے والوں کو تادہ بولا۔

”اے تم کو نینب۔ میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں۔“ شائین سے شادی میری مجبوری تھی۔ میں..... پھر سے پچھلے آفسروں کو ہاتھ کی پشت سے مڑاتے، اس نے سختی سے اس کی بات کالی۔
”اس سے جا کر کہو گے مجھ سے شادی تمہاری مجبوری تھی۔ کتنے دو دھتے ہوئے ہوتا تم مگر اور مجھ سے شادی تو یقیناً تمہاری مجبوری رہی ہوگی۔ کچھ ملو نہیں کہو گے تم۔“ اسے بتانا کر لمان نے زبردستی کروا دی۔ یونو پاکستانی تھیں۔ ان کی بیک بیلنگ۔ اصحابا بھارت سے گا۔“ استہزیائیانہ انداز میں بولتی وہ بیک کی زب بند کر رہی تھی۔ جس میں اس نے اپنا اور بچوں کا

ضروری سامان رکھا تھا، ورنہ اس گھر سے اس کا کتنا بھی اٹھانے کا دل نہیں کر رہا تھا۔
”تمہیں نینب، تم سے شادی میں نے اپنی خوشی سے کی تھی۔ پہلے میں انکار کرنا چاہتا تھا۔ مگر جب تمہیں دیکھا تو مجھے لگتا ہے میری زندگی میں صرف تمہاری ہی کی ہے۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو۔ نینب۔ میں نے صرف تم سے محبت کی ہے۔“ مضبوط لہجے میں بولتا وہ اسے اپنی محبت کا یقین دلاتا ہوا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ سختی سے نہال ہو جاتی، مگر اس وقت وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھتا جتنی تھی۔ اس نے خاموشی سے بیک پیچہ دکھ کر پینڈل سے پکڑ کر کھینچا۔
”پینڈل مت جاؤ۔“ شہر یا نے بیک پکڑ کر

دو کا۔
”میں اس چھوڑ دوں گا۔ تمہارے لیے میں اسے چھوڑ سکتا ہوں۔ میرے لیے صرف تم اہم ہو۔“ نینب نے شہر یا کی سے اسے دیکھا۔
”کتنا آسان ہے تمہارے لیے چھوڑ دینا۔ پھر ایسا کرو مجھے چھوڑ دو۔“ اس نے گویا دھماکا کیا تھا۔
شہر یا اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکا تھا۔ اس پر سخت گاہ ڈالنی دو بیک کھنکھناتی ہوئی۔
☆☆☆

”میں جاؤ۔ تمہارے یوں اس میں لینے سے کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔“ آؤ مجھے سمجھنے سے وہ پڑ ہی کرے میں پھر لگتا ہے جارہی تھی۔ چہرے کے حسین نقوش میں تازہ جھلک رہا تھا۔
”مجھے تو یوں اس میں، وہ مجھے..... شائین حیدر کو چھوڑ کر اس لڑکی کے پاس چلا گیا۔ لنگی سے اپنی طرف اشارہ کر لی وہ اپنی دوست سے خامطب تھی۔

”اس کی بیٹی ہے، مجھے بھی ہے۔ ان ہی کی وجہ سے اس کے پیچھے کیا ہوگا اور پھر تمہیں کتنا تنگ کیا تھا۔ اس سے شادی کا فیصلہ بھی تمہارا تھا۔ ابھی بیٹی اشارت نہ کرنے کی مرضی بھی تمہاری تھی۔ کتنا سمجھایا تھا کہ ایک ایسا لڑکی ہی رہے، ورنہ دوست مت

جوڑو اس سے۔“
”مکی کی فون میں بات کر دو، مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ میری شادی کے اتنا خلاف کیوں تھیں۔ آج بھی وہ ایسے رہ سکتے ہیں وہیں۔ جبکہ خود انہوں نے پاکستانی مرد سے شادی کی تھی اور یہاں تک کر ڈیڑھ کی محبت میں مذہب تک چھوڑ دیا۔“ اس کے لہجے میں شکایت تھی جو اسے کسی سے شہر یا کے ساتھ روئے پر تھی۔ شازین اس کی بہترین دوست تھی۔ اس کے ڈیڑھ کے بچپن کے دوست کی بیٹی۔ دونوں اچھی اچھی اور ایک دوسرے سے ہمیشہ سے قریب رہی تھیں۔ اسی لیے دل کی ہر بات کہہ دیا کرتیں۔

”آئی غلط نہیں شائین۔ تم اسے اور اس کے ریلیشن شپ کو بھی تو ٹھیکو۔ وہ اگلے لمحے آؤں میں لڑا کر پینڈل قائم رہے اسے کہاں سے کہاں پہنچاؤ۔ اپنی مراعات کا شائد اس نے خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا۔ وہاں تک بھی ٹھیک ہے۔ پر یہی اہمیت اسے دیتی ہو۔ یہی محبت کرتی ہو۔ سوری، ہٹ وہ نہیں کرتا۔ مجھے تو نہیں لگا کہ اسے بھی تمہاری محبت کی پروا ہے۔ اس کے ساتھ وہ ہم اسپنڈ کر رہا تھا تو کتنی خوشی اس کے چہرے سے اس وقت۔“ شازین کو اس کا چلنا چھڑا دیا۔ واجب وہ اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔
”میری بھی اٹھنے کا نام اسپنڈ کرتے ہیں اور وہ میرے ساتھ خوشی میں ہوتا ہے اور انجانے بھی کرتا ہے۔ شائین حیدر کے ہونے وہ کسی اور کو اہمیت نہیں دے سکتا۔ اسے میرے پاس لوٹ کر آ کر ہی ہوگا اور وہ آئے گا۔“ مضبوط لہجے میں بولتی وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔
”آئی غلطی کا دل آ رہی تھی۔“ شازین نے بات بدلی۔

”میری کوئی تانا بان کہاں ہیں۔ وہ یہی مجھ رہی ہیں کہ ہم لڑا اور مانگ سے ملے ہیں جس مجھے ہیں۔ ڈیڑھ کو معلوم ہے، میں انہیں کال کروں گی۔“ شازین نے سر ہلاتا۔

نہن کا گھر چھوڑ کر تادو شہر پار کا پہلے سے شادی شدہ ہوا، اس کے گھر والوں کے لیے ایک دھکا کھانا اتنے سالوں میں کسی کی شادی نہیں کڑا تھا کہ شہر پار پہلے سے شادی شدہ کی ہوسکتا ہے۔ فردوس بیگم اور شاہ نواز صاحب کے سر پر تو کیا آسمان کی بات پڑا تھا۔ ہاں اب سوچا تھا۔ اپنے گھر میں خوش باش آباد، بھائی بی بی یوں گھر چھوڑ کر آجائے گی۔ یہاں تک یہ بات ابھی نہیں چلی تھی، چونکہ ایک دوسرے میں جتنا تھا تو دوسرا ملک سے باہر تھا۔ اسے گھر چھوڑ کر آنے دوسرا دن تھا جب شاہ نواز صاحب نے زبیدہ بیگم اور شہر پار کو گھر بلایا۔ نہن نے ان کے آنے کا سن کر کھلے سے صاف انکار کر دیا۔ جس پر دونوں میاں، بیوی بچہ نہ بولے۔ بچے نے ان کے جانے کے بعد وہ ان کے گھر سے نکلی۔ فردوس بیگم لاؤنج میں بیٹھ گئی تھیں۔ اسے دیکھ کر اپنے پاس بلایا۔ بچن سے لکھی فارہ بھی خاموشی سے آکر فریج میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

”بات ہوئی ہے، زبیدہ بیگم کو تو خیر ہم کیا کہتے وہ خود اطمینان میں شرمندہ ہیں، ابے جاری ماں جو بچہ نہیں، پر شہر پار کی شرمندہ تھا، بلکہ اس لڑکی کو چھوڑنے پر بھی تیار ہے۔“ ان کے خاموش ہوتے ہی دوہولی گئی۔

”مجھے کوئی سر دکار نہیں، وہ اسے چھوڑے یا رکھے۔ ایک بات طے ہے کہ مجھے اس شخص کے ساتھ نہیں رہنا۔“

”کیوں نہیں رہنا اس کے ساتھ، معافی مانگ تو رہا ہے۔ اس لڑکی کو بھی چھوڑ دے گا۔ مرد ہے، ہوگی ٹھیک۔ آگیا ہے چارہ لاؤچ میں۔ پاس کی بیٹی بیچے پر دیکھی گئی اور اسے فیڈوں کی ضرورت تھی۔ ایسے میں اگر مجبوراً شادی کر لے تو اسے شرمندہ ہی تو ہے۔“ انہوں نے لگا ہیں چراتے تو اسے شرمندہ۔

”تو آپ کیا باتی ہیں اس خود غرض اور لاڈلی انسان کے ساتھ چلی جاؤں۔ جس کو احساس تک نہیں

کہ اس نے کسی کی زندگی برباد کر دی۔ ایسا نہیں کرتی۔ میرے دل میں اب اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔“ نہن نے بے چلک اعجاز پر انہیں تادو آیا۔

”تو انہیں پیدا کر دینے دل میں۔ یہ بیوی اپنے شوہروں کے ساتھ ہی اچھی لگی ہیں اور بچہ یوں گھر نہیں بنا کر لے دل دارنا پڑتا ہے۔ اپنی اتنا کچلنا پڑتا ہے۔ مجھ اور نہیں تو اپنے بچوں کا سوچو۔ باپ سے وہ ان کا اور بھر فارہ کا سوچو، اس کا بھی رشتہ باپ ہے اس گھر سے۔“ فردوس بیگم کی آخری بات پر فارہ بے اختیار بول پڑی۔

”ای پیڑ، مجھے درمیان میں مت جھگھٹیں۔ آپ کو اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے دیں۔“

”میں غلط کر چکی ہوں۔ آپ ابو کو بتا دیں، مجھے شہر پار سے ملائی جائے۔“ انہیں لکھے میں بڑی وہ ان کے سر پر سے چھوڑی اٹھ کر چلی گئی تھی۔ جبکہ دوسرے بچہ کر بیٹھیں۔ اسے سمجھا نہ جاتا تھا۔

☆☆☆

”فارہ تم جیسے نارٹی بات کیوں نہیں کر رہی۔“ فون پر بھی وہ دوسری طرف سوچو فارہ کے بچے میں درد آنے والے بدلاؤ کو محسوس کر رہا تھا۔

”اب کچھ بھی تارن نہیں ہے اور شاید وہ بھی نہیں سکتا۔“ اس نے گہرا سانس لیا۔

”ایسے مت کہو فارہ تم بہا بھی کی وجہ سے اپ سٹ ہو۔ تم بھی ابھی تک شک میں ہیں، مگر یقین کر لو اس معاملے میں کسی اتنے ہی بے خبر ہے۔“ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ ابھی بھی ایک دوسرے سے نفرتیں چارہ رہتے۔ عجیب سی خاموشی نے ان کے گھر کی فضاؤں میں پھیرا کر لیا تھا۔ وہ سب اس رشتے کے انجام کا سوچ کر پریشان تھے اور نہن کا مطالبہ بھی ان تک نہیں پہنچا تھا۔

”میں کیسے ان لوگوں کا جو سال سے وہ شادی کے بیٹھے ہیں اور آپ کو بترک نہیں۔ آپ کی تو بڑی دوستی ہے اپنے بھائی سے۔“ اس نے پیچھے ہوئے

لکھے میں کیا ایک ہاتھ سے وہ اپنے دیکھے ہوئے سر کو مسل رہی تھی۔ گل بوے بھائی آرہے تھے۔ ابونے ان کو بلایا تھا اور سہ ماہی کے آنے کا سوچ کر تری لینش ہو رہی تھی۔

”ہاں دوستی ہے، مگر مجھے اس بات کا واقعی علم نہیں تھا۔“

”ایک منٹ۔ آپ تو اگھڑ بھی گئے تھے۔ اپنے بھائی سے ملنے۔ پھر کیسے آپ پولی کر سکتے ہیں گر آپ یہ پہلے سے نہیں جانتے۔“ فارہ کو بردت یاد آیا، یاد ایک بار نہن نے بتایا تھا کہ کڑن اپنی دیشینو میں امریکہ سے اگھڑ گیا تھا۔ شہر پار سے ملے۔

”میں کیا ہوا ہم دوست اٹھنے گئے تھے میں ان ہی کے ساتھ ہوا تھا اور بھائی سے ہم کو باہر ہی کسی اس بات پر ملتے تھے۔ ساتھ تھا کما تھا۔ سے پھر ان کی شادی تو میرے خواب دخیل میں ابھی نہیں کی نہی میں وہاں ان کی چاسو کی رہے گیا تھا۔“ ذہن نے اس کا شک و درکار کیا مگر ایک فکر سے کی گھٹی اس کے اندر بجا شہر پار ہو گئی تھی۔

”مجھے اس بات پر یقین نہیں ہے۔ آپ ان کے پاس سے ہو کر آگے اور ان کی شادی آپ سے چھپی رہی۔ باق آپ غلط پائی کر رہے ہیں اپنے بھائی کو کورور سے رہے ہیں۔“ اس الزام پر ذہن ایک جھکے سے اٹھ بیٹھا تھا۔

”کیا مطلب ہے اس بات کا۔“

”مطلب یہ کہ ہوسکتا ہے آپ سے بھی کوئی شادی کر دی گئی ہو اور اس کو چھپانے کے لیے آپ اپنے بھائی کے معاملے میں مضمون بن رہے ہیں کہیں وہ آپ کا لازا افکار نہ کریں۔“ بدگالی سے بولنے ہوئے اسے معلوم بھی نہیں تھا دوسری طرف سوچو شخص کو اس کے الفاظ کیسے تکلیف دے رہے تھے۔

”تم مجھے ایسا کہتی ہو۔“ وہ ہنسنے لگا۔

”جی تو میں شہر پار بھائی کو بھی ایسا نہیں کی۔ پروکھا تو انہوں نے دیا نا۔ اب آپ پر کیسے اعتبار کروں۔“ فارہ نے فون بند کر دیا تھا۔ ذہن کو ناہم

میں لیے بے یقین سا بیٹھا تھا۔ یہ اس نے کیا کہو یا تھا کیا اب اسے اس جرم کی سزا ملے گی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

”مجھے اٹھ جانا ہے۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔“ وہ مثال کے کڑے بدل رہی تھی جب حذیفہ کمرے میں آیا۔

”بابا اب میں چلے گئے ہیں۔“

”میرے ابا مجھ سے ملے بغیر نہیں جاسکتے۔“

آپ جھوٹ بول رہی تھی۔ ”نکلے سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے لیے مجھ سے باپ کے لیے یقین تھا۔

”میری بات حذیفہ کا کیا ہے نہیں کہتے۔“ اس کی آنکھوں پر سے نظر ہٹاتے ہوئے ٹوکا اس کی یادیں اس کا چاچا بنی تھی۔

”سوری بابا۔“

”جیسے ابا نے گھر جانا ہے۔ بابا“

داوی اور چاچہ کے پاس۔ آپ بابا سے ناراض ہیں نا۔ میرے بابا بہت اٹھتے ہیں وہ جھوٹ بھی نہیں بولتے۔ کسی کو کھنگ بھی نہیں کرتے۔ آپ ان سے سنا کر کس نا بلیہ کرنا۔ مجھے یہاں نہیں رہنا ہے سب میرے ابا کو کھانا مانا۔“ ان کی بات پر وہ تھی۔

”کسی نے بگھڑا کہا ہے آپ سے۔“ حذیفہ کو ہاتھ سے پکڑ کر قہر کیا۔

”آئی کبھی میں میرے بابا اٹھتے نہیں ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں اور تانیہ اور فرح، مثال کو لڑتے ہیں۔“

”سنگ کرتے ہیں۔ مجھے اچانا بے پاس جانا ہے۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔ پر ابھی تو ابا تو نا اور خالد ناراض ہو جائیں گے نا کہ حذیفہ ان کے پاس رہتا ہی نہیں ہے۔ تو وہ آپ سے پیار کرتے ہیں تادو میں آئی کبھی واٹس ایپ کی ٹیک سے۔“

”آپ آئی کبھی کبھار میرے بابا بہت اٹھتے ہیں۔“ وہ مضمونیت سے بولا۔ ایک بات جیسے اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی۔ نہن نے سر ہلاتے ہوئے

پلٹ گئی۔

☆☆☆

”تم نے تو کہا تھا اعتبار کا رشتہ مضبوط ہو تو کسی تیسرے کی اہمیت نہیں رہتی۔ پھر میں کیا بھجوں کہ ہمارے درمیان اعتبار کا رشتہ کسی قادی نہیں۔“ وہ اس سے ملنے والی پرانی تنگ آگیا تھا کیونکہ وہ دونوں سے فون نہیں بھاری تھی اور وہ اندری اندر سلگ رہا تھا۔

”آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟“ اس کی بیچیدہ گہری لگاؤں خود پر محسوس کرتی وہ نکلیں جھکا جاتا۔ تنبیہ ہوتا ہے اس کی نظر دکھا تھا۔

”مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے۔“

”جب کسی کے اعتبار کی عمارت آپ کے سامنے زمین ہوں ہو جائے تو لفظ اعتبار سے بھی اعتبار اٹھ جایا کرتا ہے اور اب پھر تب ہی ہے کہ آپ مجھے مزید غمت مت کریں۔ ہمارے بڑوں کو یہ فیصلہ کر لینے دیں۔“ مرفاٹھا کراس کی طرف دیکھتی وہ کہہ گئی تھی۔

”میں اتنی آسانی سے اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کیوں اور کیوں کر کے دونوں گاور پھر اس جرم کی سزا مجھے کیوں دے جو میں نے نہیں کیا۔“

”یہ میری زندگی ہے اور مجھے تم سے کہ میں فیصلہ کر سکوں اور کوئی مجھے مجبور نہیں کر سکتا۔“ وہ تپ کر بولی اسے جیسے وہ دیکھ کر کچھ کی سانس لیتا وہ دھیمادار۔

”مجھے نہیں معلوم کہیں میری محبت پر اعتبار کیوں نہیں۔ پر جتنا کہ ہے کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور یہ ہادی بھی ہے کہ میں پہلے کی بات ہے جب ہم پہلی بار ملے تھے۔ شاید نہیں یاد نہ ہو۔ تم کا بچ ٹپ پر آئی تھی اور وہاں کچھ لڑکوں نے تغیر ہی کرتے ہوئے اس کیساتھ مذاق کیا تھا۔ تم نے اپنا سارا گناہ اس کو دے دیا تھا۔“ وہ جیسے کچھ یاد کر کے مسکراتا تھا۔

”چہرے پر آسوری آئی تھی۔“ وہ جوروہی لڑکی تھی اس دن اپنی انجلی کی کراس کے بعد کسی کوئی اچھا نہیں نکلیں بلکہ جتنی تو یہ ہے کہ بس وہی نظر آئی ہمیشہ۔ اس کی اور یہ نظر پڑنے کا تو سوال ہی پیدا

اس کے سامنے پر پیار کیا تھا۔ پھر اسے مثال کے پاس نکلا کر وہ بھی کسے پاس۔

”بھائی آپ نے حنفیہ سے کیا کہا ہے اس کے باپ کے بارے میں؟“

”نہیں کہا ہے کہ مجھ سے۔۔۔ دھوکے باز ہے۔ تم بھی کبھی ہو میں نے کہہ دیا تو کون سا گناہ کر دیا۔“ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولیں۔

”بچوں سے ایسی بات نہیں کرتے۔“ اس نے نظر کیا چاہیں۔

”ان کے سامنے کتنی کچھ تو کیا ہوا۔ اس حقیقت کا انہیں پتا چھٹا ہے۔ ابھی سے جان لیں تو اچھا ہے۔ باپ سے دور دور رہیں گے۔ نہیں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔“ بھائی کو کچھ کہنے کا تھا۔ وہ سکتی ہوئی اکی کے پاس گئی۔ وہ دوپہر کے سامان کی تیاری کر رہی تھیں۔

”اکی یہ بھائی کب جائیں گے کہ اس کی دودھتے ہوئے جسے انہیں آئے ہوئے۔“

”اپنی مرحمت سے وہ وی سے میں کیسے داکیں بھیج دوں اور جب اپنی بیٹی پر درونگیں چتا تو پرانی سے کیا شکایت کرنا۔“ وہ راضی سے بولیں۔

”اکی آپ کتنا راضی رہیں گی اور پھر وہ عورتیں ہی تو زندگی کی گاڑی چلا رہی ہیں جن کے شوہر نہیں رہتے۔“ فردوس تیکر چ کر اس کی طرف مڑیں۔

”زندہ کارواری تو کیا باقی سب یقین کر لیں گے۔ یہ دھوکا تم خود کو دے سکتی ہو، دوسروں کو نہیں۔“

”دھوکا اتنی سی میں اس دھوکے کے ساتھ ہی خوش ہوں۔“ کاؤنٹر کی سلیب پر اٹکی پھیرتی وہ نظریں چراہر تھی۔

”ایک بات یاد رکھنا نہ ب۔ یہ خود ساختہ بیگی جرم اور تھے چلی ہو، پچھتاؤ کی ایک دن کیلئے دقت کی وصول پچھتاؤ تو بڑھ چالی ہے پر وہاں نہیں کرتی۔“

”سچیجی سے نہیں وہ گاہ بھیریں۔ نسب نامہ خاوی سے

نہیں ہوتا۔ ہمارے عطاوہ میری زندگی میں کوئی اور نہیں آ سکتا۔“ محبت سے اسے دیکھا آج وہ اپنا دل اس کے سامنے کھول گیا تھا۔ یوں تو اس نے بھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ فون پر بھی قادر اس قدر ریزہ ریزہ بات کر چکی تھی کہ معلوم کیا جاتا کہ عطاوہ کوئی ایسی بات ان کے درمیان نہ ہوئی تھی۔

”آپ اگر یہ سمجھ رہے ہیں کہ یوں چاہی جانی داؤ چاؤ اڑا کر کتنے شے میں اتار لیں گے تو آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں جو باتوں کے جال میں پکس جائے۔“

”فادہ تم میری تو تین کر رہی ہو۔“ اشتعال کی تیز لہر اس کے اندر اٹھی تھی جس کو اس نے بھٹک دیا۔ چہرے سے ہندہ جھلک رہا تھا۔ وہ ایک سیکنڈ بھی یہاں نہ کرنا کہ اس کے سامنے کھڑی لڑکی سے اسے شدید محبت نہ ہوتی۔

”آپ جلیز یہاں سے چلے جائیں۔ میرا قماش تباہ نہیں۔“ وہ اس وقت ڈیپارٹمنٹ کے لائن میں کھڑے تھے اور آس پاس موجود اسٹوڈنٹس انہیں کالی دہرے دیکھ رہے تھے۔

”میں بات مکمل کے بغیر یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں کوئی سڑک چھاپ کر لٹ لڑا نہیں ہوں۔ رش سے ہمارے چھارے آتی آسانی سے نہیں ہوتے۔“ روکے میں بولے، اس کا نکس تیز ہوا۔ مگر سامنے کی فادہ کی جس پر آج اس کے لہجے کا بھی انہیں ہور تھا۔

”اگر آپ اس مٹکی پر اتر رہے ہیں تو اس کمرہ رشے کو میں آج سچ کرتی ہوں۔“ بات سب سے لے کر تھوڑے ہی عرصے میں آگئی اور آج کے بعد میرے راستے میں مت آئے گا۔“ اس نے ان کی لینے کے لیے ہاتھ میں بڑھایا تھا۔ وہ تو بس نے دیکھیں سا فادہ کا پر تڑا دھوپ دیکھے جارہا تھا جس حد تک میں جاسکتی تھی ان کی ترمیم تھا پر کسی دہرے تیز قدم اٹھائی جاتی تھی۔ وہ اسے روک نہیں پایا تھا۔ بیچ پر ان کی

اٹھا تو وہ لپٹ بھٹک گیا۔ اسے بھی تو وہ یوں ہی ناقدی سے چھوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

”کیا اب کچھ بھی نہیں ہوگا؟“ کار پٹ پر ان کی فون کے بیچیدہ قریبی صوفے پر بیٹھی زبیرہ تیکم کی گود میں سر رکھے ہوئے تھا۔ جیسے کوئی چھوٹا سا بچہ اس کی گود میں نہ بچا ہے۔ کون کھانا کرتا ہے۔ زبیرہ تیکم نے گھر سا لیا۔ اس کے بالوں کو سہلائی ان کی انگلیاں بھی مگر گھر کی گھاس۔ یہ وہ سوال تھا جس کا جواب وہ خود تلاش نہ کر پاتی تھیں۔

”دل تو کہی چاہتا ہے کہ سب پہلے جیسا ہو جائے مگر جب اس کی کا سوچتی ہوں تو زبان پر تالا لگ جاتا ہے۔ خود میں اتنی ہمت نہیں پاتا کہ اس کا سامنا کر سکوں۔ میں تو اسے منہ دکھانے کے لائق ہی نہیں رہی کہ میرے بیٹے نے اس کا اس قدر دل دکھایا ہے۔ جس شخص پر صرف اپنا حق سمجھی تھی اب اس میں کوئی اور میری جیسے وار ہے۔ یہ سہنا آسان نہیں ہے۔“

”اماں اگر بھائی داکیں نہ آئیں تو حنفیہ اور مشال کا کیا ہوگا۔“ ان کی گود سے رگھتا دھیرہ صا ہو بیٹھا۔ زبیرہ تیکر خاموش ہی رہی۔ کیا باتیں کر رہی تھیں تو دقت اند و معصوم بچوں کی طرف ہی لگا رہتا تھا۔ آخر ان کا مستقبل ہاں میں اپ شردہ تھا۔ دونوں خاموش سے اپنی موجودگی میں ہی غرق تھے۔ تھکا تھکا شامہ یار اندر آگیا سلام کرتا وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ گاڑی کی چابی سٹینر پر رکھ دی۔

”کیاں گئے تھے؟“ زبیرہ تیکم نے پوچھا۔

”شالین سے ملے۔“ مشہر یار نے اپنی نکلیاں سہلائے، دوسرے جواب دیا۔ زمین نے اب بھی سے بھٹکے۔

”سہمیا ہے اسے کہ وہ ہے کار میں اپنا دقت مضاعف کر رہی ہے مگر وہ منہ ہے کہ کچھ ساتھ لے کر جائے گی۔ وہ دھوکہ دے کہ کچھ پریشانی جو سے

میں زنبب کو نہیں چھوڑا اور اسے چھوڑ دینا چاہتا ہوں مگر لاکھ میں صاف لفظوں میں اسے بتا چکا ہوں۔ اور چونکہ چھوڑنے کے سارے اعتبارات اس کے پاس ہیں اس لیے میں خود سے یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکتا اور اب یہاں سے جانا بھی نہیں چاہتا۔“

”عجب لڑکی ہے جب تم اسے رکھنا نہیں چاہتے تو کیوں تمہارے ساتھ بندھے رہنا چاہتی ہے۔“ ان کے لیے میں تو کوارٹی تھی۔

”موصوف صرف اس لڑکی کا نہیں ہے۔ ماں۔ آپ

کے لیے کا بھی ہے جس نے خود غرضی میں یہ رشتہ جوڑا تھا۔ وہ اگر مجھ کے ہاتھوں مجبور ہو کر کسی اور آدمی کی مجبور کر دی کسی۔ تب بھی زبردستی کا یہ رشتہ باقی نہیں چاہیے تھا اور باقی لیا تھا تو بھلا ہے۔ بھائی کی زندگی میں خراب کر دی۔“ زمین تیرے لیے میں بولا تھا۔

”تم پرانی لڑکی کے لیے بھائی کا یہ کبر ہے ہو۔“ شہریار کے سرخ بازے چہرے کو دیکھ کر مزیدہ بیٹم نے زمین کو ٹوکا۔ زمین جھڑک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیوں ماں وہ پرانی لڑکی ہے کیونکہ آپ اسے جانتی نہیں ہیں، مگر اس لڑکی کے پاس میں دل ہوگا اس کے بھی جذبات ہوں گے اور وہ سب اسے کیسا لگا ہوگا یہ جان کر کہ شہریار بھائی نے دوسری شادی کر دی ہے۔“ مجبورہ شہریار کی طرف مڑا۔

”آپ نے صرف ان دونوں لڑکیوں کی زندگی ہی بر باد نہیں بلکہ میری زندگی بھی کی ہے جو کہ کر لیتے ہیں اس کی۔“ شہریار نے ہنسی سے کہنا کہ آج تمہارا بھائی اعتبار کے لائق نہیں تو تم سے کیا امید کی جاسکتی ہے۔“

استاد استاد میں کہتے ہیں اس نے جب سے ان کی نکاح کر رکھا ہے۔ وہ مزیدہ بیٹم نے گھر اس کی لیا تھا۔ تو یہ وجہ میں ان کے بیٹے کی اداسی کی۔ شہریار بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب آ بیٹری سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”تم پریشان مت ہو۔ تم تمہارا رشتہ نہیں ٹوٹے دیں گے۔“

”ہے وہ مجھے یہ بھلا دیا نہیں چاہیے۔ آپ کی طرف سے یہ قطعی بہت ہے۔“ بلڈیڑی سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے چلا گیا۔ شہریار شرمندہ سا مزیدہ بیٹم کے قدموں میں چپٹے چپٹے چوروں سے جا رہی تھی۔

”اماں! ابھی مجھے معاف نہیں کر سکی۔“ اس کے لیے میں جس طرح اور شرمندگی تھی۔ وہ ہے اسے اس حوصاف کرنی تو وہ نہیں۔

”اماں تو بڑی سے بڑی خلاصہ صاف کر دیتی ہیں اور پھر دم تو میرے وہ ہے جو میں نے میری ہر تکلیف کو بھانپا ہے۔ پھر کیوں نہیں معاف کر دیں تمہیں، مگر میں دم دونوں تمہاریں کو لڑے اور دور ہوتے نہیں، کیونکہ۔“

”تسو مجھے اس کے رخسار پر بہہ نکلے تھے۔ شہریار نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

”مجھ وہ ان کی شہریار بھانپا آ یا تھا اور آج تک سب سب میں گیا تھا۔ اس احساس جرم سے وہ بھی نکل بھی پائے گا یا نہیں؟“ وہ انہیں جانتا تھا۔

☆☆☆

زندگی کے معنی جیسے اس کے لیے تہل ہونگے تھے۔ وہ جو رہے یہ خوشیاں حاصل کرنے کے موافقے تلاش کیا کر رہی تھی۔ اب ایسے جود کا شمار ہو گیا تھی جس کے آگے کو کیا تلاش ممکن نہیں رہی تھی۔ بے سکونی اور اداسی کی لپیٹ میں تو وہ ہی رہا اب تو دل بھی پوچھل محسوس ہوا رہا تھا۔ اسی اداسی سے نامناسب وی واقعی میں جگہ اب اس معاملے میں بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ نہ رات نہ دنے نئے اختلاف کرتے تھے اور دونوں بھائیوں کو اس کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بڑے بھیاں وہیں چلے گئے تھے پر جاتے وقت اسے یقین دہانی کر دیا کہ مجھے تھے کہ اگلی بار اس کا مسئلہ حل کر دیے جائیں گے۔ فارہ کے ہاتھوں ہونے والے تھے وہ صرف ہی رہتی تھی۔ وقت ملتا تو بچوں اور اس کو پہلنے میں ملتی رہتی۔

وہ حذیفہ کی طرف سے بے حد پریشان تھی۔ وہ

دن بدن چڑچڑاہوتا تھا۔ باپ کے کھر جانے کی حذر بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے سوساں سے شہریار کو ملا لیا تھا۔ وہ کمرے میں آئی تو اس باپ سے باج میں کتا دیکھ کر ایک اشتعال کی لہر اس کے اندر ابھری تھی اور بے اختیار اس نے حذیفہ کے ہاتھ سے سوساں کی جھپٹ لیا تھا، مگر سوسے بے اختیاری اسے بہت بہت بھگی بڑی تھی۔ حذیفہ کی طرف سے اتنا شدید رد عمل آ یا تھا کہ وہ کانکا بڑی ہو گئی۔ دودھ کراس نے ہوا کمر کمر پر اٹھایا تھا اور یہ بیکڑی الگ کر رہا تھا۔ شہریار بھائی کی ہوتی تھی۔ پھر زنبب نے اسے شہریار کے گوشے کی ہودہ اس قدر تار تار فحش کردارت کو بھی اس کے پاس نہیں آ یا، اداسی کے پاس ہی سوساں تھا۔ ابھی وہ اسی کے کمرے میں حذیفہ کو دیکھ کر آئی تھی۔ جس نے حذیفہ سے چہرے پر آنسوؤں کے نئے نئے نشانات تھے۔ وہ اداسی میں باہر ان میں نکل آئی۔ چہل قدمی کرتے اسے دس منٹ کی گزری تھی تھے کہ کھلی بھائی کی کال آ گئی۔

”اپنی زندگی کا فیصلہ جلد بازی میں مت کرو زنبب۔ جس رشتے کو تم نے اپنے یقین پانچ سال دیے ہیں، وہ اس وقت تک نہیں ہے کہ اگر پانچ مہینے اس کے لیے سوچ۔“

”جنتا میں سوچ لوں جواب ایک ہی ملتا ہے۔ مجھے کچھ سے شہریار کے لیے میرا دل بند ہو گیا ہے۔ جو شخص بھی دوستی میں کمری کی آنکھوں میں چمکنا تھا۔ آج اس کی اس کو دیکھنا نہیں چاہتی۔“

اس نے بہت سے آنسوؤں کا وہ اپنے اندر تار۔

”آپ بتائیں بھائی اگر چھوٹے بھیا آپ کے ساتھ یہ سب کرتے تو آپ کا فیصلہ کیا ہوتا؟“

”یہ سوال بہت مشکل ہے۔ کسی اور کی جگہ خود کو رکھ کر سوچنا آسان نہیں ہوتا۔ پھر میں میں بھی کہوں گی کہ سوال جنتا میں بھی مشکل ہو، اگر اس کے بارے میں مجھے کچھ فیصلے کے اثرات آئی کی زندگی پر بہت گہرے ہوں تو اس کا جواب دھڑبھڑا ضرور چاہیے اور ایک بات کا خیال رکھنا۔ فیصلہ تو جس میں ہی کرتا ہے، مگر

اس کی لپیٹ میں تمہارے بھی بچے آئیں گے۔“

بھائی نے تجویز سے کہا تھا۔ ان سے بات کر کے وہ اندر آ گئی۔ بسہ بھائی کے کمرے سے آواز میں آ رہی تھی۔ وہ بی بی اپنا زور اور رسی کپڑے لینے آئی تھی۔ اس نے اپنے ساتھ شادی کی۔ وہ آ کے بڑھ جانا چاہتی تھی، مگر اپنا نام نہ کر ٹھک گیا۔ لا شعوری طور پر وہ کمرے کے قریب ہوئی۔

”جس فیصلے پر آؤ جانے کے چھوڑتی ہے۔“

اب نہیں جانے والی وہاں اسے طلاق لے کر رہے ہیں تو کتنی ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ شہریار شہریار کے لیے ہاں کر دی۔ دیکھ لو اب کچھ کھلائی ہے اس نے۔“ بھائی کے کمرے کے کھانے کاٹ اسے اندر تک اپنی محسوس ہوئی۔

”میں تو کتنی ہوں میں اس بار آؤ تمہارے رشتے کی بات ایک بار کھر چلائی ہوں زنبب کے ساتھ۔ تمہارا دل طلاق ہو گیا ہے اور ای لڑکی اس دیکھو دیکھو کر خوار ہو رہی ہیں اور ادائیاں کو سنبھالنا الگ مشکل ہو گیا ہے۔“ وہ جو جانے کے لیے مڑی تھی۔ بھائی کی بات سے گویا قدموں کو پکڑ لیا۔ بے یقین ہی وہ دروازے کی آڑ سے ٹوٹ پات کر لی بسہ بھائی کو دیکھنے کی جوروں کی طرف کی بات سن کر سر ہلائی پھر سے شروع ہو گئی۔

”اس کی تم فکر نہ کرو، اس بار وہ انکار نہیں کرے گی۔ یہ بھائی جو اس وقت اس کے ساتھ کھڑے ہیں۔ طلاق کے بعد سبکی زور دیں گے اور دوسری شادی کر لوں اور پھر میں ہوں تا اس بار کوئی راستہ نہیں چھوڑ دیں گی انکار اور بار ہواں اس کے بچوں کا تو شہریار کو وہ دے گی نہیں۔ تو چلو تمہارے دانیال کے ساتھ مل جی جائیں گے اور پھر خون کب جدا ہوا ہے۔ تمہوڑے بڑے سے ہوں گے خود ہی باپ کے پاس چلے جائیں گے۔“ وہ شادی بیکہ لڑکی کی رہی تھیں اب زنبب میں ہی حذیفہ کی سکت نہیں تھی۔

☆☆☆

”تھمارا خون کافی دیر سے داہر میں گر رہا ہے۔“ چائے کا کپ فارہ سے لیتے اس نے بتایا۔ ساتھ ایک نظر شمال پر ڈالی جو ابھی سوئی گی۔ فارہ نے ٹھیک پر رکھا سواہل اٹھایا۔ اس کین پر جھکتے زمین کے نام کو دیکھ کر اس نے لب کاٹے۔ ساتھ ہی اس کا آخری تھک بڑھا جو چند منٹ پہلے ہی آٹھا۔

”آج میں تم سے بات کے بغیر نہیں چاؤں گا۔“ اس وقت تک گھر کے باہر موجود رہوں گا جب تک تم میرا خون نہیں اٹھاؤ گی۔“

”انادقت ضائع مت کریں۔ ہماری بات ختم ہو چکی ہے۔“ ابو نے دالے میں ہیر کی سکی کا باعث مت نہیں۔“ اس نے بیچ لگھا۔

”تو پھر آج میں ان سے بات کر کے ہی جاؤں گا یا پھر کمر کروں؟“ فارہ نے ذات ہے۔ مجب سرجہاء دیوانہ لگا تھا جو اس کے انکار کے باوجود اس کے گرجوئے کے در قہا۔ اس کو جواب دینے کے بجائے سواہل آف گرتی وہ اندھ کی۔ اسی اندھ حلیہ کے ساتھ لے کر بسہر ہما بھی کے بیٹے کی شادی کی تقریب میں گئے ہوئے تھے اور ان کے آنے میں ابھی ایک دو گھنٹے باقی تھے۔ نوب کو اپنے جاننے کا پتا کر دہا کی کتابیں سمیٹتی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

فارہ کے کمرے سے نکلے یہ وہ وقت گھنٹہ چائے پتی کڑی کے قریب آگئی۔ مٹی کڑی کے غصہ کی ہوا کے جھوٹے آ رہے تھے۔ باہر برقی کیو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چوٹ بڑھنے لگی۔ سچ کہتے ہیں کہ موسم انسان کے مزاج کے رنگوں سے شرط ہوتا ہے۔ یہ موسم جو ابھی اس کی شریٹوں کو بڑھا دیا کرتا تھا اور وہ قلابا بھی ہر باتیں ہی سمجھنے کے لیے دوڑ پڑتی تھی۔ آج بھی موسم اسے اپنے دکھ میں برابر کا شریک لگا تھا۔ بہت سے مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے گزرتے ہوئے تھے۔ بسہر ہما بھی کی باتیں بھی بھر سے کانوں میں گونجنیں لگی تھیں۔ ساری تکلف وہ سوچنے سے داسن بھڑائی وہ رات کی تاریکی میں برقی ہواؤں کو دیکھنے لگی۔ باہر دھیمی دھمکی کی کی موجودگی کا احساس ہوا

تھا۔ آنکھوں میں آئے آنسو دوپٹے سے صاف کیے اور دوسرے سے پیچے رکھا۔ وہ اس وقت گھر کی بالائی منزل پر موجود تھی گھر کے کٹ سے ٹھوڑی دور کوڑی سے ٹھک لگائے، جانے، وہ کوں دیوانہ تھا جو اپنا منہ لٹا کرے کوں کیوں اکیلا کرا، میں بیگم ہا تھا۔ ضروری سے اسے دھمکی دے گا کہ اس سے ہٹ ہی جانی اگر وہ اصرار کر اوپر نہ دیکھ لیتا۔ منہ پر آنے والے بارش کے قطرہوں کی پروانہ کرتے ہوئے ان کے گھر کی طرف دو لگتا وہ کچھ جھپٹا جانا سا لگا اور پھر لمبے کے پردوں میں سے وہ اسے بچان کی گئی۔ باہر کچل کر کے کی دروازہ ڈال دانا لے کو چرتے ہوئے پہلی تھی۔

دروازہ کچل کر طرف بھاگی گئی۔

”کچا“ قادی ہے زمین۔ اپنی حالت دیکھو۔ میں تو قہا۔ بارش میں بیگم رہے تھے۔“ اسے گھر کے اندر چلے گئے وہ امن پر برقی پڑی۔

”کچا“ قادی ہے زمین۔ اپنی حالت دیکھو۔ میں تو قہا۔ بارش میں بیگم رہے تھے۔“ اسے گھر کے اندر چلے گئے وہ امن پر برقی پڑی۔

”اب بیٹھو۔“ اسے ابھی تک کڑا دیکھ کر نوب نے اشارہ دیا۔

”زیرے دیکھ۔“ آدھی سے کہتا وہ نظریں جھٹکے کڑا بارش نوب کے ڈنچے پر بیٹھ گیا۔

”کچا کو بھگتیں۔“ اسے ہی خاموشی کوڑا باز۔

”آج میں تم کو نظریں لانے کے بھی قابل نہیں ہوں۔“ زخمی کراہٹ نوب کے چہرے پر چمکی گئی۔

”فرشتہ مجرم ہوا کرتے ہیں اور تم سب گھری میں نہیں آتے۔“ کہیں نظریں ہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

”کچا ہوا کوئی بات ہوئی ہے فارہ اور تمہارے درمیان۔“ وہ قادی

”فارہ نے کچلی توڑ دی ہے۔“ استہار نہیں کرتی

مجھ پر۔ اسے لگتا ہے کہ میں بھی اسے بھائی کی طرح اسے دھوکا دوں گا۔“ اسے دھوکا لگا تھا۔ یہ سن کر فارہ نے تو اس کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ ”آپ کو بھی لگتا ہے کہ میں بھی اسے دھوکا دوں گا۔“ کچھ قہاس کے انداز میں، اس کی آنی ہوئی کڑی آنکھوں میں۔

”ٹائیڈ ایلا احساس جو اس کے لیے ابھی نہیں تھا۔“ میرا خیال ہے جس سے بات کرنے آئے ہو پہلے اس سے بات کرلو۔“ گھر اس اس کی دھمکی۔

”ایک بات آپ کی کچھ میں کیوں نہیں آتی۔“ جب میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی تو کیوں بار بار دوسرے کرتے ہیں۔“ چھریکنا بعد وہ اس کے سامنے موجود تھی۔ تمام تر سنجیدگی چہرے پر بیکھلے سے بے لگ انداز میں اسے دھمکی ہوئی۔ زمین کی حالت کے ”دوسرے تو میں بھی ہوں۔“ انکیت تھماری وجہ سے ہوں۔“ زمین اس کے مقابلہ کا اہوا۔

”میں آپ کی کوئی بات نہیں کر سکتی۔“ ضروری ہی دے سکتے ہوں۔“ بھول جائیں کہ میں کوئی تعلق ہمارے درمیان تھا۔

”دل سے جڑے تعلق آسانی سے بھلائے نہیں جاتے۔ نہ یہ دل کوئی ایسی زنجیر زمین سے جس کی مٹی میں کوئی بھی پیدا آسانی سے کسی کی جگہ لے لے۔ یہ زمین اکاد کال ہے یہاں کے مٹین دوز روڑ جگہ کھینچے ہوئے۔“ معصوم لکھنے میں پڑتا وہ سامنے کڑی سنگدل لڑکی کو دیکھے گا جس کی جذبات میں شایا اور زمین کرتے تھے۔ دونوں بازو سینے پر پھینچے وہ بولی۔

”میں نے آپ سے ایسا کوئی تعلق نہیں جوڑا۔“ اس لیے مجھے الزام مت دیں اور اگر آپ اپنی جنت کا واسطہ دینے آئے ہیں تو مجھ میں کجبت بیگم میں نہیں لا گرتی۔“ آج سارے لحاظ بالائے طاق کے دوسرے اس کی آنکھوں میں آدھیں ڈالے کڑی تھی۔ تو جین کے احساس سے زمین کا چہرہ سرخ ہوا

تھا۔ بولا تو لہجہ میں تھم تھا۔

”میں یہاں کچھ مانگتا تھا۔“ میں نے کہا تھا۔ پر بان تھا اپنی عیت پر کراس کا حصارا تھامبیو فلا ضرور ہوگا کہ تم سڑ کر دھمکی کو اعتبار پھر سے اپنی جگہ بنائے گا مگر میں غلط تھا۔ تم نہیں تو اپنے فیصلے پر لال کھ گئیں۔“ وہ چلت گیا تھا پر کئی دیر فارہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی تھی۔

☆☆☆

”فارہ نے کچلی توڑ کر اچھا نہیں کیا۔“ دھمی نوب آپ کی مسئلہ نہیں ہوا اور اس نے یہ اسٹیپ اٹھالیا۔“ زمین کی ساری باتیں سن کر غماز سے تھمہ کیا۔ وہ دونوں اس وقت کا بیٹے آئے ہوئے تھے۔

”ابھو پھر جو کہ گھر میں کسی کو گھر بھی نہیں ہے اور ایک طرح سے اچھا ہے نوب آپ کی جگہ سے وہ لوگ پہلے ہی سخت پریشان ہیں۔“ کی خود چھو چھو سے شرمندہ تھی۔“ خریہ شہ کرانے میں وہ جتن چلتی تھیں اور جگہ تو ہے کہ شہر یا بھائی کے بارے میں ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچ سکتا تھا۔“ کانی کا سب لیتے ہوئے غماز نے سامنے بیٹھے زمین کو دیکھا جو خاموش بیٹھا کانی سے بھرے کپ کو کھوسے جا رہا تھا۔

”اب کچھ بول بھی دے۔ کب سے میں بولے جا رہا ہوں۔“ غماز نے اسے اسکاٹا لپا۔

”کیا کیوں بات تو چکا ہوں سب اور یہ بھی ہم کچھ بولنے کی پوزیشن میں رہے ہیں۔“ اب تو بس کئی ہی دیر کی۔“ گھر اس اس لینے وہ نظریں چرا گیا تھا۔

”آمن کار۔ تمہارا تو اس معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے اور پھر بہتری کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئی۔“ غماز نے تلی دینے کی کوشش کی۔ ایک رخ سکرانہ زمین کے لوہوں پر چمکی گئی۔ اسی وقت زمین کو کھار ہوا کیوں ان کی ٹھیل پر آیا تھا۔

”عدیل بھائی۔“ زمین ان کو بچان کراھا۔ وہ شہر یا کاسب سے خرمی دور تھ۔ دونوں ایک ہی

فرم میں چاب کرتے تھے۔ اگھینڈ میں بھی اس زین کی ملاقات ہوئی تھی اور ایک دوبار پاکستان میں بھی۔

”آپ کب آئے؟“ انہیں بیٹنے کا اشارہ کرتے زین نے پوچھا۔
”بھئی بی آ یا ہوں۔ اب بھی شہر بار سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔ خون پر تو کافی شیش لگ رہا تھا۔ معاملات کچھ حل ہوئے۔“ عدیل نے سنجیدگی سے پوچھا۔ یقیناً وہ بہت کچھ جانتا تھا۔

”جس قدر وہ حالات کا پڑ چکے ہیں۔ مشکل ہی ہے اب کچھ سدھر جائے۔“ زین کے لیے کئی کئی عدیل کو اچھی طرح محسوس ہوئی۔ ”آپ تو سب جانتے تھے۔ مجھے تاہم تکتے تھے بلکہ اپنے دوست کو روک بھی سکتے تھے۔ پھر کیوں نہیں روکا آپ نے انہیں دور دروز کیا؟ یاد رکھئے۔“ عمار خاموش سامع کی طرح زین کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ زین کی سنجیدگی سے لکھی بات پر عدیل کلاسک مسکرایا۔
”بھئی تمہا وہ اپنے بھائی سے، مگر ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا زین کہ کہانی کے ہمیشہ دروغ ہوتے ہیں۔ ایک جو التزام دے گا نہ والا سنا ہے اور دوسرا وہ جو ظلم سنا ہے۔ میں یہیں کہوں گا کہ شہر بار نے جو ایک ٹھیک کیا ہاں پر ضرور کروں گا کہ اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر دوسرے کو مورد الزام ٹھہرا دیا بہت آسان ہوتا۔ اگر اس کی جگہ پر آ کر دیکھو تو جانو اس کے سوز و زیاں کا حساب۔“ مگر اس واقعہ وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا پھر اپنے مخصوص انداز میں ہلکا سا مسکرا کر بولنا شروع کیا۔

”اور یہ جو ہم پر دیکھ ہوتے ہیں نا۔ جو اپنے گھر والوں کی خاطر چپا کمانے سات سمندر پار جاتے ہیں۔ یہ وہاں کیسے رہتے ہیں۔ کیسے پانی پانی جوڑ کر گزارا کرتے ہیں۔ کیا کئی نگلیں بنتے ہیں۔ یہ سب ان کے گھر والے بھی نہیں جان پاتے۔ ایسے میں اگر نہیں اپنا آپ بھی پہنچا پڑے تو یہی گزر کریں۔ میں شہر بار کے اچھے برے وقت کا ساتھ دوں گا۔“

اکٹھے ہم نے چہیں چہیں گھنٹوں کی ڈوبیاں دیں، بیماری میں ایک دوسرے کا سارا بوجھ اٹھایا۔ اٹھتے چلتے، اٹھتے روئے۔ جب ہم یہاں سے گئے تھاماری تعلیم انہیں نہیں تھی کہ اچھی نوکری کر سکتے۔ شروع کے سالوں میں بہت مشکل وقت دیکھا شہر بار کو پڑھنے کا شروع ہی تھا اور کچھ مالی حالات کو بھی بہتر بنانا چاہتا تھا۔ بس اسی تک وہ دو میں اس نے مجھے بھی شامل کر لیا۔ اٹھتے گھنٹوں کی ڈوبیوں کے ساتھ پڑھنا خاصا مشکل تھا، مگر ہم نے کیا۔ تب ہی ہمیں بہتر نوکریاں ملنا شروع ہوئیں۔ پھر حیدر صاحب کی فرم میں آج بھی جا رہی تھی۔ سب سہیل تھا، ہم مگر والوں کو اچھی طرح سے پھوٹ کر نہ گئے تھے۔

پھر شائین حیدر آگئی۔ حیدر صاحب کی اکلوتی بیٹی جس کو شہر بار پھر سے تک سہرا دنا کر رہا تھا۔ چتا نہیں کیسے وہ شہر بار کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ شاید اس کی شاندار پریشانی کی وجہ سے۔ شہر بار نے اسے پور پورل کو تو راضی کر دیا تھا اور شائین کے لیے یہ چھوٹی بات نہیں تھی۔ وہ سونے کا ٹوالہ لے کر پیدا ہونے والوں میں سے کی جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دین وہ حاصل کر کے ہی رہتے ہیں۔ شائین عجیب جنسی سی لڑکی ہے۔ پگھلاں وہ سب سے اور کچھ شہر بار کی پواؤس کی وجہ سے حیدر صاحب کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ انہوں نے شہر بار کو خاصا پیار کر لیا تھا۔ وہ تب بھی نہ ماما اگر اس سے ریزہ ریزہ (خستہ) نہ لگ لگایا جاتا۔ حیدر صاحب نے آخری عمر میں دیا کہ یاد وہ چاب پھوڑ کر چلائے جائے یا پھر شہر بار سے شادی کر لے۔ اور وہ شاید چاب پھوڑ دیتا اگر اس وقت اسے اپنے بھائی کی سسر کی بیس نہ دینی ہوتی۔“ عدیل نے سنجیدگی سے سامنے بیٹھے زین کو دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلے تھے۔

”جہاں پہلے لوگ کے بھائی کی بیس پہلی مرتبہ لبت ہوئی تھی کیونکہ وہ اس شے میں تھا کہ اس سے کم پیسوں والی چاب کر لے جو اسے اس وقت مل سکتی

یا پھر حیدر صاحب کی آخر میں ملنے والی مراعات کا فائدہ اٹھائے اور فیصلہ ہو گیا تھا۔ وہ کچھ میل گیا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ کیا سنی کوتاہ ہے۔ وہ نہیں مانا۔ مرد پر اگر کوئی فیصلہ زبردستی مسلط کر دیا جائے تو اس کے لیے قول کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ میں یہیں کہوں گا کہ شائین اچھی لڑکی نہیں ہے۔ پر میرے خیال میں وہ دیکھی ہوئی نہیں ہیں کسی کئی شے ہم لمبل کلاس مردوں کو چاہے ہوتی ہے۔ تب ہی تو شہر بار کو اس سے محبت نہیں ہوئی جب کہ فتنہ کا گھر کے ساتھ شادی کے بعد وہ اتنا خوش رہنے لگا تھا کہ میں حیران ہوتا تھا اسے۔ سب سہیل تھا، ہم مگر والوں کو ایک دم کھڑا ہو گیا۔

”یہ ہم پر دسیوں کی کہانیاں بھی بڑی پس ہوتی ہیں۔ خاصا وقت لے لیا تم دونوں کا۔“
”آپ نہیں سمجھ سکتے ہیں آپ کو۔“ عمار کو یک دم خیال آیا۔ وہ مسکرایا پھر زین پر نظر ڈالی جو غیر مرئی نکلے پر نظر کر رہا ہے۔ وہ تھکا۔ شاید سے چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ اس کی اندرونی کیفیت یقیناً توڑ پھوڑ کا شکار تھی۔

”رہنے دو دکھانے کا وقت تو گزر گیا۔ وہ بھی دسیوں کو قانون کی عادت ہوئی ہے۔ خالی پیٹ ہمیں کب تک نہیں کرتا۔“ لیے لیے ڈگ بھڑا وہ چلا گیا تھا۔

☆☆☆

اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔ اٹھ کر بیٹھے ہوئے نظر اس کے مضطرب چہرے پر پڑا تو وہ ریشہ ریشہ ہوا تھا۔
”کیا ہوا زین؟“ شکر ساس کی جانب دیکھتا وہ اس کے احساس جرم کو بڑھا گیا۔ اس سے پہلے کہ شہر بار اپنی جگہ سے اٹھتا۔ زین سر جھکاے، گھنٹوں کے عمل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”سب غلط ہو گیا بھائی۔ وہ سب جو میں نے آپ سے کہا۔ مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ لپا کے بعد آپ کی شفقت کے سامنے کو میں نے ہمیشہ محسوس

کیا۔ آپ کے وجود میں تو ہمال تھے مجھے۔ پیار کرنے والے، جھوٹے سینے والے۔ میری ہر تکلیف پر تڑپ اٹھنے والے۔“ شہر بار نے اسے ٹوکنے کے لیے منہ کھولا، مگر زین نے اس میں سر ہلاتے ہوئے اسے روکا۔ آنکھوں میں درد کی جھلکی بن کر اڑی گئی۔
”آج مجھے بولنے دیں کیونکہ آپ نے تو بڑے بھائی ہونے کے سارے فرائض نبھائے، مگر جب میری باری آئی تو میں خود غرض ہو گیا یا کھل اس کے سر سے اور حیثیت کو بھی بھول جاتا ہے۔ بھول جاتا ہے کہ کیسے باپ نے اسے قدم قدم چلنا سکھایا تھا۔ اپنے برابر مل کر اکر نہ کے لیے کسی کسی انگلیں کسی کھس۔ حالانکہ مجھے تو پھلاں سے پھلاں ہوتا جا رہا جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا بیٹھے سے کوئی کچھ بھی کہتا پر مجھے تو آپ کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ یہ حراف کر رہی بھائی۔ میں خود غرض ہو گیا تھا صرف اپنا نقصان ہوتا نظر آیا مجھے۔ تب ہی تو ان باتوں کو جب تک دیا جو دن رات میرے لیے عنت کرتے رہے۔“ کی کو اپنے اندر اتارنے زین نے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔ دل سے پیسے کو ناپید ہوا پھر سارا غم محسوس ہوا تھا۔

”تمہارا قصور نہیں ہے۔ اپنے اپنے باپ کو کبیر دیکھتے ہیں اور جب ان کا بتایا ہو بت تو ہوتا ہے تو تکلیف تو ہوتی ہے۔“ شہر بار نے اسے شرمندگی کے احساس سے لٹکانا چاہا۔ ہراس کے لیے بھی ہمیں تکلیف زین کو آج پوری طرح محسوس ہو گئی تھی۔ کبہا سانس لیتے ہوئے شہر بار نے اسے کدھوڑ سے پکڑ کر اپنے ساتھ اٹھایا۔ بولا تو لبوں پر نرم سرکھٹ تھی۔

”تم میرے بیٹے ہو زین۔ جہاڑی خوشی مجھے اپنی خوشی سے زیادہ عزیز ہے۔ تم گھومت رو میں خود قادہ کے پاس جاؤں گا اس سے بات کروں گا۔ اسے تاؤں گا کہ زین جیسا تو اسے کی ل نہیں سکتا۔“

”نہیں بھائی۔ آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ میں نہیں چاہتا وہ آپ سے الٹا سیدھا کچھ گئے۔ وہ آپ کی بے عزتی کرے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔“ جتنی سے کہتا وہ لب بھجھ گیا تھا۔ پھر تھا اس کے لیے جس کہ شہر یا غاموش ہو گیا۔

☆ ☆ ☆
”دھنگلی تو زوری اور بتایا ہی نہیں۔“ تاہم فولڈ کیے گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا گھیرا رنگ کیے وہالان کی جانب جاتی پر شیروں پر پٹھکی اپنے بھان سے چوگی۔ نظریے اختیار اسے قریب بھی نضب پر پڑی جس کے لیے میں دکھائے گی۔
”تاہم چل میں آپ کو۔“

”تاہم تو اسی بچل گیا تھانے سے بہت جلدی نہیں کر لیا یہ فیصلہ نہ۔“
”مجھ کیلئے وقت پر کر لیتا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کم از کم بعد میں چھٹتا تو نہیں پڑے گا۔“ اوار کے زور پر اڑتی شرارتی لٹ کوکان کے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔
”میں نے بھی ایک فیصلہ کیا ہے۔“

”کیسا فیصلہ؟“ فارہ اس کی جانب مڑی جواسی کے انداز میں نہیں، سامنے دیکھتی اندھیرے میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ چہرے پر غیر معمولی جمید کی پھیلی ہوئی تھی۔

”میں واپس جا رہی ہوں مجھے شہر سے ملاقات نہیں لگتی۔“ اسے لگا اسے سننے میں گھٹی ہوئی۔
”کیوں؟“
”اے ایک دم خیال سا آیا کہ مگر نضب نے بھی میں سلائے ہوئے اس کی بات کا لی۔“

”نہ تمہارے لیے نہ اپنے لیے۔ یہ فیصلہ میں نے حذیفہ اور مشال کی وجہ سے کیا ہے۔ بہت سے دہروں اور باتوں نے مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں مجھ ہوں۔ شہر یا کوہ پور کر شاید میں اپنی انا کی تسکین کو تانوں مگر اپنے بچوں کی زندگی میں آنے والے عہد میں کا ازالہ

نہیں کر پاؤں گی۔“ جتنی سے بولتی وہ اسے کوئی اور ہی نضب لگتا۔
”کسی نے آپ سے کچھ کہا ہے۔“ فارہ کو کھٹک

گزرا۔
”کسی نے کچھ بھی کہا ہو پر جگ بھی ہے کہ میرے بچوں کو اپنے باپ کی ضرورت ہے اور اس کی جگہ ان کی زندگی میں کوئی نہیں لے سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرا دل اس سے کوئی بھی تعلق رکھنے پر راضی نہیں۔ پر میں اپنے دل کو سمجھاؤں گی۔ کیونکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ شخص میرے بچوں کا باپ ہے۔ ان سے محبت کرتے ہیں اور اس میں اسکی کوئی بات نہیں ہے کہ میں ان سے ان کا گھر، ان کی محبت چھین لوں۔ جو حق بنے اپنے باپ کے گھر پر۔ اس دی ہوئی چیزوں پر جتنا ہے میرا وہ کسی دوسرے کی چیز پر نہیں ہو سکتا اور پھر میں ان پر یہ کیوں کروں۔ میں اپنے ان کا باپ، ان کا بھیر چھینا۔ وہ نوٹ جاسیں گے، ٹھیک جاسیں گے اور میں ساری زندگی انہیں کیلئے میں ہی رہوں گی۔“ بے اختیار میں چمک پڑنے والے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتی وہ اس کی جانب مڑی۔

”مجھے اس میں کوئی کمزوری نہیں ہے۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں اور اس سارے فیصلے میں اس کا قصور تو کھیں پر بھی نہیں ہے۔ شاید میں نے ایسا نہ کیا، مگر اس رات مجھے اس کی آنکھوں میں وہی تکلیف، وہی جھپٹ نظر آئی جو مجھے اپنے وجود میں محسوس ہوتی ہے۔ جیسے چاہتا ہے وہ نہیں اور اس کی محبت میں کوئی کھوٹ نہیں نظر آتا مجھے۔ ایسے پیارے اور خالص جذبات رکھنے والے انسان کی نافرمانی نہ کرو فارہ! ان کو کہہ دیا کہ تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہے گا۔“

”باقی تو ہوں۔“ اس کی زبان سے پچھلا بھر اس نے نگاہ چرائی۔ نضب ہنسنے نظر سے اسے دیکھنے کی۔ جتنی اس نے کی تھی تو زوری کر مجھے اس پر اختیار نہیں ہے یا اس کی محبت پر شک ہے اس لیے اس کا احساس ہوتا مجھے بھی نظر آتا ہے۔ اس کی

محبت کا خالص میں بھی محسوس ہوتا ہے۔“ جتنی نظروں سے وہ اعتراف کر رہی تھی۔

”پر آپ کی خود باتیں۔“ اگر آپ شہر پار بھائی سے رشتہ تو نہیں تو کیا ہمارا رشتہ بانی ہوتا مگر زین کو یہ بات مجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اسی لیے مجھے لگتا کہ ابھی سے اسے اس بات کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ میرے سخت دوسے کی وجہ میں بھی میں مکر وہ اس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کرتا چاہتا تھا۔ اسے بھی لگا کہ میں اس کے ساتھ زیادتی کر رہی ہوں۔ جس بات کو دھاتے ہوں اسے ہوں میں چھانے نہیں تھی، آج نضب کو بتاتے ہوئے اسے اپنا آپ ہکا بھکا ہو محسوس ہوا۔

”ضروری تو نہیں تھا کہ تم دونوں کا رشتہ بھی ٹوٹا اور اسی تو ابھی بھی یہی چاہتی ہیں کہ تمہارا رشتہ جڑا رہے۔“ اس نے غصہ کی ہوا کو گہرا سانس لے کر اندر اتارا۔

”نہیں! آپ! وہ آپ کو بھی اسی گھر سے وابستہ دیکھا جاتی ہیں اور باطن میں اگر ہمارے بڑے ایسا کوئی فیصلہ کرتے بھی تو میں خود اس رشتے پر راضی نہ ہوتی۔ بلکہ آپ کو کس تکلیف میں کیسے دیکھ سکتی تھی۔ اس گھر کے ہر پردے سے آپ کا ایک رشتہ جڑا ہوا جو ہر بار سے سرے سے آپ کو تکلیف میں جلا کے رکھتا۔ میں اپنی خود غرض نہیں ہوں آپ! اور پھر میں کیسے اس شخص کی عزت کر پاتی جو میری کہیں کے لیے تکلیف کا باعث ہوتا۔“ اس نے پیار سے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا۔ حلقہ گھٹی پر داگی اسے اس کے جذبات کی اسے پیار سے ساتھ رکھ کر ایک خوب صورت مسکراتی لبوں پر پھیلی تھی۔ فارہ بھی آہم آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔

☆ ☆ ☆
”واپس کب جانا ہے تم نے۔“ چو لے کی آ آج دھیمی کرتی، سامان کو دم پر رکھتے ہوئے وہ انشور پر بیٹھ کر پانی پیتے زین سے مخاطب تھی۔

”اس دل کو تم نے بھجایا بہت سے میں نے کیا۔“ جتنی نظروں سے وہ اعتراف کر رہی تھی۔

جواب چھوڑ دی ہے۔ یہاں پر ایک ابھی جواب آفر تھی۔ اسے مختور کر لیا ہے۔“ غالی گلاس پر رکھتے اس نے بتایا۔
”گڈ نائٹ۔“ وہ مسکرائی۔ ساتھ ہی سلاخ تیار کرنے لگی۔

”اب آپ بھی کوئی گڈ نائٹ دیں۔“ غماڑ کاہنے اس کے ہاتھ کے نامھی سے زین کو دیکھا۔ ”بھئی آپ کے پورے شادی کی عمر ہو گئی ہے۔“ اس کے گھر سے کہنے پر وہ مسکرائی اور پھر سے ہاتھ چلانے لگی۔ ”مسکرائیں محبت۔“ بات آگے بڑھا میں، کیوں کر اب ان تو کچھ پوچھیں گی نہیں۔ آپ کو یہی کچھ کرنا ہوا کہ اس سے پہلے آپ کی بہن اپنی چھٹی انگلی کے نوٹے کا اعلان شروع کرتی پھرے۔ اپنے غصے کا اظہار کرتے ہوئے اسے فارہ سے پچھلا ہوا اذیتاؤں کا۔

”شادی تو اس کے خاتمو کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ چاروں دن رکھ لیتے ہیں یا کھو تو پھر سے منگنی کرادوں۔ رہی تو ہو جائے گی نا۔“ اسے تنگ کرنی وہ شرارت سے بولی۔ زین ہک کر کھڑا ہوا۔
”ہرگز نہیں۔“ جتنی کر کے دیکھ چکا ہوں، کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بالکل خراب باتیں رہا۔ اس لیے نکاح کی بات کریں، وہ بھی جلد سے جلد۔“ سلاخ کی پابند ڈھک کر کھینچی وہ مڑی۔ دونوں ہاتھ پر رکھ کر زین کو فورے سے دیکھا جواسی کی طرف متوجہ تھا۔
”میرا خیال تمام فارہ سے اچھے خائے ناراض ہو گئے۔“

”ناراض تو میں ہوں۔ غصہ بھی بہت ہے، مگر کیا کرنا، دل، وہ اس سے دستبردار ہونے پر راضی ہی نہیں ہوتا اور پھر جتنی کم میں نہیں ہوتی۔ پڑوسانے والے کو اپنے سنوارنے سے کہیں کی خامیاں بھی قابل قبول ہو جاتی ہیں۔“ کاؤنٹر کی سطح پر ہاتھ پیرا وہ نظروں سے بھگتا ہے پچھتے کی بولا۔
”خیر! ظلم مت کریں۔ بھٹوں کا تو اسے میں بھی نہیں۔ کن کن کر بد لے لوں گا۔“ بٹکے پھلکے

☆☆☆
 دھماکرے کے چرے پر راجہ جیہتی راہ نکلی۔ ایک
 بالوں سی خوشبو منتقل ہو گئی۔ گامگاری کی ایک لہر
 دھوئیں کو پاس راستہ کرتی۔ جب سے وہ آئی تھی اس
 کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کی کہیں
 میں موجودگی صرف بچوں کے کانکے ہی ہوئی تھی
 اور اب جب کہ وہ بچوں کو سلا کر اس کے رے سے
 تھا، وہ ابھی ہر گھر اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ سے
 تھا۔ وہ ابھی ہر گھر اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ سے

”شائین گزشت مجھ پرورد“ وہ اپنے جیروں چا
 مگو تھا کہ یاد رکھ لوئی کہ پاس کی سات کھڑا
 فنا۔ گنجبر کیلے ہوئی وہ اپنی ہاتھ دہرائی۔ وہ کیا
 کچھ چاہہ ہوئی۔ شہزادہ سدا کر کھڑا تھا۔ ”تہناری
 زندگی میں کوئی ہے یا نہیں، مجھے اس سے فرق
 نہیں پڑتا۔ میرے بچے دیے عی اسے باپ کا انتظار
 کریں گے جیسے ہر سال کرتے ہیں۔ لیکن میں باپ تھی
 ہوں اگر تم کسی اور کے ساتھ زیادتی مت کر۔ میری
 ایک بیٹی ہے۔ میں تمہیں باپ کی سنی کی اور اس کی
 زندگی کی تحویلوں کو کھا جائے اس کے باپ کی
 زیادتی اس کے آگے آئے۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ

”آپ کو کچھ سے کیا بات کرنی ہے؟“ ہلاٹر
 حبيب نے اپنے دل میں بھی سوال ہی نہ تھا۔
 ”اس لڑکی کو کیسے آتی ہوں، ایک نیک جس کے
 لیے شہر یا باہر سب کچھ چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ اسے نقصان
 کی کسی پروا نہ تھی۔ جلد جاتا تھا۔ جو کراٹھیں
 حیدر اسے نکال کر رکھتی ہے۔ وہ بھی سب اس سے
 بچیں سکتی ہے جو اس نے اپنی خدمت سے بتایا ہے۔“
 حبيب سے بڑی وہ دلی، پھر ایک خوب صورت
 نکلتی اس کے لہجہ پر حبيب کی جو اس کے حسین
 چہرے کو حسین تر بنا رہی تھی۔ ”ہر آج ہر چہرہ کو دیا
 ہے۔ نہ کسی نیک جس کی خاطر وہ شائین کو چھوڑ رہا
 تھا۔ اب اس کی خاطر اپنا چاہتا ہے۔ میں نے اپنے
 ہوں کہ آرتھریٹس محبت میں اپنا کیا ہے کہ اسے اور
 کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ کیوں نہ تھی اہم ہوں۔ اس کے
 لیے کہ وہ اسے فیصلے کی ہل میں بدل گیا ہے۔ کچھ
 میں سوچے کیے بغیر۔“ اس کے حسرت آواز پر
 حبيب نے ہلکا ہلکا۔
 ”ابا، کچھ نہیں ہے، تم یہی ہو اس کی بہن
 تھی اس پر..... اور یہی کچھ الفاظ وہ اس کی تسلی
 کے لیے بولنا چاہتی تھی کہ اس کے ہونے سے اسے

”نہالین آئی ایم سوری۔ اب احساس ہو رہا ہے، مجرم تو میں تمہارا بھی ہوں۔ بیوی ہونے کے ناطے سے دھوکا تمہارے ساتھ بھی ہوا ہے۔“ وہ شرمندہ سا نظریں چراگیا۔ ممکن اس کے لہجے میں اتنی آئی تھی۔

پہنہ کرن 86 فروری 2018

کسی اجنبی سے پارٹیشن



”کرتا اچھا لگے گا۔ میرے سولویا تھا اور یہ جھڑ شرت، یہ بھی آپ پر بہت سوٹ کرتی ہے۔“ دونوں ٹیکڑ پڑے وہ کریم آبادی۔

”مجھے پتا ہے، میں بہت پیاری لگ رہی ہوں۔ اب کیا نظر لگائیں گے؟“ اس کی آنکھوں میں جھانک کر شرارت سے بولی۔ شہریا نے اس کے چہرے پر ہنسلی مسکان کو دیکھا۔ کتنے عرصے بعد وہ ایسے مسکرائی بھی کہ اس کی آنکھیں بھی مسکرائیں گئیں۔ زینب نے دونوں ٹیکڑ آگے کیے۔ شہریا نے بغیر دیکھے اس کے داہیں ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ کیوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں تشکر بھرے وہ منظر سامنے دیکھے گیا۔ اس نے بائیں ہاتھ میں پکڑا دیکھ کر ہلے سے دایا۔ اس کی سب سے پہلی بات تھی وہ سب تھا جو شاید الفاظ بھی پورا نہیں کر سکتے۔ بھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی، احساسات سب کہہ دیتے ہیں۔ آپس میں بھی ایسی کبھی وضاحت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

”اب غور توں کی طرح دیر مت بھیجے گا۔“ اسے دواں دم کی طرف دیکھ کر دوسری دواں آجینے میں خود کو دیکھتی وہ بالوں میں برش بھیرے لگی۔ وہ خوش تھی۔ دل فریبی مسکان کیوں تھا۔ شاید اس نے بڑا ہاتھ شائین کا تھا، جس کی باتوں نے بہت سی دکانوں کی دکان کو چھٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے سوا لے میں شہریا کی تصویر دار تھی، مگر اتنا بھی نہیں تھا کہ وہ اسے معاف نہ کر سکتی۔ وہ زندگی کے کسی موڑ پر پچھتاہٹیں چاہتی تھی۔ اسی لیے خود سے ایک قدم اس کی جانب بڑھا کر وہ خوشی کے جس احساس کو محسوس کر رہی تھی، وہ زندگی میں بہت سے خوب صورت رنگ بھردینے والا تھا۔

☆☆

میں کہتا وہ پہلے ہی پہلا ہاتھ، کیوں کہ پچھلی بار بھی وہ ان کے ساتھ نہیں گئی تھی۔

کمرے کی آؤٹنگ کرتی وہ اب لاؤنج میں آگئی تھی۔ خود کو مصروف ظاہر کرتی، مگر سن کی وہی صاف کر رہی تھی۔ جب حذیفہ نے قریب آ کر اسے چلنے کے لیے کہا۔

”ٹھیک ہے، چلتے ہیں، میں مشال کو تیار کرتی ہوں۔“ اس نے بیٹے کی آس نہیں توڑی تھی۔ ایک نظر بے یقین سے شہریا پر ڈالتی وہ آگے بڑھتی۔ آج ایک عرصے بعد وہ یوں اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر وہ مطمئن بھی پارہا تھی۔ ”جیسے مانا“ حذیفہ اسے دیکھ کر خوش ہوا۔

زینب نے تنقیدی نظروں سے شہریا کو دیکھا، جس نے آف دائن شلوار جیکٹس پہن کر رکھا تھا۔

”ایسے جاکٹس کے آپ اس پہنیے ہیں۔ ہم آؤٹنگ پر جا رہے ہیں۔“ اس کے سر پر پہنچ کر وہ بولی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ کچھ بولی ہی نہیں پایا۔

زینب کا یوں اسے خود سے مخاطب کرنا اور اس انداز میں بات کرنا مقام حیرت تھا۔ اگر یہ ایکٹنگ تھی تو کمال تھی۔ اس نے دل میں سوچا۔

”ٹھیک تو ہے۔“ اس کے منہ سے نکلا۔

”جی نہیں چلیں فوراً پہنچ کریں۔“ بھر دوڑیں کی طرف بڑی جو مشال کو گود میں اٹھا لے کر حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

”زینب! ذرا بچوں کو بھنا، ہم آتے ہیں۔“ بھر وہ حیرت سے گنگ کمرے شہریا کا ہاؤس پڑے اسے اسے ساتھ اٹھنے لے گئی۔ زینب کے کیوں پر بے اعتیاد مسکراہٹ رہی۔

”آپ بھی ناچوں کی طرح کرتے ہیں۔ یہ جڑا اماں نے مگر میں پہننے کے لیے سولویا تھا اور آپ..... اگر شلوار سوٹ پہنتا تھا تو کوئی آؤٹنگ کا پہننے۔“ اس کی کلاسیک سنئی وہ تجزی سے اس کی وارڈروب کھال رہی تھی۔

سارے اسلاف کو وہ پریشان کیے جا رہی تھی، مجبوراً پاکستان ایجنسی کے سی او کو دو گھنٹہ کراس کے پاس جانا پڑا۔

”مذہب ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ پاکستان کا وزیر آپ کو کھنڈ دیا جاسکا، جب تک آپ کا پاسپورٹ نہ ہو۔ رہی آپ کے بچے کی بات تو اسے پاکستانی پاسپورٹ کسی قیمت پر نہیں دیا جاسکا، جب تک منظم نہ ہو۔ کلاچ نامہ سے ملے کہ پکھلت تک آپ کے پاس نہیں، ہمیں کیا بتا آپ کسی کو اپنا سپر بولی کر دیں، آپ آدھ پاکستانی تھی نہیں؟“

”کیا مطلب؟ ہاں بولو، کیا مطلب؟ میں جموٹ بولتی کیا؟ وہ پاکستانی تھا، سائیکٹ (سائیکلوٹ) سے تھا، میں شرم کھاتی۔“

”میں سب میڈیم اٹم سے کچھ نہیں ہوتا، آپ اس کیس کو تھامی کے پاس لے جائیں۔ پھر ہی کوئی ٹیکٹ اسٹیپ لیا جاسکتا ہے۔ اب ہمارا وقت نہ ضائع کریں، آپ دیکھ رہی ہیں، کنٹار سے جسٹ لیا کا زاف بولی آریٹ۔“

”صرف آپ کی وجہ سے ہمیں دیر ہوگئی ہے۔“

”خدا کے لیے آپ میرے کو بڑا ایٹھ کر دو، میں اس کو سرج (خائن) کر کے داہیں آئے گی۔ ایسے میں گمراہ ہو گئی ہے، میرے پر قہر ہے گمراہ ڈیلر کی سے لے کر اب تک میں ہزار ریال لگ چکا، میں جیسے چنگا لے گی۔“

”لی بی ایہ ہمارا مسئلہ نہیں۔“

”آپ کا مسئلہ کیوں نہیں، آپ کے کنٹری والے نے میرے کو بھٹ کیا۔ فراڈ کیا۔ وقت گزار کر کا شادی بنایا، پھر فرار ہو گیا۔ میں ادھر کاری، مذاہر کا، میرے بچے کو کھانسی، کبھی پاسپورٹ نہیں دے رہا، عمان بھی نہیں دے رہا، پاکستان بھی نہیں دے تو کون وارث ہے، کہاں جائیں گے ہم؟“

”آپ کا تھمی کے پاس جائیں، وہاں سے فیصلہ لیں۔“

”نیکھل۔ کیا فیصلہ ابھی میرے پاس نہیں

پیرا بھی نہیں رہا۔ بے لگ کالک کہاں سے لگے۔“

”میں ایک سب سے کہہ کر یہ کہوں گا۔ میرے کو بھٹ کر چلا گیا حرائی نظریہ میں رہیں (کنڈے آؤں سے لیجھا نہیں کیا۔) کل پاکستانی حرائی۔“ وہ اب چلا رہی تھی، ہندی، عربی اور لہستانی و نیپالی کے کچھ میں، مسئلہ، پاکستان ایجنسی میں کڑے سارے مرد حضرات ڈائٹ جین اور سرخ کھلے کھلے کے ٹاپ میں لیٹوں اس انگریز لڑکا عورت کو فرمت سے دیکھ رہے تھے، سارا اسلاف جیز پر ہوا تھا، پھر قدرت نے ان کی لی اور ہاں غرور ہوا چاہا مٹھیلے ہوئے ایجنسی سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

گھر میں شادی کی سنا سننے سے غل دایم میں میوزک بچ رہا تھا۔ دوسری جانب خاتون پٹروں کے ابار ٹیکے کے میں کئی تھیں، وہ فرمت سے جاسوی ناول میں تھیں۔

”بدر کچھ کیا کرنا، کل تمہاری شادی ہے۔ لوگ اس انجن، مہندی کے ڈیزائن دیکھتی ہیں، تم جاسوی ناول پڑھ رہی ہو۔“

”ہائے آ پلا کیا بتاؤں، کیسا ناول ہے۔ ویسے وہ اس کے بارے میں ٹھیک سے پتا کروانا چاہیے تھا، باہر جا کر بہت فراڈ میں ہو جاتے ہیں، کچھ ایسا ہی ناول پڑھ رہی ہوں۔“ وہ اماں کو دیکھتے ہوئے شرارت سے بولی، لیکن نتیجہ حسب توقع تھا۔

”تم بھتے تو ناول پڑھ کر کھاس کرتی جا، ایسا اچھا رشتہ ہے، پر شریکوں کے بیٹے پر سناپ لوٹ رہے ہیں، ہمیں پتا نہیں سوچ رہی ہیں۔“ اماں وہ اس کے بارے میں ایک لفظ سننے کی رودادار تھیں۔

ہوا بچہ کو بھی تھا کہ وہ دھتے پہلے آئے والے وہ اس کے رشتے نے اماں کو پورے خاندان میں سستہ کر دیا تھا۔ جیجران لوگوں کو کھنڈ چاہیے تھا۔ شادی کے اثبات وہ خود اٹھا رہے تھے۔ جتنی ہمارا کا اساتوئن ورشتہ نہ ہوتے ہی بدر کے ساتھ میں دیا گیا تھا۔ سارا خاندان حیران تھا زیدہ وہ بڑا اونچا

ہاتھ مل رہا ہے، وہاڑی اڑی پھر رہی تھیں، داڑھی بیاہ کر دئی جا رہی تھی۔ سارے خاندان میں سے پہلی لڑکی پھر اس سے چھوٹی دونوں کا مستقبل ہی روشن نظر آ رہا تھا، جب کہ بٹے کا تو اٹا جاتے ہی جینے کا وقاس نہ خود کہا تھا۔ ایسے میں زیدہ، بیگم، وقاس کے خلاف مذاقی میں بھی کوئی بات سننے کی رودادار نہ تھیں۔

”بدر کئی آپ کی نند کا ڈی لے کر آجنگ ہیں، آپ کو مہندی لگوانے نہیں جانا؟“ ہم بائیں کمرے اعزاز میں پوچھ رہی تھیں، اس نے ٹائٹ چادر اٹھائی، وہاں پکڑا اور لڑکی ہوئی۔

”مٹھیلے آئی؟“ وہ بولی تو زکریا کی کڑی ہو گئی۔

”اگرے رو بدر۔“ ہوجو کی آواز پر غل۔

”آیت ازلے پڑھ دو، ہمیں نظر نہ لگ جائے تیری ماں کو تو پر دیا ہی نہیں۔“ وہ اس کے چڑھو میں کے چاند جیسے چہرے سے نظر ہٹا کر بولیں، مبارک نظر لگ ہی نہ جاتے۔

وہ اس کا بھی تھی، میدے جیسی رنگت پر پیرز بائل آکھیں، رنگ مرر سا تراشا ہوا سراپا، وہ بائیں کی کے لہو سے میں لپٹی اجاتی کی سورت میں زکریا نے کہا تھا وقاس کی بس ایک ہی ڈیماڑ ہے، لڑکی حسین ہوا، کیرا، زکریا کی کوئی حیثیت نہیں، پتہ تو میرے اپنے پاس بہت ہے، جب کہ بدر تو ج بچہ بدرگی۔ سارا گھڈ اس کی قسمت پر رنگ کر رہا تھا، بڑا زور حسین ہے کہ میں مل جاتے ہیں، پر کی کو بڑا زور ان تھوڑی مٹا ہے۔ سفید پوشوں اور فریبوں کی مٹیلوں کو ہاتھ کے اٹانے والے کی جائیں تو یہ بڑی بات ہوا کرتی ہے۔ قدر تو کی مٹا میں یہاں بدر تو سب کچھ ایک ساتھ ایک وقت میں مل رہا تھا، وہ سب کے قائل رکھ گئی، قائل حسدی اس کے کہہ رہا تھا، رجبہ اچانک ہی انہوں میں بہت اونچا ہو گیا تھا۔ وہ مفرد ہو رہی تھی۔ غرور بھلا انسان پر کہاں جتا ہے۔ اسے معلوم ہی نہ تھا۔

☆☆☆

دو ایسرا تھی، زمین پر غلطی سے آ گئی تھی، کمرے میں آرائش کے لیے لگائے گئے سارے گلاب اس کے حسن کے آگے لگا دیتے۔ وہاں بڑا دینا کی حسین تھی، وہ سن رہی ہوگی۔ وقاس نے داکٹ صوفے پر اچھالی، گلے سے پھولوں کی مالا اتار کر میر پر رکھی اور سارے بچے بچھا۔

”بدر تم تقصیر سے بہت بڑھ کر حسین ہو اللہ بیان سے باہر۔“ وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ”مجھے تو لفظ بھول گئے،“ وہ زنا تھا۔ ”اجھا، مجھے نہیں دیکھو کی۔“ کھوڑی پکڑ کر اس کے صلیق پھرے کو اوپر اٹھایا مہندی لگائی، رنگت پر اچھا تھا کھانے سے چاہے نظر نہ جاتا تھا۔ بدر نے نظریں بکھائی، وہ وہ چہرے پر ہوا۔

”ہم سہاں، بھولی ہیں، بیوٹی ایک دن کا ساتھ تو نہیں۔“ وہ بولی تو اس کی صراحتی وار کردوں کے گرد لپٹے بار پر اٹھیاں چا رہا تھا۔ ”میں جانتا ہوں ہم اپنی جتنی زندگی کا آغا اپنے گھر میں کریں، دینی جا کر کچھ نہیں اعتراض تو نہیں۔“

”ہرگز نہیں،“ وقاس آپ نے اعتراض کا سوچا بھی کیوں؟“ وہ مسکرایا۔

”چلو ہماری ہی ہوا جادو۔“

☆☆☆

اندر سے کی ایمر پورٹ کو دیکھنے کا اس کا پہلا تجربہ تھا۔ وہ خاصی گھبراہٹ ہو گئی، وقاس اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے زکریا کے ساری کارروائی مکمل کر رہا تھا، دھت ویزا کی جگہ سے اسے خامے سوالات پوچھے جاتے رہے۔ ہلا خور بدھ کاڑ ہاتھ میں پکڑے وہ لاؤنج میں آ بیٹھے تھے۔ دینی اڑانے والے اناؤس کر رہے تھے، وہ لوگ گھبراہٹ سے ہوتے ہوئے ہزار میں آ بیٹھے، بدر کے لیے قریب سے جہاز بند کھائی بڑی بات تھی، اب تو وہ خوشنودی تھی۔ چتا کھنڈا ف ہانے کا سلسلہ بھی جاری رہا رہا تھا۔ جہاز ٹک آف کر رہا تھا۔ اس نے ٹاک ٹیش پر لگا دی۔ لاہور اتا بڑا ہے، لائیں سوچ، ابھی۔ سب لوگ کتا خوش تھے، بچہ عمرے کے علاوہ وہ سارا خاندان کی کو

چھوڑنے پر پورٹ آیا تھا۔ اس خوش بلی میں کسی کو بھی اس کے پردیس جانے کا رنج نہ تھا۔ کسی کو خود بدر کو بھی نہیں۔ اوٹ چانگ سوچیں سوچیں وہ دیکھ اپنی بیکل ابر پورٹ پر راز کی کی، وہ جو خبر دزد گدار کی تھا، شہر تیز کر رہی۔ بیک ہاتھ میں بڑے چکنے فرش پر اس نے ہائی بیل آگے بڑھائی تو سب ہو کر کسی کے قدموں میں گر گئی۔ سفید اسپرڈس ٹائڈ ہر اس کے ہانڈرے دیکھ کر سے پیچ ہاتھ پڑے تھے۔ وہ بہت خفت کے بحال کی، جب وہ مضبوط مردانہ ہاتھوں نے اسے کندھے سے پکڑ کر کھڑا کرنا چاہا۔ بدر سے اٹھائی نہ کیا۔ تجھے میں نہیں اٹھو رہی گی۔

”آپ کو؟“ وہ تھوڑا پیچھے ہو کر بولا تو بدر نے نظریں اٹھا کر جواب دینا چاہا مگر شہر کا پھر آگئیں فرش پر کاڑ دیں، سامنے اس کا شاسر پہنے ہوئے تھا، جب وہ کسی نے کچھ مشکل آسان کی تھی۔ عربی میں کچھ باتیں بکھار کر وہ اسے اٹھا رہا تھا۔

”دوستیوں کے چلو ہار کیا ہو گیا تھا؟“

”آپ کو دیکھنے گئی تو پاؤں مڑ گیا۔“ وہ شرمندگی سے کہنے لگی۔ اس کی تیل چمک کر کھینچے فرش پر چلنے کا پتلا موقع تھا۔ بارہ، چودہ لوگ اس کے آگے آگے شاسر پہنی کر رہے تھے۔ اسپرڈس کی کوئی نہیں تھی۔ اتنے سارے مردوں کو بھی مرتبہ اپنی نظروں میں آئے دھمکے اور لباس میں دیکھ کر بدر کو نہایت شرم محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اسے ہائی ٹیم کوئی دلی میں ایسے لباس میں دیکھ رکھا تھا، اتنے نزدیک سے دیکھنے پر اسے بہت خفت ہو رہی تھی، اس نے حریر آگئیں بیکل میں اس اور احتیاط سے پکڑی ابر پورٹ سے ہار لگائی تھی اور کچھ کچھ گر کر وہ کر دہ حیرت زدہ ہو گئی۔ اتنا بڑا کھرا کہ اس نے گلے کا تھا، پھر بیرونی شان دار کینٹ کے پاس بنا کارٹر جو شاہی گھٹ کپڑے کے لیے ہوگا لیکن اس میں رتہا دھواں تھا۔

”کیا کاسیڈم بدر جہاں؟“ وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

”یہ ہمارا گھر ہے نہ؟“ وہ ابھی تک حیران تھی۔

”وہی میڈیم ہائل ہمارا ہے، بسلی رکھو۔“

”اگلی ایسا شان دار رہتی فریج ایل، اس اساری زندگی کما تے رہیں، تب بھی نہ لے سکیں گے وہ بید، پردے، صوفے، کلاہ پکٹ ہاتھ پیر پیر کر چیک کر رہی تھی۔ میں تو فراہوں میں کسی ایسی چیزیں، ہائیڈرو پکٹ میں سوچا تھا۔ وہ بے اعتبار دھماکے کے ہاتھ تھا مگر اس کی اور بیشک کی طرح اس نے زنی سے پھر اس کی تھی۔

”بہت دیر ہو گئی، اب سو تے ہیں۔“ وہ اپنا سب اٹھاتا صوفے کی طرف بڑھ گیا۔ بدر بیشک کی طرح ایک ایک چیز کی تصویر بنا کر مہر دو کلاس اپ کی تو کھانسی میں۔ بدر باہر جا کر رہی گی۔ وہ بھی منہ موکھ کر آنے سے پہلے ہی دھماکے سے کھڑے کو بچنے لگے تھے۔ اس نے بھی کندھے اچکائے۔ بس اٹھ اڑھا اور سوئے لیٹ گئی۔ وہ رات کا آخری چہرہ تھا جب سردی زیادہ ہو گئی تھی، اسے سی کی کوٹنگ کم کر دینے کے لیے اس نے صوفے کی طرف دیکھا تھا، لیکن دھماکے وہاں تھا۔ وہ دم کا دھڑکی لاک نہیں تھا۔ وہ بید نہ تھی۔ پھر آئی۔ باہر جانا چاہیے باتیں یہی سوچتے ہوئے اس نے بھاری پردے کو زار سا اٹھایا تھا۔ سامنے خشک سی صاف شفاف روڈ تھی، جس پر ابھی گاڑیاں آئی جاتی دکھ رہی تھیں، وہ دھمکی سا ڈانڈا دھڑکی طرف آئی، پردہ زار سا اٹھایا، گھر پر مقصود سامنے تھا۔ بدر نے ٹھنڈی سانس لی۔ وہ گھر کے اندر دوڑی دوڑاڑے کے ساتھ ہی بیڑیوں پر بیٹھا فون کر رہا تھا۔ بدر نے اس کا مکمل اٹھایا، اپنے والے کے ساتھ گھر اور لیٹ گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ بڑے خوب خواب دن تھے۔ اس نے دنیا جہاں کے اعلازمین ہو گئی، مائرتھان مارے تھے وہ سارا دن سوئے، سرشا آوارہ گرد کی کے لیے نکل کھڑے ہوئے، مہجرات گئے لوگ تھے گرتے اور سو

جاتے۔

”آپ نے کام نہیں جانا۔“ وہ کافی سب لیتے ہوئے چور چور تھی۔

”میں کیسے جی ہوں، شو پر کام پر بیچ رہی ہوں۔“ وہ مطمئن تھا۔ ”بدر میرا کچھ کویت گیا ہوا ہے، تب تک آرام ہی آرام ہے۔ کویتے بھرتے ہیں اور مزہ بیٹے بنائے کا سوچتے ہیں۔ کیا خیال ہے۔“ وہ باہر ہو کر بولا تو بدر نے بھی انجائٹ میں سر ہلایا۔ وہ سختی کی، بہت سختی، پہلے مکمل دھماکے سے روئے سے کچھ بچتی ہوئی کی، اب تو وہ بھی سختی کی۔ اس نے خود سے فرش کر لیا تھا کہ دھماکے کچھ ٹھیک نہیں تھے، رات کا تو کراس نے اسے میڈیسن لیتے دیکھا تھا، وہ بدر سے چھپا کر لیٹا تھا۔ بدر نے بھی کرید کر شرمندہ کرنا سب نہ سمجھا تھا۔ اسے اپنے ہاتھ اپنے نے کیا تھا یہ زندگی بھر کا ساتھ ہے، تو وہ کیسے اچھے سما کی کو شرمندہ کر لی۔ وہ کلی طور پر سنا، ہوی نہ بنے تھے، تو کیا ہوا، وہ اٹھنے دوست بن چکے تھے۔ بدر کے لیے سب اتنا خوش گوار اور سوجھ سے بڑھ کر تھا کہ وہ کسی سوچ میں نہ پڑنا چاہتی تھی۔ وہ پہلے صوفے پر سوتا کیسے سے باہر، اپنے پر دھمکی کی، وہ اپنی نسوانیت کی توہین نہ چاہتی تھی۔ ایل اور سارا گھر خوش تھا، وہ بھی دیکھنے سے شے شے کم ہو گئی۔ سب آفرین تھا، قافلہ واپس اور قافلہ تر دیے۔

☆ ☆ ☆

وہ لوگوں فوارے کے پاس کھڑی تھی۔ خوب صورت ست رنگا پانی اس کے چہرے پر خوب صورت رنگ بکھیر رہا تھا۔

”اماں خیمہ میں زدم کر کے دکھائی ہوں۔“

بہرے نے ایل کے ہاتھ سے لون لیا تھا کہ جادو آن اوردہا۔

”دیکھ لو ایل ابدراہی عا شیں میں مگن ہے، ہمیں وہ ہو گیا دیرے کا کوئی اتنا چاہیں دیا۔ اس نے قاسم کو کیا بھی نہیں کر دیا ہوا، مجھے پھر تھا ایسا ہی کرے گی وہ، اب اسے کہاں خیال آتا ہے کسی

چھوٹے بڑے کا۔“ وہ جلا بیٹھا تھا، اس کی رنگ برنگی تصویروں سے۔

”اے ہے، جہاں بدن کے بارے بھی تو اچھا لگان رکھ لیا کہ، جوانی بھائی سے اتنی جلدی منہ چاڑ کر کچھ نہیں کھا جاتا، وہ سوچ مکمل دیکھ کر ساری باتیں کرے گی، یاد رکھو تو مگر..... ہمارے تو نصیب مکمل گئے۔“ وہ پھر سے منوم نکھرم کی تصویر ہونے لگیں، تو حجاب باہر نکل گیا، گھر جہاں سے سرے سے تصویروں میں کم ہونے لگی۔ وہ سب روزانہ تصویر کا ایک ہی رخ دیکھتے اور درد کا ہزار کلا تھے۔ چاہیے تو یہ ہوتا ہے دردوں دیکھ جائیں، زاویہ چاہے کہ کم نکالے جائیں۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنی تیار سے مطمئن نہ ہو پاری تھی، دھماکے نے کیا کیا تھا۔ میرے دوست آ رہے ہیں، وہ چمک باتم سے ملیں گے۔ میرے بہت خوب صورت نظر آتا ہے، اتنا کہ وہ حیران و مشہور رہ جائیں۔“ بدر جہاں نے شان دار ڈریسنگ کے آئینے میں نظر آئے اسے ایک کس کو تنقیدی آنکھوں سے دیکھ کر اب اس کا کھینک کر دیکھا، اب وہ ریڈی ٹی میٹنگ کے لیے۔ ناک ہونے پر اس نے دو دروازہ کھولا، ایک بار تو بھیجی نہائی کر کیا کرے، دھماکے کے ساتھ ایک ہی آڈی کھڑا اور وہ عربی جب کراس نے کہا تھا میرے دوست آئیں گے۔

”السلام علیکم۔“ مخصوص عربی لہجے میں سلام کن کر بدر جہاں نے حواس میں آئے ہوئے سلام کا جواب دیا تھا، وہ رینہ وہ اپنی تیار کے اگارت جانے کے کم میں چلا گئی۔

”بدر یہ بیچہ مجھ طوبی ہیں۔“ دھماکے تعارف کر دیا تھا۔

”وہ جو آپ کے دوست آ رہے تھے وہ؟“ اس نے تعینوں اچکا میں۔ وہ کڑی کر رہی تھی اور وہیں آئی، اس لیے دھماکے سے کچھ اور بھی پوچھا چاہتی تھی مگر اس نے ٹوک دیا۔

پہنہ کرن 94 فروری 2018

بد رو کو پھر سے تکی ہوئے گی۔ اس کو جب سے ان
لاڑکیوں کے پیچے کا معلوم ہوا تھا، تو کہیں میں چلتے
حالات روئے ہی کا باوجود وہ اپنے اچھے بہن کی
حرارت محسوس ہو رہی تھی۔ گلے سڑے کو کوشش کی
تھی کہ وہ اپنے دل کی آواز کو اظہار دے، لیکن وہ جانتی
تھی کہ وہ ایک دو گنا شہر کے لیے لڑائی لڑ رہی تھی، وہ بد
سے بڑی تھی، ایک بچہ کو بھی جس کی جہنمی نماز اور
جاتی تھی۔ جب کہ دوسری طرف، ان کی تیسری سری لکھن
کی اداوان کو دیکھ کر اپنی ناداری زبان کے علاوہ صرف
عجز و ناتوانی ہی رہتی تھی۔

سے لگ رہا تھا کہ مان گئے اور یقین کر بیٹھے ہیں کہ

ابنہ کرن

دعائی جانے کے لیے تیار تھا۔ اس لڑکی کو ڈھونڈنا جیسے

پر نکل آیا، جو گز کے اندر جرائیں پسینے سے تر تھیں۔

☆☆☆

فروردی ۱۳۹۸

دل کا موسم اچھا ہوتا ہے تو طویل سفر کے بعد
خوابوں جیسا خوش ناموسم رکھنے والا شہر بہت بھلا
لگتا۔ گلاب دوست سے پہلے مرگ میں جلتا سی۔ وہ
رنج اور میں بیٹھی روڈ کی دو درجے لائنوں کے ساتھ
جلی لال تعداد اور راکٹ لائنوں کو خالی ذہن سے دیکھ رہی،
آج اسے پرانی ہڈی کے نکال کر نہیں اور لے جایا
جارہا تھا۔ دن بدن مرنے کی خواہش شدید تر ہوتی
جاری تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ خود کی سے کبھی چھلکوں کی
عزت محفوظ نہ تھی۔ جب وہ ہفتے پہلے وقاص سے گھر
بات کر دلتی تو سجاد نے نفخا اتار دیا تھا۔
”جیہی روٹی کی دہانہ پاکستان آئی وہ ہماری زندگی کا
آخری دن ہوگا۔“ اماں کے کونے اور بدعا میں لفظ
بہ لفظ سننے میں کوئی رنج نہیں۔
”پر تجھے بچے کا اتنا ہوا“ ہو گیا کہ شہر چھوڑ
کر بھاگ گئی، میں تو تجھے ساری اولادوں سے سیانی
جیہی روٹی کی۔

”اماں، سچ بہت امیر ہے، وقاص تو اس کے
پاسنگ بھی نہیں، اماں ادا پیتا ہے اس کے پاس کہ
چاروں میں ہم اپنا ادائیگی کر خریدیں گے۔ ہمارے
حالات بدل جائیں گے۔“
”لغت چھ پر شاعرنت، تو پیدا ہوتی ہر
جانی کاش میں کوئی پتھر پیدا کر لیتا میرے بابا۔“
اماں بلند آواز سے روٹی رہی تھیں۔

”اماں اس نے نکاح کیا ہے میرے ساتھ،
کوئی برائی نہیں کر رہی میں۔ پھر یہ سب آپ لوگوں
کے لیے تو کیا ہے۔“
”آگ کے تیرے نکاح کو اور تجھے، ہے حیا
بغیر عدت کے کون سا نکاح ہوتا ہے۔“ اماں نے دور
سمندر پار بیٹے کر شاید پرچا تھا، جب ہی تو بدر کے
دماغ میں دھماکے ہونے لگے تھے۔

”اماں ”دروٹ“ آپ نے ڈالا تھا۔“ (حقائق
آپ نے نہ کر دیا تھا) اس کا دور دیا، لیکن زبان
نے ان کے سامنے شعلے کی لگنے۔“ سجاد بھائی کو
دیر چاہیے تھا، آپ کو اتنے رشتے جو جین نہ لیں اور

”شریکے“ میں آپ کو چوٹی پر بٹھا دیں، لال تعداد
فرمائش وقاص نہیں پوری کر سکتا تھا، اس لیے میں
شے خن کی حوصلہ افزائی کی۔ ”وہ ان کا کام غلط کرنے کو
کد چھری سے ان کو ڈنک کر رہی تھی۔“

”شادی شدہ ہو کر حوصلہ افزائی؟ پر تجھے رب
سے ڈرا خوف نہ آیا۔“ وہ دھاتیں ہادی رہیں، جبکہ
بدر خاموش رہ کر آتش فشاں بھائی رہی۔ ”تو باپ کی
تبرک کی لال کد تھی، وہ تو بڑے ٹیک تھے۔ میرا دودھ
بھی اتنا گندہ تھا تو کس پر چار پڑی۔“

”خبردار جو دربار وادھو کوں کیا، کاش تو پاکستان
ہوتی۔“ میرے گھر سے گرد تپتا، قیہ یاد جاتا۔ ”وقاص
نے سجاد کی آواز سن کر فون اس کے ہاتھ سے چھین
کر بند کر دیا تھا، اس نے آئینہ برفون دکھ کر بات
کر دیتی تھی اور سارا حال اٹھا دیا تھا، اس کی انگریز ٹیمٹ یہ
تھی۔“

گاڑی رکھنے پر وہ چچی، اپنے خیالات سے
باہر نکل کر اس نے دیکھا۔ گاڑی انڈی عمارت کے
سامنے تکی تھی۔

”سچ در دروت“ بدر نے مجھے اتر کر بلاتی جتنی
روٹی نکالنا مزہ پر لب پر حاتو معلوم شہر کا بھی تامل
کیا کیلینڈر کا پرش۔
”میں ہنس سونٹا تھا کہ ہمارے محل شام بعد صبح
ملوث نکاح کے لیے آئے گا۔“

”پاشا، تم کروٹی راست دکھا، ابھی تک کوئی
ترکیب نہیں ملی، اگرچہ ہی نہ ہو تو کیا فرق پڑے گا
میرے سولا۔“ وہ سچی سچی سوچ کا گھس شاید
چہرے پر تھا، جب ہی وہ بولا۔

”تو چاہا سائن کر دینا، وہی سبھی انکار کی تو
میں کاش ہی نہیں سے کہا ہے پاس۔“
”یہ جیسی نکاح تھے تو کا ہوا گا؟“ وہ زہر شدہ
ہوئی۔

”تم پر ڈی پینڈ کر رہا ہے، چاہو تو چھینوں تک
لے جاتا۔“ وہ بے باک سا بے باک تھا۔
”چھینوں دیکھ کر تو مردہ دفن جاگ اٹھیں، مجھے ہی

تج سے کس طرح نیند کی گولیاں کھا کر کشش کی امانت
کی حفاظت کی ہے۔“ وہ جو گولیاں کھا کر تھا، اس کا
مقدوراب خود ہی بدر کے سامنے بول گیا، بدر کی آنکھ
سے ٹھیکیں پانی پلور اور بالکونی کے شفاف فرش پر گم
ہو گیا۔

”دفع ہو جاؤ دوسرے اٹلیس، کسی کی آئی جیہیں
آ جائے۔“

”مارا ہوں۔“ وہ دھاتی سے مسکرایا۔ ”دیکھو
بدر، میں مجرکہ رہا ہوں، کوئی بے وقوفی تم کو متاثر نہ
تھا، اگر کسی باپستان کا فی اہم کی نہیں دے سکتا
انکی جگہ پر، لاکھوں عملی ریال لگائے ہیں، سمجھو
پاکستان کے کرڈوں لٹا دیے۔ دنیا میں دوسرے نمبر
پر بھائی کر رہی ہے، اتنا تو پتا ہی ہوگا خود سوچ، ہمیں
اور مجھے ملے بال مال کر دے گا۔“ وہ سنہری ریلنگ کی
طرف ہاتھ بلاتا بڑھتا چلا گیا، جبکہ بدر بال ارادہ بچے
جھاٹنے لگی۔ رنگ دیو کا ایک سیلاب تھا، کھلے آسمان
تسلے لگی دیکھیں چھترپوں میں ایک آرائش تھی کہ
آکھیں چہرے وہ جاہیں۔ عورتیں کم اور مرد حضرات
زیادہ تھے۔ ان کی ہجڑوں میں بھی زیادہ پرچین تھیں۔
کھینے کے روئے کی آواز پر بدر جی، وہ شاید پتلی یا
قلبی عورت کی جو سنے کو پر ام میں لٹا رہی۔ بدر
کے پلٹنے پر اس نے مسکا کر بے کہا اور پر ام دیکھ کر
بدر کے ساتھ آگزی ہوئی۔

”پارٹی انجوائے کر رہی ہو۔“ ساتھ ہی وہ نیچے
جھکی، بھر کا ایک چلانے لگی۔

”وہ تو یہ، نوید، رگو، وقت، اشار۔“ وہ ہر
معلوم زبان میں چلاتی نیچے جاری تھی۔ بدر نے اس
کی آنکھوں کے تعاقب سے جان لیا کہ وہ وقاص
کے پیچھے جاری ہے۔ اس کے چہرے دیکھتے دے
سزیمیں سے رہتی اور زمین پر جا چکی، بدر نے پیچھے
کر داری۔ اٹھا تو وہ دیکھ کر بیٹے کر سکتی تھی، حیرت انگیز
طور پر اسے کوئی شدید چوٹ نہ آئی تھی۔ جب کہ
وقاص ہی اٹھا شدہ رنج اور در میں بیٹھ کر چا چکا تھا۔

رات مکمل بیگ بچی تھی، ان دونوں نے شاید
آخری بار نیچے لان میں جھاٹکا، اڑھین بیٹے ڈانسر کا
گرد پ بپ برسا پانی پر چھٹی ہارش کی ہوندوں
میں اپنے کن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ بدر نے اس کے
کھنکھوں کے گرد بازو حاصل کیے اور اس کے سونٹ
میں لے آئی۔

”پنڈر جیہیں خدا کا واسطہ مجھے وقاص کا بتاؤ
اُسے کیسے جانتی ہو۔“ اس کی آواز میں بلانا کرب تھا
راہنمات لٹنے کی کرڈوں دعائیں دل کی گہرائی میں
تھیں

لہذا غلامی سے تھی وہ میک اپ آرٹس تھی
ساری دنیا جانتی ہے کہ مرگب خواہ میک اپ کی کس
قدورل واہ وہ نیچے لہنا ہے سوچا تھا یہ نہیں کے حساب
سے میک اپ استعمال کرنے دالیاں اسے سیکھوں
تھیں ریل تو دے ہی دیں کی لیکن عیان آ کر اعجازہ ہوا
قمار لیا کا ناٹک تھا۔

”فٹو (پھر) میرے کو دوسری در کرنے بولا کسی
مال دار کو پھنسا کر شادی بنالو ایسے میں نوید میرے کو
پارک میں ماں نے مجھ پر چھپا بھی فریج کیا اور
آپٹے سے بول کر ایسے سکون میں نوکری دلویا۔
ہمارا رشتہ نا اذیادہ اس نے نکاح کا ذکر کر دیا ہم
نے روم میں نکاح بھی پر جھانکا میں کو بولوں ہی ڈاکو
صنف پاکستان آکسی کو بھری کر داؤد وانا تارہا۔ میں
اس شادی کو اب ہمیشہ رکھنا چاہتی سی میرے کو
پاکستان جانا۔ وہ دہلا پاکستان میں اُس کے پاس
سب کچھ ہے میں بولی میرے کو لے چلو دو مل کر
کھائیں گے۔ رنٹ، وہ ہانڈر خود شہر (دھانچا) ناہ
(بعد) اپنی بدر کا سک (پتاری) بول کر بھاگ لیا۔“
لیو مختلف زبانوں کی بھڑکی میں بتاتے بتاتے
اور پڑی۔ وہ بلا جہیں عورت کی وقاص نے جوئی
اُسے شادی بھانے میں سر میں دیکھا وہ اسے لوٹ کر
فرار ہو گیا کیفیت میں مو جو بدر اسو مانی ریال، ہجڑوں کی
اور لہنا کا ہونک بھی لہی وہ بے آڑا تھا۔ وقاص کے
زردیک وہ مسلمان نہیں تھی۔ اس لیے اس کے ساتھ

[illegible]

ایسے کھڑے تھے جیسے ان میں ہم بٹ گیا ہو۔ اس پر متناہیہا ہاتھ پر بندھا ہوا رہتا تھا۔ اس کے پاس کچھ جانے پر آرام کر سکی پر لینے شخص نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا۔ بھلا شخص جتنا خوف ناک لگ رہا تھا دوسرا تا ہی دلکش چہرے کے میں وسط میں لگے کلاب سے باہر پھولی پھولی دائری سے مزین اس کی سرخ مسند پر رخت دیکر رہی تھی۔ پھر فیصلہ ہو گیا اور نے معقول طبع رکھنے والے خوب صورت شخص کی طرف دیکھا۔ "بلینہ بیلیک ی..... آسو دھار کی صورت ٹھوڑی تک بہر کر رہتے ہو کر گئے۔"

شیخ سالم حداد کو لگا وہ پھر سے خواب ہی دیکھ رہا ہے وہ جس کے لیے دینی کا ذرہ جہان آیا وہ ملائکہ میں سامنے کھڑے آسو پہاڑے ہوئے دھماکے رہی تھی۔ سالم نے فوراً آنکھیں جھکا لیں۔

ملائے کے پچھلے سے ہونے سمندر کے مقابل اُسے پاکستانی سبز زمینیں زیادہ زور آ رہی تھیں وہ ڈوہٹا نہیں بچا جاتا تھا۔

اُس نے پہیلی انداز میں معتمد کا سامن بتایا۔ اُس کے تیز تیز مری بولے پر وہ واضح طور پر سمجھرائی لیکن معتمد کے سر کو کہہ رہے تھے ہاتھ رکھ کر سلام کرنے پر وہ کچھ چٹکنیں کر رہا تھا۔

"دیکھنا کیڑا لیدی (محترم خاتون) ہم کسے آپ کی مدد کر سکتے ہیں؟ سالم بول رہا تھا معتمد کی نظریں جو گزر رہا ہے کسی جیسے گوند سے چپکادی تھیں۔"

اُس کے "ارو" بولنے کی جیرانی سے لنگر کر بدر نے تیزی سے کہا۔

"میں اس عمارت سے بھاگ کر آئی ہوں مجھے سب سے پہلے تو دقاس لوگوں کی بچنے سے درجہ جانا ہے پھر بات چیت ہوتی۔"

"اوہ..... معتمد" کے ہونٹ گول ہوئے

"آپ کے لیے یہاں بہت خطرہ ہے سسر آپ ہمارے ساتھ چلیں گھر چل کر بات کرتے ہیں وہ

اللہ بہت شریف لوگ ہیں" وہ شہزادہ لنگش میں بولتے ہوئے لاشعوری طور پر اپنے بائیں ہاتھ بھر اوپر کھڑے بال پکے لے کر کھسک کر نکلے گا۔

خطرہ لینے کے سوا چارہ نہ تھا سو بدر ان کے ساتھ اس جتنی گاڑی میں بیٹھ گیا جس پر بیٹھنے کی وہ دہی میں دقاس سے خواہش بیان کر چکی تھی۔

دائے نصیب پہنچی بھی تو بک؟

سالم کے چہرے پر بے پناہ حیران دیکر معتمد نے اُسے ڈرائیونگ سیت سے نزلتے ہوئے بچر کو کھکا دیا اور خود ڈرائیونگ سنبھالی۔ سالم پالی کی بوسن غاصت چڑھا کر خود رہا پائے ہوئے بولا۔

"دقاس کون ہے؟"

بدر کو لینا کے الفاظ یاد آئے "دلال" مگر اس نے سب کچھ کر ان کو الف سے سے تک مختصر اس بتا دیا تب تک حسین بھی معتمد کے گھر کی نگاہیں بھی کچھ کچھ تھا۔ (عرب میں شیف دوسم طرز کی جگہ کو کھسک گئے ہیں آسانی کے لیے ڈرائنگ روم کہہ لیجیے)

سالم نے دہی بائیں مری میں ان دونوں کے لیے دہرا ڈرائیں ساری کھائی ستنے کے بعد سین تیزی سے لیپ ہاپ پر بڑی ہو گیا جبکہ معتمد کال پر بدر کے کھنکھانے سامنے بیٹھا جسے سالم نے محسوس کرنا نظر میں جگاتے ہوئے کھسک نظر کر رہا تھا۔

درب در پر کو یاد کرتے ہوئے سو منے سے لپک لپک کر بیٹھنے کی گواہ اس کا جدان کھد رہا تھا یہ غلط لوگ نہیں حسین نے لیپ ہاپ اس کے آگے دکھا۔

"سسر دیکھو ایک نیا شیخ جھانک رہا ہے اور آپ کے پاس میرا مطلب دقاس کے ساتھ آج دو آئیں۔"

بات کرتے ہوئے واضح طور پر بھجکا۔ "بدر کھرا کر آگئی۔" ہاں کجی وہ عیطان ہے۔"

لیپ ہاپ کی اسکرین پر شیخ عجم کی مسکرائی تصویر تھی۔ "میں شرط خانہ (پوئیس اسٹیشن) چانا تو تھا ہمارے پاس وقت ابھی نہیں ہے۔"

سالم حداد اب اس کی دید سے مستعمل کر سمورت حال کے مطابق فیصلہ کر رہا تھا۔ اُس کی سموت کو

دیکھتے ہوئے وہ تینوں اب لنگش میں بات چیت کر رہے تھے۔

"سسر میرا قبیلہ آراوادی (رائل عمان پولیس) اور آدمی میں ہے جبکہ سالم اور حسین کے قبیلے انتظامیہ میں ہیں ہم سب کی کرانے سارے سو ستر استیصال کر میں گئے اور آپ کے لیے یہی کریں گے جو آپ کے لیے خیر (کھلائی) ہو ہم پر بھر دیا سارے" اپنے جیب وخر بپ چلے کے ساتھ تنجیدہ باتیں کرتا معتمد کو کیا بات چیت کیا۔

"سسر..... معتمد کہا بت شریف آئی ہے۔"

حسین نے جیسے بدر کی آنکھیں بڑھائی تھیں اُسے جیسے ہی پتا چلا تھا کہ یہ سالم والی "لوکی" ہے وہ حد سے زیادہ حاسن اور ہاتھ تھا۔

"ہم سوڈانی نسل ہیں" معتمد نے بھی اضافہ کیا۔ ان دونوں کے برعکس حداد بالکل چمپ تھا گاڑی شرط خانہ داخل ہو رہی کی حد سے آخری پہلو میں داخل ہوئے گھسی بدر کو خوف سے کچی آگئی۔

دقاس نے سامنے لنگش میں بتایا چاروی، سسر نر دہی دھیرہ قانونی انٹری پر یہاں سکوا میں نہایت سخت ہیں فوراً سزا میں دی جاتی ہیں پاکستان کی طرح سالوں معذات نہیں چلنے، اودا کے کیسے قتدات کے فیصلے پر پتا نہیں مکتا۔ اور بدر پر تو یہ سارے کے سارے الزام سے ایک بھی ان میں سے کم نہ تھا وہ پردی دل رب سے فریاد نکال رہا تھا۔

اور یہ سب جان میں معلوم کی آہ سیدی عرش تک جاتی ہے ری وڈیکل ضروری ہے لیکن ہاتھ سے چھوڑی قطعاً نہیں۔

☆☆☆☆

"میں میڈیا د انٹر پول وغیرہ کسی کے بھی سامنے نہیں آتا جانتی وہاں اخبار کی دی سب لوگ مجھے بچانے میں گئے میرے خاندان کے ساتھ ساتھ میرے گھر کی بھی بڑائی ہے"

وہ پاکستان کے مردان سینٹر سے تربیت یافتہ میجر طلال کے سامنے زار و زور در کر اپنے مسائل

بتا رہی تھی میجر طلال بہت ہی صاف شفاف اردو بولتا تھا

"دقاس نے اب تک تو تصویریں اور ویڈیوز اپلوڈ کی ہوں گی"

"بیٹا آپ مجھ کو کریں دقاس یا نوید یا جو بھی ہے وہ بس نہیں سنیں کچھ دلا ہے۔ آپ کے گاڑی کا نمبر بتا دینے سے فریس کرنا نہایت آسان ثابت ہوا ہے۔ بلاشبہ آپ بہادر ہیں۔" میجر کا انداز واضح طور پر پکارتے والا تھا۔

"تو اس کو کیا کریں گے سارا مواد تو پاکستان میں ہے۔" جیسے میجر کی کندھائی پر بچھا لگئی۔

"آپ مجھ پر زبردستی کریں گی بیٹی!" میجر نے اس کی سبز آنکھوں میں جھکی سرخی پر اپنی روش آنکھیں گاڑ دیں تو بدر کا سر پر ساختہ اشکات میں مل گیا

"آپ شیخ سالم حداد سے نکاح کر لیں ابھی اور اسی وقت" وہ کہا بت محسوس اور پراعناد انداز میں بولا۔

"بیٹا میں آپ جیسے کچھ نہیں چھپانا چاہتا، حقیقت یہ ہے کہ آپ بدستنی یا خوش سخی آپ جو بھی سمجھیں اسے کمر عجب کے عرب بچوں میں چھپ سکتی ہیں۔ ان شیخوں کی برائیاں کے بچ بچ اٹھائی ہے کہ اپنے ہم منصب کی حرکت کی قدم قدم کرتے ہیں شیخ سالم حداد جاوادی کو چھری سے جو آپ کو سامنے لائے تھے آپ کے سارے مسائل حل کر سکتی ہے سب سے ام و بڑی بات شیخ لوبیتی سے بچنا ہی صورت ممکن ہے جب آپ کی ڈھال شیخ حداد و بدر نے وہ دنیا کی کسی بھی کی گئے ہے آپ کو صوفیہ کالے کا شیخ حداد کی "حرمہ" (عزیزت) بھائی ہوئی کو حرمہ بھی بولتے ہیں۔) کے لیے بد ارادہ رکھنا ہرگز ہرگز آسان نہیں۔ میں پاکستان کو اپنا دوسرا گھر سمجھتا ہوں اور ہر پاکستان کی تو میرا ہی تو قیر سمجھتا ہوں یہی غصا نہ رائے ہے۔ اس میں میرا یا میرے ملک کا کوئی مفاد نہیں۔"

وہ چپ ہوا بوند بوند پڑی۔

"میں جیل اور میڈیا کو نہیں بچا یا پاکستان بچنے

جاؤں گی۔“
 ”باہل کی کوکان دکان خربہ ہوگی کہ آپ کچن حالات سے لڑ کر پتلیں ہیں میں گا رنگی دیا جتا۔“
 وہ ان چادوں کے جلو میں شرط خانہ کی مسجد پہنچی۔ پہلے انہوں نے مسجد کی امامت میں جبر ادائی گہر سات لوگوں کی موجودگی میں اس نے سالم کو قتل کر لیا۔
 اُسے لاہور کے چھوٹے سے گھر میں ہونے والا نکاح یاد کیا۔ اُسے وہاں کے لیکن یاد آئے دل ایک دو لہو میں گر پھل گیا۔
 ”مجھے معاف کرنا میرے پیاروں ہم سب کی عزت بچانے کی خاطر میں اس مقام تک آچکی ہوں لیکن میں اب بچوں کا محلہ نہیں بنوں گی جیسی وہاں سے آئی تھی وہیں میں لوگوں کی خود پرکوشی آگے نہانے دوں گی کہ وہ جو ارکا تھا کرے ہوش نہ ہوئی اب حواس کھڑکیں۔“

احاطہ میں داخل ہو رہے تھے۔
 ”میں دقاس نے لیوا اور اس کے بچے کو قتل کر دیا۔“
 ”کیا..... وہ انسان کہلانے کے لائق تو پہلے بھی تھا مگر آج غناک ہوگا مجھے اعزاز دے تھا۔“ بدر کو وہ بھی روتا اور اس کی ہنسی یاد آئی جس کی بہت سی شہادت خود دقاس نے تھی۔ آنسو بے اختیار دوں ہوئے۔
 ”تو آج میں نے کیا کیا ہوتا تھا جی۔“
 ”لیکن لیوا تو بڑا روت تھا۔“
 ”ہاں اور دقاس شیخ بلوکی کے ساتھ دوبارہ سونٹ کی طرف آیا تھا وہیں اُسے لیوا نے پھر سے دیکھا اور یہ سب ہوا۔“
 ”اس کا مطلب میری گمشدگی کا ان لوگوں کو پتا چل گیا ہے۔“
 ”ہاں۔۔۔ ان ایک تھا کہ ہمارے بارے میں ہی پوچھنے کے لیے اس نے لیوا کے ڈور کو اکٹھا کیا پھر ان میں ہاتھ پائی ہوئی لیوا نے سینے کی پر ام اس کے سامنے کی تو اس نے پر ام کو بھی ہاتھ ہار دیا پر ام الٹ گئی پھر مہیوں سے نیچے چا کر۔ پر ام بھی اس کے اوپر جا کر۔“ بدر کے منہ سے کئی جمل کی تھی
 ”سی جان اور اس سونٹ دو تینوں خاصوں کی اور مسجد کی تحفہ گاہ ہے تھے تھیں جتنا سالم ہاتھ۔“
 ”اور لیوا کے ساتھ کیا کیا اس درندے نے“
 ”لیوا نے چھری کے ساتھ دقاس یا بچوں کو دہلیذا انسان ہے اس پر لڑا لیوا دقاس نے جبین کر اس کی شاہد گاہ ڈالی۔“
 ”تم نے پاکستان کی شہادت پسند کیوں ہوئے ہو؟“
 ”مستحق ہے۔“
 ”کچھ نہ سمجھ کر بھی بہت کچھ سمجھ لیا تھا اور اب سوال بھی کر ڈالا۔“

”فردا صبح کے دوپہل کو تو میرے لاگو کرنا سراسر بالاضافی ہے اچھے برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں اس میں کسی ملک یا شہر کو برا کہنا درست نہیں کچھ بلوکی میں لوگوں میں سے ہے۔“
 ”ہاں جو دستہ شہزاد کے اس نے اپنے وطن کا دفاع ضروری سمجھا ترجمہ

کے فراموش اشیاں دیکھتا سمجھ کر لیا تھا۔
 ”جب ہی آوارہ بی اہل کار دقاس کو جھڑکی سے پکڑے اندر داخل ہوا جوں ہی اس نے بدر کو دیکھا تو جھڑکی چھڑا کر ہڈیاں اعزاز میں جتن دھاوا کرتا اس کی طرف پکا صاف معلوم دے رہا تھا اس پر لڑکی دھشت سوار ہے۔“
 ”میں نہیں بھی ماراؤں کا تم نے سب کو ہر باد کر دیا مجھے اعزاز دیا سب تار کر دیا۔“
 ”بدر دھشت سے چاندنی کا بچہ نہ بن گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ بدر تک پہنچا شیخ سالم کا بیچ اس کی ہانک خون آلود کر گیا۔“
 ”میرے سامنے یہی ہوئی کو کھی۔۔۔۔۔۔“
 ”آر۔۔۔ لی آفیسر نے شیخ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید کارروائی سے روکا دقاس خون افشانی ہانک کے ساتھ خون کی کیفیت میں بولے گا
 ”اس کی گود میں بیٹہ کر اس سے شیخ بیس کوئی آوارہ عورت اودھ نہیں پاتاں سے کی دھڑلے گا اس کی بھی منہ ہوئی چوکی تھی ہی ہوا اس کی پہلے ہی چالی اس کا ہوا پلک کر سوت پر لڑکی تھی۔ اس کی جڑوں دھڑکی۔۔۔۔۔۔“
 شیخ سالم کے اگلے ہاتھ کے تھپڑ کو آفیسر نے اپنے ہاتھ پر رکھ لیا۔
 ”انت بچوں اونی بیت۔“ (کیا باہل ہو گئے ہو مگر جا اپنے) بیجمر نے ہر مار کر آفیسر کی تانہ کی تو شیخ سالم نے سرخ چہرے کے ساتھ ہار کا ہاتھ پکڑ کر جاہان اعزاز میں گزرا لیوا کو دھشت زدہ کی پیچھے پیچھے کھینچے کی راہداری کے انتقام پر کھڑا شرط خفہ سے دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔
 ”یہ پاکستانی جہاں بھی جاتے ہیں معینیت ڈالتے ہیں۔“
 ”ملاح۔“
 ”شہر میں اگلے دو قلم سے۔ بہت بڑا ظلم ہے۔“

☆ ☆ ☆
 شرط خانہ سے شیخ سالم سے سیوا ہائی روڈ دئی کر لیا گیا تھا۔ فیضی ستریں ڈاکوٹ چاہے تھے، لے کر فراموش اشیاں دیکھتا سمجھ کر لیا تھا۔
 ”جب ہی آوارہ بی اہل کار دقاس کو جھڑکی سے پکڑے اندر داخل ہوا جوں ہی اس نے بدر کو دیکھا تو جھڑکی چھڑا کر ہڈیاں اعزاز میں جتن دھاوا کرتا اس کی طرف پکا صاف معلوم دے رہا تھا اس پر لڑکی دھشت سوار ہے۔“
 ”میں نہیں بھی ماراؤں کا تم نے سب کو ہر باد کر دیا مجھے اعزاز دیا سب تار کر دیا۔“
 ”بدر دھشت سے چاندنی کا بچہ نہ بن گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ بدر تک پہنچا شیخ سالم کا بیچ اس کی ہانک خون آلود کر گیا۔“
 ”میرے سامنے یہی ہوئی کو کھی۔۔۔۔۔۔“
 ”آر۔۔۔ لی آفیسر نے شیخ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید کارروائی سے روکا دقاس خون افشانی ہانک کے ساتھ خون کی کیفیت میں بولے گا
 ”اس کی گود میں بیٹہ کر اس سے شیخ بیس کوئی آوارہ عورت اودھ نہیں پاتاں سے کی دھڑلے گا اس کی بھی منہ ہوئی چوکی تھی ہی ہوا اس کی پہلے ہی چالی اس کا ہوا پلک کر سوت پر لڑکی تھی۔ اس کی جڑوں دھڑکی۔۔۔۔۔۔“
 شیخ سالم کے اگلے ہاتھ کے تھپڑ کو آفیسر نے اپنے ہاتھ پر رکھ لیا۔
 ”انت بچوں اونی بیت۔“ (کیا باہل ہو گئے ہو مگر جا اپنے) بیجمر نے ہر مار کر آفیسر کی تانہ کی تو شیخ سالم نے سرخ چہرے کے ساتھ ہار کا ہاتھ پکڑ کر جاہان اعزاز میں گزرا لیوا کو دھشت زدہ کی پیچھے پیچھے کھینچے کی راہداری کے انتقام پر کھڑا شرط خفہ سے دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔
 ”یہ پاکستانی جہاں بھی جاتے ہیں معینیت ڈالتے ہیں۔“
 ”ملاح۔“
 ”شہر میں اگلے دو قلم سے۔ بہت بڑا ظلم ہے۔“

انداز اہوا ہوجھڑا کتنا ضروری تھا۔

”نور کبیر سے گھر غصہ نہ ڈالو، کسی اور کے خواب دیکھو، بچہ کی تو میں ہی جتنے شادی کروائی ہوں، یاد آنا تمہارے بل تو خبر کی دوسری شادی پر عورتیں خوشی کر لیا کرتی ہیں..... ہیں نا“ تصدیق جاتے لیجئے میں حدود جیسے سرفروشا۔ ”ہونہ نام کے مسلم، غسل سارے الٹ اور شادیاں ہم عروہ میں کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تو بھلا ہو کمزور (حکومت) کا بیج کلام ڈال رکھی ہے، اگر عرب مزید بے تعلقی کر بھی لے تو ساری زندگی عرب کا شہری۔ جنس ہاں سکا کر مرد۔ خارجی می رہے لی بظاہر (درازا) کی لگو تا ہزار اس کے گا دو سال بعد“۔ وہ دھب دھب کر کے باہر نکل گئی۔ پھر کوٹ کھٹ پھوٹ سمیت اس کا بیٹہ بیک دے دیا گیا۔ ظاہر ہے ہاتھ پکارا اور باہر نکل آئی باہر کھڑی بہت سی بچی کاڑیوں میں سے ایک ہی انہی کی آئی تو میڈیٹار (ایر پورٹ) پول کر خود می اس کے ساتھ پیچھے بیٹھ گئی۔

☆☆☆

لاہور پر پورٹ سے گھر تک کا سفر خوشی و غم اور یقین دے بیٹھی کے درمیان سے ہوا، اس کی ادھک آدھ جہاں باں کے لیے بہنوں کے لیے خوشی کا باعث تھی، وہیں پچھرا افراد کے لیے غصے کا باعث و صدمہ کی سبب تھی کہ۔ اس نے غصے کی کاروائی بھی اپنے ہاتھ سے کیا۔ اس کے پاس تو بیٹہ بیک میں کچھ بھی نہ تھا، چیک وہ طوطی حداد کے منہ پر مار آئی تھی۔ باں، بہنوں کے سوا اس کی آپ بیتی پر کسی نے خاص یقین نہ کیا، جب اس نے موت دیکے کر وقاف اسے دئی کہ اس کا شادی ہو، دو روز پڑھا۔ جب کہ گمان کا اس کے پاس دو سال کا دیر تھا، لوگوں کی طرح اس کا ٹیکہ بے وقوف بناتا تھا۔ اس نے مہر سے کہا، وہ نہر نکالے جس سے وہ دھن سے کال کرتی تھی۔ وہ دھن کی کٹری کوڑ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ پھر اس نے دہان سے وہ مہر نکالنے کا کہا۔ جس سے وہ غمان کا کہہ کر بات کرتی رہی۔ وہ بیچ نکالنا تھا۔ کویت کا

نمبر کٹری کوڑ کھین نہ تھا۔ سواد سے یہ دلیل بھی رو کر دی کہ ”نمبر کوڑ روٹنگ پر کرا لے جاتے ہیں۔“ اس نے قسم کھا کر یقین دلانا چاہا کہ اسے خود وقاف سے بچے ڈالنا تھا۔ میں ہزار ہا پال کے عوض ادھر گرد و خود جاتی تو اپنے خالی ہاتھ تو آئی۔ مہر کا ذکر دہر سے دہر کر کے کرتی تھی دہر آگ سے بنانا چاہتی تھی۔ وہ بڑے غار خادان تھے جو بختوں میں بدل رہے تھے اور اپنے بھتیجیوں میں۔ وہ جو کسی کی بدولت انگریزوں پر زور ڈال کر ہزاروں سے بچ آئی تھی، مگر کے پورٹر سے بچ نکلی۔ وہ بدل کلاس سے بھی بچنے والے تھے کہ لوگ تھے جہاں لڑکیوں کی شادیاں بیچنے کی بدولت وہیں بی سلسلہ میں جاتی ہیں، تو کہاں بدل جہاں جو درد، رشخوں کے ہاتھ تھی رہی تھی، وہ کئی بار باردار کہاں کہاں لپٹی جاتی تھی، اس سے زیادہ اس کے رشتے والوں اور نکلے والوں کو چاہتا تھا۔ خاندان اس سے دھوری کی آؤ سے گرد، وہ تیر برس میں خود، درمردوں سے نکاح کر کے بھی اس کے لیے غصہ، غائب اور آزار تھے۔ وہ کسی سے مل بھی نہ سمجھت اور نہ بیتی تو عذاب و ہوا تک تھی کوئی بھی، مگر اگر سوچا کرتی۔ ابھی تو میں سیدھی کھر آئی ہوں، اگر کئی اور ورتیل سے ہو کر آئی تو کیا بنے؟ اناس اس کی طرف دھن تو بس روئے جایا کر میں، پھر اسے ہی کویت دیتے۔

”نی بدرو تو پچھا ہوتے سر جاتی، تیرا دھن میں ایک پٹ نہ ہوتا۔“ مجھے کوئی گنگ جانی تو دہان بھی نہ آئی، مجھے مہر آجاتا تو دھر کیا لینے آئی۔ تو کمال کی کڑی کڑی تھی، اس کے پاس ہی رہ جاتی تو کمال سے جانی کہ اس کی، تو نے مجھے بیٹے بی بی مار ڈالا۔“ وہ باں کے پاؤں پر جاتی، اسے پتا تھا اس کی محبت میں یہ کون سے دیتی ہیں۔ اس کے دکھوں پر کرا لاتی ہیں۔ روتے ہیں تو ان کو بھی ملتے تھے، اور بچے سمجھی ہوئے سے مہر دے دانتے سے، رشتے والوں کو خوشیاں لکھانے سے اور مگر جہاں کی اس سے کسی زیادہ اچھی جگہ شادی کرنے کے ان کے بڑے پول

ان کو چھو میاں، ممانیاں آتے جاتے یاد کروا کے جاتی تھیں۔ اس ساری صورت حال سے ان کو ہاتھ کر ڈالا، جب کہ بدر جہاں کو ان کی بیماری نے پھر سے زندگی کی دوزخ میں شامل کر ڈالا۔ وہ پڑھا کر آئی تو اس کا سہا بن جاتی، وہ دوسرے ہزار کے کر آئی اس سے بھائی کا بھی منہ بند کر ڈالا تھا۔ (دقی طور پر) بلا کی مری میں آگ مگر سارے سورج تھے جب اسے روڈ کراس کرنے کے لیے انتظار کرنا پڑتا تو اسے وہ غمان دھن یاد آ جاتے، جہاں جانوروں، بچوں اور عورتوں کو دیکھ کر معر فہ ترین شاہزادہ بھی ٹریک کر جاتی۔ ”اڑنا“ کہ پہلے ہی کراس نہیں۔ بھائی ان کو دیکھ کر کھانے سے پٹنے کی مالدار ہیں، بھائیوں کے بیٹے بھانجی تو اسے انتہیوں کی وہ مقامات یاد آتی جو وہ پاس سے گزرتے ہوئے ہر اچھی کے ساتھ کیا کرتے۔ وہاں کوئی ایک برا عملایا تو تھن، چار دھنے بھی ملتے۔

☆☆☆

امان کا گزرا اس کے لیے جو صدمہ تھا سو تھا، لیکن یہ جہاں اور طیبہ کے لیے تو گویا زندگی ٹھک پڑنے لگی۔ ایسے میں امان کے بعد امان کی زبان آپا اور مہر کے منہ میں آئی۔

”ہاں“ تو سالم کو کال کر تو تھی، کیا بتا کچھ بہتر ہو گیا۔ ”ہاں“

”آپا کیا بہتر ہوگا؟“ وہ بظاہر اپرا دوا ہو کر کہہ دیتی۔

مجلد دھن ہو باقی تو سالم کا نمبر بتا۔ میں تھی ہوں وہ مجھے بلائے دہاں۔ ایک بات تو مجھے پتی تھی کہ سب اچھا ہو جائے۔ ”وہ بیچ سالم کا نام اس سے لکھے ہوئے تھیں جیسے بچپن کی جان بچان ہو۔“

”آ“ اس نے نیکی کی تو میں اس کے گلے پر جا کر، خوشی میں کرب سمجھنے کا کہہ دوں، دیکھ لوں کہ کسی کے لیے چمن، دروات و مہر چھوڑتا ہے۔ بھلا۔“ وہ اپنی اہلی اور بائیں کا ہونٹ بیٹھانے لگا۔ جلد کہ آج بچا میں پھلوں تک پہنچ جاتی۔ اس نے لگتا ابھی

دل پھٹا کرتی۔۔۔۔۔

”آپا آپ کو یاد ہے شادی سے پہلے آپ کہا کرتی تھیں، محبت سے بڑھ کر کوئی دوست نہیں، تو اب.....“ مہر پوچھی، وہ کہاں کی باتیں تھیں، یہ حقیقت کے دھڑے ہیں۔ بدر محبت زندگی سے ہوئی ہوئی کہاں کی بچی ہے۔ وہ ہر جگہ کرکھ جاتی۔ ”تھیں کرتا مجھ سے کوئی شادی تو نہ کرے، میں بس اس کا ہر اور طیبہ کے لیے بچہ کرنا چاہتی ہوں، یہ سال تو خالص ہو گیا، اگلے سال کاغ میں اپنی میٹھن کراؤں گی اس کا مگر بھائی اور جدانے اگلے سال تک ٹوٹ جاتے ندی اور مڑو سال مہر کا رشتہ بھائی کے بچے سے کر دیا، جس کے سات بیٹے تھے اور حال ہی میں آٹھویں کی دفعہ تھم کر دی تھی۔ بدر کو انداز تھا کہ اس کی کہانی کے بعد اس کے بھائی کے رشتے زرا مشکل ہوں گے، لیکن اساتے بھی نہیں کسترہ سالہ لڑکی کو سات بیٹے پالنے کو دے دیے جائیں۔

اسے معلوم تھا جیسا واقعہ شے ہے جو سجاد اور بھائی کے ہر ارادے سے کو بدل سکا ہے۔ اسے پلائیم کو ردال فون یاد آ جاتا جو سالم نے اسے دیا ہوا تھا، وہ کسی وہ طوطی حداد کے کر سے میں چھوڑ آئی تھی۔ تا کہ وہ اس کی خودداری کو انداز دے کر کاش وہ ہوتا تو اسے ہی بچ ڈالتی، پلائیم تو خاص مہنگی ہوتی ہے۔

”آ.....“ اس کے پاس آئی دولت کو فون اور جو تھی پلائیم اور گولڈ کے رکش، ایک میں کہ ضرورتوں کو ترسے ہوئے۔ اس گلف میں بہت سارے لوگوں کے فون دے جو تھے بچی دھات کے دیکھے تھے، گولڈ کے جوئے اڑن جانوروں کے بیروں میں اور پلائیم کے فون عروہ کے ہاتھوں میں۔

”پچھا بھی فساد کی جڑ ہے اور چسپا تمام مساکر کا کل۔“ وہ مہر اور طیبہ کو کھٹکسل روتے دیکھ کر سوئے لگی۔ اس نے برس سے سوکا مڑا زناٹ نکال کے مانی کے ہاتھ پر رکھا، کانگ کاڑا کر دو۔ اس نے تیرہ سو کھانچ پر تیرہ ہی ہندے ڈال دیے،

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆



منعم ملک

کھواکے دل

فروری کی ہلکی ہلکی دھند نے پورے چاند کی چاندنی کو مٹھ کر دیا تھا۔ صغریٰ دھند دھواں بن کر درختوں کے گرد گھومتی تھی۔ فلک کی ناگ میں تاروں کی افشاں بھری تھی اور اوپر سے بچے تک چاندنی میں ملے سفید خٹوے پر دے سے کرے تھے۔ کبر

اگر جو جسم ہو تو اس نے غمائی کر لی کہ سب سے بڑے ٹکالے چاہے تو وہ میدان چاہتے ہوں۔
”زوجہ یہ کس تمہارا بھی ہے تمہارا نان و نفقہ جو میری ذمہ دار کی ہے میرے ہوتے نہیں اس کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔“ وہ اس کا اشارہ بھگی اور ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔
”یہ آکھیں مجھے دے دو۔“
”کس کی دے ڈالیں۔“ وہ ہلا جھک ہوئی۔
”مائی آنر۔“ جہاں اس نے بیٹے پر ہاتھ رکھ ڈالا۔

”سجاد بھائی میرا کواٹل سمیت اچھے سے کالج میں داخلہ کر دینا، سارا خرچہ میں بھیجا کروں گی، آپ نے بس ان کا سر پرست بن کر ان کو پڑھانا ہے اور پل ان دونوں کی شادی کی فکر بالکل چھوڑ دیں، ان کو اپنے بچوں پر کھڑا ہونے دیں بھریم سر پل کر شادیاں بھی کر دے گی۔“ یہی آپ بس اپنی بیوی، بچوں پر بھی توجہ دیں، کسی کو بھی آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔“ وہ بھائی کو برس پکڑا رہی تھی۔
”غمائی کر گئی ہے، تبدیلی کر دالیں۔“ وہ ہاتھیں کیے جارہی تھی، روئے جارہی تھی۔ سجاد بھائی کو بھی جانتے کیا ہوا، وہ بھولا ہوا پرس لینے سے انکار کر رہا تھا۔
”خوش سالم سے بے نیاز جن میں بڑی فٹ بال کو پڑ سے چھو کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے پاکستان کے فٹ بال سے ہی پھیلنے کی ابتدا کی تھی۔

پردے ہر کے ہاتھ میں برس دیا اور روئے ہوئے باہر نکل آئی۔ اسے یقین تھا، اب روئے ہوئے جارہی ہے، تو چھتے ہوئے آیا کرے گی، جب ہنسی ہوئی گی تو روتے لوٹا رہا تھا۔ ایک آف کے بعد سالم نے سیٹ اسٹریج کر لی، اپنی بھی اور اس کی بھی۔

”ہم سہو دیہ کیوں جا رہے ہیں۔“ وہ بولی۔
”ممان میں فی الحال ہماری کچھ نہیں ہے، اس لیے۔“

پردے کے آنسو دل پر گرے۔ ”تو بن جائے گی

خاتمی: "میں جنہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں یہ ہمارا کچھ ہی نہیں ہے۔ سوویتز انہیں اعزاز دے بھی نہیں کر اس دن کے پیچھے کئی ایرانیان جنم لیں ہیں جن میں فتی اثرات کی طرف بھیں جاتا تا کہ ہم نہ جھوٹیں اپنی ایرانی جسامتوں۔ جو کئی برسوں میں اپنی

”ہاں... اس دن اسی لیے پھول کے چادے ہوئے ہیں کہ کوئی آپ کی کشتی نہ دھرتا ہے اور اس سے آپ کو کوئی بھی معرضہ نہ رہا۔“

”اچھا۔ اور پھول دیتے کیوں ہیں؟“

”تا کہ ان کی محبت اس پھول کی طرح خوشبودار اور دروازہ دروازہ ہے۔“ اسے سب پتا تھا۔

”تا کہ ان کی محبت اس پھول کی طرح ہر جہاں سے سوکھ جائے، مطلب یہ بھی کہ تو کیا جانتا ہے کہ پھول چند دن میں ہی بے کار ہو جاتا ہے تو کیا محبت کو چند دن زندہ رکھنے کے لیے پھول دیتے ہیں؟“

وہ اس بات سے اسے لا جواب کر گیا، مگر اس کا سہرا بھر کر وہ مزید گویا ہوا۔

”ہاں مگر..... اور جہاں سراسا شیانہ..... وہاں جنت۔“ وہ جذبات کے عالم میں کہتا ہوا صوفیہ کے سادے رنگوں سے زوردار کھانا۔ صوفیہ نے آنکھوں سے دھندلائی دیکھی۔

”اسے میں خود سمجھوں۔“ وہ چمپڑتے ہوئے بولی۔

”ہر انجان کاں جاں کر ہوا۔“

”ہاں شادی کا تختہ۔“ وہ اس کی آنکھیں خشک کر کے بولا۔

”لیکن پھر بھی..... پھول اگر.....“ وہ کہتے

”جیسے اختلاف ضرور ہے ان سے، لیکن وہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں صرف تمہیں سمجھانے کے لیے یہ گفتگو کر رہا ہوں کہ معمولی بات کو لے کر اپنے عجیب آسٹو کو یوں ضائع کر دے کیوں کر تمہارے شوہر پر یہ تکلیف دینے ہیں۔ ویلٹن ان جیسی خرافات اس لیے بیان کرتے ہیں کہ یہ سارا بچے کے کواز پر ہی لوہا رکھی ہوئی کھل کا دھوکہ جو کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس کے منہ کی اثرات سے بھی کہ انسان نکلتا ہے۔ یہ سوچیں کہ تم بھی کسی برائی میں ملوث ہیں یا ایسی ہی کوئی غلط سوچ یا کہیں بدداشت ہوگا۔ میرے بچے دوڑ کر نہیں آتے، تم بھی نہ دوڑو گے۔ یہ سب باتیں بھول کر چلو۔ وہ سب کا منہ صرف

خواتین ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے مقبول ناول

[illegible]

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32735021

میرزا کا رشتہ

لوہاں ماہاں کی طبیعت شدید خراب ہوتی ہے وہ اپنے بیٹے ازبیر سے ملنے کی خواہش رکھتی ہیں۔ جب کہ میرزا کاکی اس سے ناراضی چل رہی ہے کہ ازبیر نے ان کی سالی کو طلاق دے کر آسٹریلیا میں کرسمس لڑکی شادی کی تھی لیکن اب اس کے اسرار پر حیل ڈکا ازبیر کو پاکستان بلانے کے لیے تامل کر رہا ہے۔
رضاحیات کی بنی ماہم کی تنگی ہے اس میں پتا چلتا ہے ازبیر پاکستان آ رہا ہے وہ شرکت کی دعوت دے رہے ہیں۔
ازبیر مریم دونوں پاکستان آتے ہیں۔ کچھ مابراستی کے اظہار کے بعد میرزا کا لے آئیں معاف کر دیا روایتیہ کو نہ لانے پر تنگی کا اظہار بھی کیا۔

کیا رہی شادی

مکمل فن



ازبیر اور مریم آسٹریلیا کے شہر کوڈریہ میں رہتے ہیں۔ ان کی اگلی بیٹی روایتیہ شادی کے گیارہ سال بعد پیدا ہوئی۔ غیر معمولی خوب صورت اور معصوم روایتیہ کی سالگرہ جندب نے وہاں کے حضور بھیج کر ان کو سٹ میں ارٹنگ کی۔ جندب ازبیر کے پرانے دوست رضا حیات کا بیٹا ہے۔ جو آسٹریلیا میں پڑھ رہا ہے۔ جندب اور روایتیہ کی پر طعوس دوستی ہے۔ جندب اسے پسند بھی کرتا ہے مگر اظہار نہیں کرتا۔
میرزا کا فیصل تیار کے کو اچھی گاؤں میں مانتے ہوئے زمیندار اور ام ساسی شخصیت ہیں۔ بیوی وفات پا چکی ہے۔ ان کے دو بیٹے خاسم کا فیصل ڈکا ہیں۔ خاسم کی دوستی اچھا ل اور اولاد ان ہیں۔ ان کی بیوی آئمہ رواجی زمیندار کی نور جو بیٹی پر حکمران ہیں۔ میرزا کاکی والد مال جان باغ کی مرضی ہیں۔
جندب جو بیٹی میں جدی جتنی خدمت گزار ہے، لیکن خصل کی پر کشش شخصیت کے تحریک بری طرح جکڑی ہے اسی لیے اپنے ہر آئے والے رشتے کو ٹھکرائی دیتی ہے۔
شہر ڈکال ایک اکوڑ باغ شخص ہے۔ دولت مند ہونے کے ساتھ وہ بھی مزارع بھی ہے۔ سپرینڈ ہے پند کی شادی کرنے کے باوجود اس سے اتنا بارہتا ہے۔ وجہ چار بیٹیوں کی اور تیسے پیر انکی ہے اور وہ بیٹے کا تمنا ہے۔



”خبردار جو میرے قریب آئے۔ میں دھن
بدکردار عورت ہوں، جس نے تمہاری جگہ کسی اور کو
دی، مجھے اپنے کردار پر لگے جھوٹوں سے پیار ہے،
کچھ نہیں سن سکتا ہے، چلے جاؤ یہاں سے۔۔۔۔۔
جاؤ۔“ اسے خود اپنی دھماکہ موٹی لگی کسی اور سے یہی
سے قدم اٹھائی جانب پھڑپھڑ سے۔ وہ آہستہ آہستہ
پیچھے جا رہی تھی اور سر مسلسل نیچے کرتے رہا، جہاں وہ
سے تیزی سے، کیڑا کیڑا کیڑا کیڑا کیڑا کیڑا کیڑا
دماغ اس سے کہیں زیادہ تیز پانچ سال بچے بھاگ

”راہی راہی تم میری بیٹی ہوتا۔ تمہیں میں نے جہنم دیا تھا، مجھے بہت درد ہوا تھا راہی، تم بہت تکلیف سے پیدا ہوئی تھیں۔“ راہی کا معصوم سا چہرہ

لاؤنج کالا کڈ دروازہ زور، زور سے دھڑ دھڑا
ہا تھا۔ بریٹھ نے جب اسے لاءونج کی جانب

”لیکن سلوٹی نامم کا بہت فرق ہے، ایک ڈیڑھ

”رہائی ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ جنسب
 بھی ان سب کے ساتھ ملا ہوا ہے، ہمارے ساتھ کوئی
 نہیں ہے، میں اللہ سے کہوں گی، وہ ہمارے لیے
 راستہ بنائے۔“
 اس کے کانوں میں بہت دیر تک دروازہ دھڑ

اے..... سچ کہتے ہیں عورت کا پھیلا یا شرم بہت دوںک جاتا ہے۔ پناہ مانگنی چاہیے اس وقت سے ؟ عورت کو سرکشی پر لے آئے۔ ”آخری جنگی جملے پر عائشہؓ کو آنکھیں میسے سے اٹھیں، لہجہ برہنہ تھا۔

☆☆☆
 ہمیں اس کی بات بہت غور سے سنی گئی
 تھی۔ اس کے مدعا پر وہ مزید تحقیقی سوال کر رہے

”میم بات سنیں۔ آپ کی بات سن لی گئی ہے۔

ہم ابھی تحقیق کرتے ہیں اور یہ کہ آریستارلس کے چند درجے آئے ہوئے ہیں۔ ایسا ہے آپ صحیح اپنے ڈاکٹرنس سے لڑائیں، پہلی فرصت میں آپ کا کام ہوگا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا۔ مجھے اور میری بیٹی کی جان کو خطرہ ہے، میں سحر سے نہیں نکل سکتی، جس میں غوا کر لیا جائے گا۔ میں اپنے اور بیٹی کے تمام ڈاکٹرنس آپ کو ای میل کر رہی ہوں۔ اور میں آپ کی طرف سے اس وقت آئی جب سرفیدہ ہادی کفٹر، فلائٹ کا بندوبست ہوگا، مجھے سیکورٹی پر اہم ہے۔ سیکورٹی کی ذمہ داری میں۔“

”اوکے“ ”اوکے سیم۔“ ”پہنسی آپ کے ساتھ ہے۔ بے فکر رہیں۔“

ان کے بے فکر کردہ دینے سے وہ بے فکر تھوڑا ہوئی کی رات کے تھکے کی ہوائے وندھن کر کر توڑنے شروع کر دیتے تھے۔ چاروں جانب موسم کی وجہ سے دھندل دھندل کر رہی تھی۔ سبھی کی سبھی اپنے اپنے کالینن دلائے کی سرگوشی کر رہی تھی۔ دن لکھا، پھر اسلام آباد جاگ گیا۔ سرورنگوں پر گرمیوں کی چھوٹی ڈاکٹریاں۔ لوگوں کے ناک، منہ سے نکلتی بھانپ کے دھوئیں آواز میں شور، چٹل تھکی شہر کے زندہ ہونے کا چارے سے رہی۔ البتہ اسی شہر میں کچھ کمرے ایسے تھے جہاں موت کا سنا اور دور پر تصور ہو کر چکا تھا۔ وہ بیلر کاؤن سے لچکے لگائے۔ رات کی کار کو دھن رینگے۔ جو ان کی توں بھی گئی۔ اسے یہاں سے جلد از جلد لگتا ہے، اس سے آگے اس کا ذہن کچھ بھی سوچنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ کھلی شیر گیت پر جاگ چکا تھا۔ اس کی پوری سرودت گارڈز سے نکل کر ان کے کام بھٹکا بھی گئی۔ اس نے گی بار لاؤنچ کا روزانہ کھٹکایا۔ مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے ڈر سے ڈرے روایتیہ نے ریسپونڈ اور اسے سختی سے کہا تھا۔

”صرف باہر کے کام کے تم جاؤ، آرام کرو،

اور شہر سے کہہ دو کسی گھنٹہ سے اندر آئے، دے۔“ ”جندہ کو بھی۔“ کوئی بھی خواہ رخصیات ہو کیوں نہیں ہوں۔ کہہ دو طبیعت خراب ہے، مگر آرام کرنا چاہتی ہوں۔“

آؤٹ لیٹ پر در پر پوج جانے کے سبب بھی کال آئی تھی۔ اس نے بنا جس پیدا کیے بہت عا۔ سے انداز میں کہا تھا۔ ”یعنی میں چندوں کے لیے دوزخ ایک رشتہ کیٹ کے سلسلے میں جاری ہوں۔ تم کا دیکھی رہتا۔“ اور میرا کسی کو بھی بتانے کی ضرورت نہیں، اوکے۔“

☆☆☆

صبح ہوتے ہی عائشہ کو ہائی جانے کی گنگ تھی، ماں نہیں، ماں کا رور جا رہی تھی۔ رخصیات نے بہت سچ کی مگر موت سے صرف مرد کے سامنے ہوتی ہے، یہی سچ ہے اسے آفسی کے لیے نکلے دے خاموشی سے اس کی جانب نکلیں۔ کھلی شہر کے شک اس نے سختی سے سچ کیا تھا، مگر وہ روایتیہ سے چپا عائشہ کا ملازمہ تھا اور بہت پہنچنے سے ان کے ساتھ رہا تھا۔ اس نے فوراً انہیں آنے کے لیے راستہ دیا تھا۔ عائشہ اس میں انہیں چا تھا ان کی نفسیات پر ہے، اسے کیسے دروازہ کھولنے پر قائل کرنا ہے۔ جس میں وہ کامیاب ہو گئی تھی۔ روایتیہ ان کے سامنے خود کو بہت مضبوط ظاہر کر رہی تھی، جیسے ایک معمول میں وہ کامیاب ہو گئی تھی۔ روایتیہ ان کے سامنے اسے اس کی دنی کی بھائی کی سے کوئی نہ پڑتا ہو۔ ابھی اس سے معمول کی بات چیت کرتی رہیں، جس انہیں پورا یقین ہو گیا، روایتیہ واقعی حادثے سے تسخیر ہو چکی ہے، جب انہوں نے بہت لگاؤ سے پوچھا تھا۔

”بھئی کھیلنا کیا تم نے؟“ ”میں بارے میں۔“ ”وہ بالکل انجان لہجہ میں ہوئی تھی جو عائشہ کو دے دے جراتی بھی ہوئی۔“ ”رانی۔“ ”رانی کے بارے میں۔“ ”روایتیہ چند بلبل ان کی بڑھی آکھوں میں دھنسی رہی، پھر

پیکا سا سکر کر ان کے بالکل قریب رو رہا بیٹھ گئی، اس کا انداز جھٹکا تا ساقا، کچھ حقیقت نشا۔“ ”سختی۔“ ”میں آپ کا ایک اور جگہ بناؤں۔“ ”کیا یقین کریں گی؟“ ”کیا۔“ عائشہ کو اچھا ہوا تھا کہ اور لوگوں کی حقیقت وہ بھی ہے۔ ”اللہ اس بیٹی پر رحم کر۔“ ”ان راحہ میں ان کے دل سے نکلتی تھی۔“ ”بھئی یہی ہے، بہت پہلے بتا تھا، میں بھی پیدائش کے وقت اسی طرح ہو گئی تھی، آپ کی بیٹی ماہم ہے۔“ ”وہ کہہ کر گھر بھر کے لیے چپ ہوئی۔ اب ان کا بھرنے والا رو بہ جا رہی تھی۔ عائشہ کا عقائد بات پر آکھیں سیکڑے میں اسے دیکھیں گیں۔ پھر آکھیں سے بولیں۔“

”ابنا کیسے ہو سکتا ہے؟“ ”نہیں ہو سکتا؟“ ”روایتیہ نے تسخیر میں قبضہ لگایا تھا۔“

”ظاہر ہے۔“ عائشہ کے ڈپٹ کر بولی تھیں۔ ”ماہم تم سے کی سال پہلے ہے۔“ ”چھا! پھر جندہ سے کریں۔“ ”کیا فضول بول رہی ہو۔“

”نہیں یقین آ رہا تھا آپ کو۔“ اس لیے نہیں آ رہا، آپ نے انہیں اسے قسم میں محسوس کیا ہے۔ کئی پہلے ان کا وجود آپ کے ساتھ دھڑکا ہے، اس کی پیدائش کی تکلیف آپ نے برداشت کی ہے، اس کی دے تھیں، اس تکلیف کے بعد وہ آپ کی گود میں دیے گئے آپ نے انہیں کھلایا، پلایا، مکھیں ان سے، ان کے جسم کی حرارت کو آپ نے محسوس کیا، انہوں نے آپ کو کہا، ان کی تکلیف پر جاں ہے۔ ان کے ساتھ کیا، ان کے ساتھ وہیں، پھر کئی یقین کریں گی۔ مجھے بتائیں، میں کئی یقین کر لوں، اتنا وقت میرا اس کے ساتھ گزارا، میں تمہاری، شوہر کے بغیر سارا پڑے میں نے اسے اکیلے اپنے ساتھ محسوس کیا۔ وہ تکلیف میں بھی نہیں بھول سکتی، جو دونوں میں نے اس کے لیے برداشت کی۔ ان سب معصوموں کے

بعد رانی مجھے گود میں دیتی تھی۔ آپ کو یاد ہوگا، سختی جلدی جلدی ہوا پوری تھی، کتنا دور تھی۔ اسی کے ہونٹ سوکھ جاتے تھے۔ ساری ساری رات بچائی تھی یہ۔ اسے چوٹ لگ جاتی تھی، کتنا مشکل وقت گزارا ہے، اب کی کے ایک جملہ کہہ دینے سے کہہ دے تھاری بیٹی نہیں، میں کئی یقین کر لوں، میں اپنی زندگی کے باقی سال کیسے بھلاؤں، میں ان دونوں کی تکلیف کو کچھ بھلاؤں اور پھر ان لوگوں کا کہنے پر جو پہلے ہی جھوٹے ہیں۔ ”روایتیہ کی باتوں کا کہنے پر جو پہلے ہی انھوں سے پانی اٹل کر گرنے لگا۔ کئی قطرے اس کے منہ میں بھی جا رہے تھے، مگر وہ مسلسل روتے ہوئے جا رہی تھی۔“

”مکھیں سے تو مجھ سے عبت کے دعوے بھی کیے تھے۔ کی اس کی عبت؟“ اس نے سختی دینے کا کہا تھا، دیا اس نے؟ اس نے کہا تھا عبت میں پڑیو (بھٹ) رہو۔ رادہ؟ مگر اس نے کہا، یہ پٹنگی میرا کتا ہے، تاس میں میں نے کھاؤ کیا تھا؟ اب وہ کہہ رہا ہے یہ بیٹی میں سے پیدائش کی بات کا اعتبار کر لوں، اکیسے اعتبار کرنا چاہیے؟ پیدائش کے درد کے عوض جو بچہ گود میں آ جاتے، چند سال بعد ہی اٹھ کر کہہ دے یہ تمہارا نہیں، کئی ماں کی یقین کرے گی؟ ”بھئی کئی ہے سچا نہیں، اپنی کی ماں بھی کیوں نہ کہہ دے، کوئی عزت یقین کرے گی۔“ ”ابا! اتنا کہہ دو، وہ ڈھکائی کی مانی پر تمام مگر رہے گی۔ جو میں لکھتی ہوں۔“ ”کئی کی ماں سے تو ذرا تیزو بچے کے کیٹ کر دے؟“ ”کس کی سچن سے وہ پیدائش کر گئیں، خودی عبت ہو جاتی ہے، وہ دوتے دوتے دہری ہوئی، بہت دیر روتے تھے، لیکن اس سیکڑوں میں بدل گیا۔ عائشہ خود بھی رو رہی تھی، ساتھ اس کی پشت سہلائی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ ناک زور سے چڑھانے جھلکے سے اٹھی، ”اوصاف کیے اور رانی انداز میں کہا تھا۔“ ”آپ ان کی بات کا یقین مت کریں، وہ جھوٹ بول رہی ہیں، بالکل جھوٹ۔“

”میری ميم کہہ رہی تھیں، اللہ ميں کے پاس جا کر واپس نہيں آ سکتے۔ پھر وہ کہيے ”آميں گے؟“ قبل کے ہونٹ آہ ميں پيوست تھے، وہ اس سے دیکھے گيا۔

”بتائیں نا..... اچھا دہاں جاتے کیسے ہیں،
مجھے جانا ہے۔“

”عدن پلیزیار..... چپ کر جاؤ۔“ مضیل کا دل بہت بڑی طرح کٹا تھا، عدن نے بھی نروٹھے پن سے دوسری جانب رخ پھیرتے کہا۔

اس کی آنکس کریم کئی دنوں سے بندھی اسے بہت ہند

کھاکی ہو جاتی تھی۔ اب یوں اچانک پوچھنے پر اس کا رد تھا ہوا چہرہ آہستہ آہستہ اقرار کی خوبی میں بدلا اور منہ پھلاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

چلو اسے خود ہی اٹھا کر ساند پر بٹا
 ٹک شاپ پر آ گیا اور اس کی مرضی کا فلیڈز لے کر
 اسے تمہا پاتھا۔

☆☆☆

سفید نیگ ٹراؤزر کے ساتھ گھٹنوں تک آتی رائل بلو شرٹ تھی جس کے فرنٹ اور بیک پر سرخ دھاریوں کا ٹھکانا اور چھوٹے بڑے سفید چھ ستارے

بنے سے بیٹھیں گا ذرا ان میں سے دو پر اسٹریٹس
جسٹس کی مہر پر نمائندگی کر رہا تھا۔ اس کے ایک
بازو پر ہڈی والا سرخ کوٹ تھا، اسی کہنی پر ایک بڑا
سایک لگا رکھا تھا۔ گلے میں ایک گرم مفلر تھا سرخ

رنگ کا، نہ زیادہ جوڑا تھا نہ بالکل ہی معمولی۔ کھول کر
کندھوں کے گرد اوپے لپیٹ رکھا تھا جو بالمشکل کندھوں
سے نیچے آتا تھا۔ اسٹپس میں کئے سرخی مائل مجھورے

پھیلا کر کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ میک اپ کے نام پر
دھلے صاف چہرے سرخ لب اسٹیک لگی تھی۔ اوکھی

آج دو مکمل مریم ہی لگ رہی تھی جیسے وہ بے خوف و خطر چلتی تھی۔ اور یہ کہنے والے کو پشت سے ہی اسٹرپلین محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر

ساکھو میں پڑا چاہا سو تھیں۔ اسی اور پلندہ میری رخصت۔ راجا
کا ہاتھ تھا سے پچھلی دیوار پر لگی بڑی سی ایل ای ڈی پر
اپنی فلائٹ کی ٹانگ چپک کرنے لگی۔

آئے تھے، جذب نے فون پر اس کی خبر میریت پوچھی۔ ارادوں کی ایسی کہی ہوئی تھی کسی کو کچھ ہنک پڑنے نہیں دی تھی یہاں تک کہ شیر گل اور اس کی بیوی

”میں اپنی ایک فریڈ سے ملنے جا رہی ہوں۔

ایک دو دن تک آ جاؤں گی۔ اگر کوئی طے آئے یا فون کرے تو بتا دینا گھر پر نہیں ہوں۔" پھر جیسی لے کر آرام سے ایئر پورٹ آ گئی۔ اپنے موبائل کے تمام کاغذات کو اس کے ساتھ لے کر اپنے روم میں رکھ کر باہر

اپنی سیم گھر پر ہی توڑ کر پھینک دی گئی۔ وہ کشتیاں
چلانے کے عزم سے نکل گئی۔ اسے اب پلٹ کر کسی کو
نہیں دیکھنا۔

اور اب پورے اعتماد سے اسٹرکین دیکھ رہی تھی۔ تب ہی اس کی فلائٹ کی انٹرنسٹ پورے لاؤنچ میں گونجنے لگی۔

کرتے ہوئے وہ چلتی تھی اچانک اس کی نظر دائیں جانب بنی لابی کے ایک بیچ پر پڑی۔ آکس کریم کھاتے بھولے بھالے سے خوب صورت بچے کودہ کودہ میں

بھانسنے کی اور جانب و یلہرہا تھا۔ اس کا بایں رخسار
بچے کے بھورے بالوں پر لگا تھا اور بچہ پوری طرح
آتش کریم کھانے میں محو تھا۔ روایہ نے صرف ایک
لگاہ انہیں دیکھا تھا اور کرٹ کھانے کے انداز میں

اپنی گردن دوسری جانب پھیر لی۔ اسے اپنے دل

تک شاپ کے پاس بنے فلاورز اسٹال کے سامنے سے گزرتے خود بخود ہی اس کے قدم رک گئے۔ کاؤنٹر پر ایک چھوٹا سا تیار سفید گارڈینا کے

پہلوئوں کا بچہ رکھا تھا۔ اس نے دو نور خرید لیا۔ ایک کارڈ اس پر ایک عبارت درج کی۔ کارڈ اس میں لکھا اور فرش کی صفائی کرتے ایک ملازم کو مخاطب کر کے اسے تمباکو اور ایک حانب اشارہ کرتے کہا

”یہ ان صاحب کو دے دیں۔“ اور خود تیزی سے برقی سڑی کی طرف بڑھی گئی۔

انگریزی پہنے ملے کا یہ قمیض و حق تعالیٰ عمر کا ضرور لگتا تھا۔ مگر
 دیکھنے میں وہی شک و شبہ کی گنجائش تھی تو نامی۔ پھر
 وہ پھول کیوں پیش کر رہا ہے بوکے پڑتے جھیل کی

”کیا ہے یہ..... اور کیوں؟“ اس نے فوراً رخ مقرر پر بھورے بال گمراے لڑکی کی جانب

نائب بڑھ رہی تھی۔ کلمے سے بھی کم وقت لگا تھا مہربل
وہ اسے اس کی پشت سے پکڑنے میں اور دل کی
سز کو محسوس کی تھی۔ وہ بتا پلٹیں جیسے اسے دیکھے جا

میں نے اس کا جی چاہا ایک چھلک مارے اور اسے
م لے، اسے روکے، اس کی منتیں کرے، لیکن اس
اتحاد قدم اٹھارہ گیا۔ اب وہ برقی میز می سے اتر کر
سارح کا جانے۔

تھوڑے ہی عرصے میں تمام پھولوں میں اگلے کارڈ پر کنکریں اس نے
 بچ کر باہر نکالا۔ کھول کر دیکھا تھا۔

ان لوگوں کو یزید بنی پازینو۔ (محبت میں ہمیشہ
تربو)“
لفظوں سے ان دیکھے تیرے نکلے جو جو میں

ثبت رہو“

پانے کی خواہش مت کرنا۔“
 رُخسہ رُخسہ رُخسہ سانس بمشکل پھر سے بدن میں
 تیرنے لگی تھی۔ لوگ اپنے معمول کے مطابق چل پھر

ہے تھے۔ کوئی بہت جلدی میں تھا، کوئی ضرورت سے جلدی آگیا تھا سو میل لگا تھا۔ آوازوں کا شور کا، رنگوں کا..... ان آوازوں، شور، رنگوں میں وہ گم ہوا

یہی وہی اس آوازوں کی رنگین دنیا کا حصہ بنے رہتا تھا۔ اپنے اندر کی لہجہ، اپنے نئے تاثرات چھپانے میں وہی کو کوشش کے باوجود وہ خود کو ہارتا محسوس کر رہا تھا۔

سنگلاچ پہاڑوں، خاردار جھاڑوں کی حدود سے اوپر بہت اونچے بادلوں سے دو جہاز چمکارتے، جلاتے ہوا کا سینہ چیرتے اپنی اپنی منزل کی سمت محوِ راز تھے۔ ان میں، بیٹھے دو مسافر، ایک بوجھ، اترتے تھے۔

☆ ☆ ☆

میں وہ دن

دع ہوا تھا فرق صرف اتنا تھا اس دن دھند عام
 ہے خاصی کم تھی۔ لیکن مسلسل ہوا چلنے سے فضا
 خستہ ٹھہرنے کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ ہڈیوں
 کے نیچے کی طرح۔

گ چکا تھا۔ جنوب اپنے جھوٹے سے لان میں
بے غی آ بیٹھا۔ گیٹ کے نیچے سے پھینکا گیا اخبار
اور سانسے پھیلایا۔ عائشہ کچن میں ناشتا بنانے

بچے صوف میں کھڑی سے اسے لان میں بیٹھے
 معاشرت کا جھکا لگا تھا۔ دوسرے پرونی ٹوپی لینے کے
 تھوڑا سا اپنے گرد لپیٹے بچن میں کام کر رہی تھیں اور
 غلام کو ہاتھ لگا کر اسے لے کر لے کر لے کر لے کر لے کر

ساتھا۔ جیسے تیز دھوپ چمک رہی ہو، جس میں وہ
بڈیاں سینک رہا ہو۔ آلیٹ کے آمیزے کو پھینکتے

ہاتھ تھے اور جلدی سے باہر نکلتے۔

”جنوب..... کیا آسان ہے سورج نظر آ رہا ہے، جو ابھی غروب میں آ کر بیٹھ گئے۔“ اس نے گردن پھر کر پیچھے دیکھا اور پھر کا سامنا کیا۔

”وہ نہیں لگ رہا تھا۔“ جنوب ادھر آ گیا۔
 ”اور یہاں تمہاری ساری جان لگ جائے گی،“
 پیسے ہسپتال میں..... ہوا دیکھی ہے تم نے کئی تیز چل رہی ہے، چلو اور چلو..... وہ کچھ نہیں بولا اخبار کی تہ لگا تا ان کے پیچھے چل پڑا۔ رضا خاں اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں داخل ہوئے یہی تھے چہرے پر تازہ جاگنے کے آثار تھے۔ غصہ کی ہی جمائی روکنے عاتشہ سے کہا تھا۔

”بھئی چائے پی باؤ۔۔۔“ عاتشہ اپنی سوچوں میں غلطانہ ج سے تن نکلتا پایا۔ اسی لیے پوچھا تھا۔

”کیا بناؤں.....؟“ وہ پھر لطف لے کر بولے۔

”بے وقوف.....“ عاتشہ نے انہیں سر سے پاؤں تک ایک ٹکڑا دکھا تھا۔ اور تھماں عاتشہ نے اسے ٹھکر مٹا دیے تھے۔

”اللہ کی بتائی چیزوں کو مزید نہیں پیچیدگی؟“ میری کیا بات.....“ رضا خاں خفیف ہونے لگے جنوب ہوتے بند کرتے ان کی ہر جھنجکی سے محفوظ ہوا تھا۔

جنوب رضائے بیٹے سے پوچھا۔

”سناؤ براہ مہربانی ہوس رہی ہیں.....“ اس نے ہام کے کمرے کے بند دروازے کی جانب اشارہ کیا۔

”اب کو ہوتا ہوا چاہیے، ہام آئی ہوئی ہے۔“
 ہام کے خوشی خیزی کی اور تیسرا بار شروع ہوئے یہ وہ ادھر آئی تھی۔ اسے دوسرے کمرے کے اتنا خوف زدہ کر دیا تھا، قدم اٹھانے، اچانک سے نکل آجائے سے بھی وہ ڈرتی تھی۔ اپنے کمرے میں ملازماؤں کی سہولت ہونے سے باوجود اسے وہم و گھبراہٹ چکا تھا کچھ ہونہ جانے، آخروں نے سولے مہاں کے

کام کو کرنے پڑے ہیں اور یہاں آ کر عاتشہ کے باک میں دم کر رکھا تھا۔ یہیں کھانا، وہ نہیں کھانا، اس وقت نہ بچاؤ..... لڑکا نہ کر م شروع میں تو عاتشہ نے بہت خیال رکھا۔ ایک تو کسی کیرجنگ کے بعد پھر پانچ سال کر جانے کے بعد انہوں نے اسے کھانا کا بیچا ہا کر رکھا تھا کہ کب کو وہ خود بھی اس سے محتاج نہیں تھیں لیکن شوریں کرو۔ دروازہ آہستہ بند کر دے پر وہ آکر باک میں۔

”ہام میرا خیال ہے، اپنے کانوں میں روٹی ٹھونس لو۔“ اب جب وہ کئی دنوں سے آئی ہوئی تھی اور معمولی معمولی بات پر زنج ہوئی تھی بارہو عاتشہ نے اسے کہنا تھا۔

”اگر تمہارے کمرے میں شوریں، جتنا تم نے آ کر ڈال دیا۔“

وہ تنگی سے بال کو دیکھتے رو جاتی ایسے میں رضا خاں آکھوں میں عاتشہ کو پھر دینے کی صحیحہ کرتے تھے۔ آخر وہ ان کی اگلی لاڈلی بیٹی تھی۔ وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر ادھر ہی آ چکی تھی جہاں سب بیٹھے تھے۔ عاتشہ نے ناشائستہ کھیل کر دیا۔ ساتھ ہی جہاں پر جمائی روکنی آکر ٹھہر گئی۔

”اللہ نہیں.....“ اس نے نگلی بھری گالیاں کی جانب اٹھائی۔

”کیسے سوتی صبح ہی صبح اتنا شور ڈال دیتے ہیں جیسے بڑی تک رہی ہو۔“ عاتشہ نے جھنجھٹا ہٹے ہاتھ پر ہاتھ مارا، جنوب نے منہ پر انگلی رکھ کر پانچ بھنے کی بات کی۔

”مجھے کل سے شوریں ہوتا چاہیے، میری گڑیا ڈمرب ہوئی ہے۔“ رضا خاں کی حمایت پر وہ محبت سے ان کے قریب کھینچی اور کندھے پر ہان سے سر دکھ لیا۔

”میرا بچہ.....“ رضا خاں نے اس کا سر تھپچھپایا۔ عاتشہ نے مضمونی نگلی سے رضا خاں کو کہا تھا۔
 ”اب اپنے بچے سے پوچھ کر بتاؤ، جس

بچے کا، یاد دہلاؤ؟“ ہام نے ایک ٹکٹ کندھے سے سر اٹھایا اور حکایتی انداز میں رضائیاں سے کہا تھا۔

”دیکھا آپ نے..... کیسا سلوک کرتی ہیں میرے ساتھ، سوئیں پاؤں والا۔“ اس سے پہلے کہ عاتشہ کو جواب دیتیں۔ جنوب کو بہت دنوں بعد مذاں سوچا تھا۔

”فات..... کیا یہ بھی باہل میں پیچھے ہو گئی تھی؟“

”اللہ نہ کرے۔“ عاتشہ کے سینے پر ہاتھ پڑا تھا۔ تینوں نے اسے ٹھکرا دیا کہ کیا ہو کر کندھے اچکنے لگا۔

”خوشی کبھری سے سوتلی ماں۔“
 ”بندیز.....“ عاتشہ مزید کہنے کے بجائے سیدھی کچن میں گئیں اور ہام کے لیے سیب کا جس نکال لائی تھیں۔ جنوب کی بات سے سب کو ادھیہ یاد آئی تھی۔ ہام نے استفسار کیا تھا۔

”تم رو دھیہ کی طرف گئے؟ کتنے دن ہو گئے رہا نہیں آئی، مجھے بہت باؤ رہی ہے، انصبت ہی ہو گئی ہے ناں، اس سے کئی۔“ عاتشہ زلزل کی صورت اسے بیٹھنے کی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

”ہمیں آپ سے کبھری ہوئی۔“ ہام جواب نہ پا کر بھٹکائی عاتشہ نے اس کی آکھوں میں ٹھکا مارا۔

سادے لباس میں اداسی نکل آئی تھی۔
 ”ہام، ہارنی ہمارے لیے ایک بولے، خواتین کرنے والی لڑکیاں، ہمیں اس سے کھینچنے سے اپنی انصبت ہوئی، چند دنوں میں آئی اس کی کوسوں کر رہے ہیں رو دھیہ کا سوچاں نے اسے اپنی لڑاؤں کو کر پلا ہے، اس کے کھدو کو، اس کی راحت سکون کو

کھینچ لیا ہے اسے کتنی انصبت ہوئی اس سے..... وہ کسی یقین کر دے کہ اس کی کچھ نہیں گئی، پاس سے دست بردار ہو جائے، اس کا روئل بہت نفرتی ہے رضا۔“

رضائیاں نے کبھی تائیدی، جنوب یہ بھی

نہ کر سکا جس چہرہ البتہ ہام پھر سے بولی۔
 ”خیر اب اسکا بات بھی نہیں ہے کئی۔ جب سب بات واضح بنا چل چکی ہے، جنہوں نے سب کیا، وہ اپنے منہ سے اقرار کر رہے ہیں، مجھ اپنے کے پر نام ہے، ہر مزید معافی مانگ رہی ہے، اسے یقین کرنا چاہیے۔“ اب فرشتے تو آ کر گواہی نہیں دیں گے ناں۔

”ہام..... وہ یقین کر سکی ہے۔“ رضائیاں کا اعزاز دہر دہرنا تھا۔ ”اس کا خاموش ہو جانا، اس معاملے کی تفتیش میں نہ پڑنا اس بات کا ثبوت ہے، وہ یقین کر رہی ہے لیکن اس کا داغ اس یقین کو ابھی قبول نہیں کر رہا۔“ ہام کے معاملے بہت حساس ہوئے ہیں میری جان۔“

”ہمیں تو یہی کبھری ہوں۔“ ہام تنگی سے بولی تھی۔ ”اپنی لڑاؤں کو سامنے دیکھ کر بھی ماننے سے انکار کر رہی ہے..... دوسرے کی اولاد کو چکا ہے کتنی ہے۔ اس کے دل کو کچھ نہیں ہوا بعد کو دیکھ کر۔“

”ہام پالیز اب ایک لفظ مت بولنا۔“ عاتشہ نے اسے سختی سے ڈیٹا تھا۔ ”جو لوگ بد دعا میں نہیں دیتے، ان کی ہیں عرض بلا دیتی ہیں..... بد دعاؤں سے زیادہ آہوں سے بچنا چاہیے۔“ انہوں نے غصہ ہوا کہ بھڑا تھا۔ ”وہ لڑکی کسی کو بد دعا نہیں دیتی، میں نے اس کی آہوں کی طاقت نہ کھینی.....“ انہوں نے میں نے اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی، اللہ مجھے معاف کر دے، مجھے بہت ڈرت لگنے لگا ہے۔“

جنوب نے چونک کر بال کی جانب دیکھا تھا لمحے کے ستر ہو جس سے جانے کیوں اسے لگا، جب اس کا رشتہ سے بارہا تھا کب تک رو دھیہ چڑھتی ہو کر اس سے جھگڑنے لگی، کئی بار پھر چھوڑنے پر کس طرح اصرار کر رہی تھی۔ تو کیا اس سب میں ہمارے ٹھکر کی جانب سے بھی کوئی بڑھڑھا دہت جھپٹنے کے باوجود بھی نہ پوچھا۔ اب ان سب باتوں کی کوئی فائدہ نہیں تھا، جو بیت چکا وہ ماضی تھا اور مستقبل کی صورت واضح نہیں تھا۔ فی الوقت

عانت کا سزا بہت بھاری ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”جتنی تکلیف میں وہ اس وقت ہے انھوں میں اس کا بیان نہیں ہے، جب ہی تو وہ دین دن ہو گئے ہیں اس کی جانب کی نہیں، مجھ سے دیکھا نہیں جا رہا، وہ منہ سے کچھ نہیں کہہ رہی مگر ایک ایک صفو سے اس کا دور بھل کر رہا ہے، جب ممتا سے لے کر ہمتا ہو جائے گیجے گا پتا ہے اس کے پاس۔“ کا شوق دہا انھوں پر اسے چبک چبک کر دینے لگی تھیں۔

جب آپ ایک لفظ نہیں بولا انھیں سختی سے بند کیے چپ بیٹھا۔ جیسے اسے بھی وہ درد محسوس ہو رہا ہو جو انہوں نے روایت کر دیا ہے۔ تاہم کہانی کی ہور کہانی پانی کا گلاس لے کر عاشق کے قریب ہو گئی۔ ”تھیں۔۔۔ اب آپ ایسے تو نہ رہیں، بلکہ اسے سمجھائیں۔ کسی کی تو اس کی سمجھ میں آئے گی ناں۔“ انہوں نے دوپٹے سے سختی سے ناک رگڑتے اشبات میں سر ہلایا اور پانی پی لیا۔ ☆☆☆

وہ اپنے آفس جانے کے ارادے سے نکلا تھا۔ گاڑی فرائی کرتے ہوئے خود بخود ہی اس کے گیت کے آگے بڑھ گئے۔ موبو اس وقت اس کی گاڑی میں سے باؤبار مگر کی ہوئی تھی یا کھل رہی ہوئی تھی۔ گیت کے آؤٹ لیٹ جانے کا بھی وقت تھا مگر اس وقت گیت معمول کی طرح تھی سے بڑھتا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اس نے دو دین دن تک بڑی ہی مگر اندر سے کوئی چیز نہیں آیا تھا اس وقت تو کبھی دسک پر ہی گلی شہر کا چٹاب کی طرح اٹھتا تھا۔ مگر اس نے ڈور پیل بھائی کی کھڑکی پر بھی نہیں دیکھ کر گیت کو کھلا تھا اس کا لباس عجیب، انھیں نیند سے بوجھل تھیں، جیسے ابھی سے دار ہو ہو۔

”کہاں تھے۔۔۔ میں کب سے گیت بجا رہا ہوں۔“ جناب کی برہمی پر اٹھ اٹھے ہاتھ سے جھانکی روئے بھاری آواز میں بولا۔

”ہاں خبر ہے۔۔۔“ اسے گیت میں کھڑا کی

کر وہ کوفت زدہ سا ہوا۔ ”کہاں ہے تمہاری میڈم۔۔۔ راستہ چھوڑو۔“ وہ قدرے سا نہ بڑھتے ہوئے تیار تھا۔

”وہ تو پرسوں شام سے اپنی کنبلی کے گھر گیا ہے۔“ ”کنبلی کے گھر۔۔۔“ جب نے اچھے سے کہا تھا وہ دروازہ سے ہی سر ہلانے لگا۔

”کس کنبلی کے۔۔۔ اور وہ بھی پرسوں سے۔۔۔ جاتے ہوئے کچھ بتائیں۔“ ”کس کی کنبلی کا تھا کہ کنبلی کے یہاں جا رہا ہے۔۔۔ دو دین دن تک آجائے گا۔ مگر کرمیاں رکھنا۔“ کنبلی کی بات پر اس کی تیرانی سوا سوا کی یک تخت ایک کون ہی کنبلی پر ہوئی جس کے گھر دو دین سے گئی ہوئی ہے، بتاتے تو وہ بھی کہیں نہیں گئی۔ ”کہاں جا رہی ہے۔“ سوچوں کے کھولے سے دوڑتے وہ سر کے خم سے اچھا کھڑک پٹنا تھا۔ پھر واپس اس کی جانب کھولا۔

”جب آجائیں مجھے فوراً کال کرنا۔“ کہہ کر وہ گاڑی میں آ بیٹھا ایک بار پھر کنبلی پر بند کی کھڑکی سے اس نے وقت دیکھا تھا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔ پھر اسے آؤٹ لیٹ کا خیال آیا اور فوراً ہی مٹی کو کال لائی تھی۔ اسے پھر یقین تھا وہ مٹی کو ضرور بتا کر گئی ہوگی۔ مگر اس نے فون اٹھاتے ہی بتایا۔

”تھیں سر۔۔۔ ہم تو کئی دن سے اوپر نہیں آ رہی۔ طبیعت خرابی کا بتایا تھا، پھر کچھ کنٹرول کے سلسلے میں دیا جاتا ہے، بلکہ مجھ تو خدا ن سے کام تھا، کچھ مشورے کرنے تھے۔“

”اچھا تمہارے۔۔۔“ جب نے اس کی بات کاٹی۔ ”آپ انہیں فون کریں، پتا کریں کب آ رہی ہیں۔“ آؤٹ لیٹ کے اس کا تمام تر دھیان اس کی جانب تھا۔ کنبلی پر اس کا بھر لایا مگر ایک ہی جواب خلسل آ رہا تھا۔

”ظاہر ہے کسی کے استعمال میں نہیں۔“ فون بند کر کے اس کا کچھ نہیں سے بدل گیا تھا۔ سارا وقت

وہ کوفت میں جھل رہا۔ شام میں واپسی پر وہ سب سے پہلے ادھر ہی گیا تھا۔ کنبلی سے شہر میں سے پوچھا تھا۔

”میں نہیں میڈم۔“ ”میں صاحب۔“ ”میں فون۔۔۔“ اب اس نے نہیں بھی نہ کہا صرف کنبلی میں ہلا دیا۔ ☆☆☆

گاڑی سے نکل کر وہ لاؤج میں داخل ہوا تھا۔ وہاں سب لوگ تفریق یا ہی چھبوں پر بیٹھے تھے جہاں سچ وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ کنبلی پر دھکی جاؤ گی یا کنبلی سے پتا چلا کنبلی وہ پہلے جانے کے ہاں کر گئی تھی، جس پر بھی تھی۔ تلووں میں شہر کے کنارے چھوڑ کر بھی گئی۔ کنبلی پر چایاں موبائل رکھتے اس نے حیرت سے مانتا کر دیکھا تھا۔

”کیا ہوا۔۔۔ سچ سے نہیں بیٹھے ہیں۔“ ”سچ سے کیوں۔۔۔ ابھی کچھ پر پہلے ہی آئے ہیں۔“ انہوں نے مٹھوں سے رضاحیات کی جانب اشارہ کیا۔ ان کے ماتھے پر پریشانی کا چال تھا۔ انہوں نے جب کی جانب نگاہ اٹھائے تھے کہ انداز میں پوچھا تھا۔

”دیکھ کر پتا ہے، کہاں ہے؟“ لھر بھر تو وہ ساکت رہ گیا کہ لھٹا کوئی گڑبڑ ہے، وہ متانت سے مٹھوں سے پوچھا تھا۔

”آپ کو کیسے پتا چلا کہ گھر نہیں۔“ ”میں کیا تھا ادھر۔“ انہیں کنبلی کی جانب ”مجھے پتا نہیں ہے، وہ سرینہ کی طرف گئی ہوگی، حدن کو لیتے۔“ آؤٹ لیٹ پر اس کی۔ تاہم کے اہل اعجاز تر رضاحیات نے جب سے سرینہ کے گھر کا پوچھا تھا۔ اس نے ہی سر ہلا دیا۔

”ان کا تو نہیں ہے، کنبلی کے پاس ہوگا، ایک منٹ۔“ اس نے کنبلی سے موبائل اٹھا کر ایک کبر ملائے کہا تھا۔

”خوبی کا ہے۔۔۔ ان سے پتا چل سکتا ہے۔“

☆☆☆

آکر کنبلی پہل پہل کوئی حالت نے اسے اندر تک۔ بھوکھا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے کنبلی کی کا احساس ہوا تھا۔ کوئی کنبھا تو ہوتا جس پر وہ سر رکھ کر ہوی تھی۔ الا لان کا دکھا اپنی جگہ آکر نہ جو کنبلی کرتی تھیں، انہیں پکا کر بے حد شاد تھا۔ خیام کاٹنے تو آکر نہ سے ایسے نہ پھیر گیا تھا، جیسے ابھی اس نے قنصل رہا ہی نہ ہو۔ طبیعت کنبلی کے چھٹا گوارا نہیں تھی۔ ابھی کچھ پر پہلے آکر کنبلی سے دودھ سے بھرا چھوٹا سا فیڈر ہلا میں باہر تھی۔ کنبلی پر کنبلی کے گھان سے سارے پھول نکال کر باہر پھینکے، اس کے سوراخ میں فیڈر کا پھیل گھسا دیا۔

”یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟“ امشال انہیں دیکھ کر حیرتی سے آگے بڑھی تھی۔ آکر نہ سے کنبلی سے امشال کو کھڑک گھان کا کھو سے لپٹاتے دوسری جانب نہ مٹھو لیا۔

”کب سے بھوکا ہے الا لان۔۔۔ دودھ دے رہی ہوں۔“ الا لان کے کنبلی کی چیز میں جانے کہاں سنبھال کر کنبلی ہوئی تھی۔ کنبلی کوئی کنبلی نکال لائیں، جس چیز کو دھمتی اس پر چڑھانا ضرور کر دیتی، سچ کرنے پر چودہ اپنا اور سارے والے کا دھڑک رہی تھیں، وہ بیان کے قابل نہیں تھا۔ اس وقت بھی امشال ان سے فیڈر کنبلی کے کنبلی، انہوں نے مٹھوں سے امشال کو دے مارا تھا۔

”کنبلی تیار ہے کیا ہے، خود نہ کیا کر۔۔۔“ ”مجھ میں نہیں آتا۔۔۔ میرا پچھ اٹھ جائے گا۔“ بروقت امشال سچے نہ کنبلی، لھٹا اس کا سر تھکا جاتا۔ وہ آگے بڑھ کر ان سے لپٹ کی اور دروازہ زار دے لگتی تھی۔

”ای الا لان آپ نہیں رپا، آپ کو یقین کیوں نہیں آتا۔ اسے ہم نے کھو دیا ہے۔ وہ اب نہیں آئے گا۔“ اللہ کے واسطے خود کو سنبھالیں۔

”کنبلی دے ہو۔“ انہوں نے اسے دھوکا ہاتھوں سے دکھا دیا۔ ”میرا پتا کنبلی ہو سکتا۔ وہ م

نہیں ہوا اعشال..... وہ تو اس منوں کی نخست میرے گھر پر پڑی، پہلے اپنے ماں، باپ فکل کی، یہاں آئی تو جو حلی میں تھی چادی۔ اس کی وجہ سے ہوا ہے، اس کی وجہ سے..... ”وہ زور، زور سے جتنے جاتیں، روسے جاتیں، پھر آنسو پر چھ کر اعشال کو چھوڑنے لگ گئیں۔“

”تجھے بتا ہے، وہ جانتے وقت کہہ کر گئی تھی، کیا میرا کوئی خدا نہیں، اعشال میں اس کے یقین کی پگڑ میں آگئی تھی۔ اے ہلاکار! میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔ پاؤں پھل لوں گی۔ میں اذلان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اسے کہہ میرا دل بچھڑے ہوئے۔“

وہ درختوں سے اپنے بچوں جیسی خند کر رہی تھیں۔ بہت مشکل سے اس نے انہیں قابو کیا۔ وہ دوا سے کر سلا تھا۔ ان کی بڑائی کیفیت سے گھر کی ملازمت کی قریب آتے ڈرتی تھی، مگر باپ اس کے ہال اور منہ نوچ لگتی تھیں۔ ایک اعشال ہی جو جری طرح جلی میں پس رہی تھی۔ رونے کے لیے اندر سے ابال اٹھتے تھے۔ آںسو آنکھوں کے کناروں پر آ کر پھڑکی مانند سخت برف کی طرح سرود ہو جاتے تھے۔ اس وقت بھی وہ ایسی کیفیت میں تھی، جب لینڈ لائن نے لاؤنج کے سکوت کو توڑا۔ اس سے پہلے کہ آنکری آ کر مکمل بجائے وہ تیزی سے فون کی جانب بڑھی تھی۔

”جی.....؟“

”میں جناب بات کر رہا ہوں، اسلام آباد سے۔“ اس گھر کے کنبوں کے لیے یہ نام غیر معروف نہیں رہا تھا۔ اس کی آواز سننے ہی اعشال کی آنکھوں میں سرچیں ہی سرچیں۔

”نہ پاکستان ہوتا، نہ دہلیوں پر دہلیں اٹھتی ہوتیں۔ اس سوچ نے اس کے لیے میں ایک نئی سی بھردی۔“ ”فریبا کیم۔“

”میرزا اگلے سے بات کرنا تھی، پاپلر.....“

”وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے، کسی اور وقت کر لیجیو گا۔“

حالا تک میرزا کا گھر ہی موجود تھے، مگر اپنے کمرے میں تیرہ، تیرہ کے چلے جانے سے انہیں بالکل چپ گنگ کی تھی۔ گھر سے کیا نکلتا، گھر میں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اعشال کو پتا تھا وہ بات نہیں کر رہی ہے۔ مگر خیال سے اس نے کہا اور فون بند کر کے گئی۔ اب جب جلدی میں ہوا تھا۔

”ایچیو! ایچیو! مجھے سرینہ صاحبہ کا نمبر چاہیے۔“

آپ دے تھی کسی؟“

”نہیں مجھے زانی تو نہیں یاد..... میں ڈھونڈتی ہوں۔ آپ بعد میں کال کر لیجیو گا۔“ اس نے فون کھٹ سے بند کر لیا اور بعد میں بہت دیر چھاتی رہی تھی۔ اس سبب میں اس کی کیا فکریں، لیکن ہم بشر ہیں۔ جتنی مٹی سے بنے خاکی، فکری کو کون سے یا سہوارنے کے بجائے، فکری کے سب کو پھینک دیتے ہیں اور ان سب فکریوں میں ایک سبب جب بھی بنادیا گیا تھا۔

☆☆☆☆

سرینہ سے رابطہ کرنے کے دو ہی ذریعے تھے یا تو فیصل آباد اس کے گھر جایا جائے، یا پھر کراچی سے پتا کر لیا جائے۔ پھر وہ بعد اس نے کال منسل کو ہی ملائی تھی۔ جو درستی فون پر میسج ہو گئی۔

”ہاں جناب، تحریریت، اس وقت کال.....“

اس نے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا، تقریباً نو بج رہے تھے اور اس وقت پاکستان میں رات کے بارہ بجتے والے تھے۔

”اس تحریریت ہی ہے۔ دراصل مجھے سرینہ صاحبہ کا نمبر چاہیے۔“

”سرینہ کا نمبر؟“ اس کے اچھٹے سے دہرائے پر کارن کھٹ کھا تے۔ عدنان کے کان ٹپکے ہوئے تھے۔ وہ چھپا ہوا دل میں چھوڑ کر تیزی سے پاس آیا۔

”مما کا فون ہے؟“ ”جھیل نے اٹھا دیا ہے۔“

انکار میں سر ہلا دیا تھا۔ مگر عدنان کو یقین نہیں آیا وہ جب تک کر ساتھ ہی بیٹھ گیا اور لگائی نظروں سے منسل کو

دیکھنے لگا۔ اس کی مصوم گرے آنکھوں میں کچھ ایسی الجھنی، منجل کا دل اندر تک ڈھی ہو گیا تھا۔ وہ فخر بنا دوسرے دن اس کی سرینہ سے بات کروانا تھا اور ہر کال پر دوا سے ساتھ لفظوں میں جھجھکی تھی۔

”دیکھو عدنان، آپ نے اب جھیل بابا کے ساتھ ہی رہتا ہے، میں آپ کی کامیابیاں ہوں۔ آپ کی ماما دوا دیکھ رہے۔“

”میں..... آپ میری کامیابی.....“ عدنان کے دل سے سکھان لفظیں..... ”مجھے دوا دے گی پاس آنا ہے۔“

”جھیل اب کوئی آئی نہیں راتی، سب اپنے اپنے ماما، بابا کے پاس چلے گئے ہیں۔“ جیسے آپ کھٹے ہو وہاں خوش خوش رہو، پھر شہر وہاں آپ سے ملنے آئیں گے۔ اگر کھٹ کر دے تو نہیں آئیں گے۔“

سرینہ اسے بھلائے بھلائے کے لیے کھٹے جھوٹ کے سہارے لگتی۔ وہ مصوم بچہ تھا کسی وقت بھیل کا تھا، مگر اس کا ہونا، کسی رونے لگا۔ مگر اس قدر کم تھی، اس کی کھٹ سے سارا اقدار اٹا آسان نہیں تھا، بس اس کی ذات میں عدم تحفظ بھرا جا رہا تھا۔ اس وقت بھی کھٹ حشر، حشر زدہ نگاہوں سے جھیل کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا بازو اس کے کندھے پر پھینکا اور اسے اپنے سر پر قریب کر لیا۔

”میں سرینہ کر رہا ہوں، مگر تم نے کرنا کیا ہے کوئی کام ہے؟“

”ہوں.....“ جناب نے تھکر سے کہا تھا۔

”روایتیہ برسوں سے کھٹ کی ہوئی ہے، کسی فریڈ کا تارک۔ میرا خیال ہے شاید سرینہ.....“

”جھیل اب اس کی بات میں بدل چکا ہوا تھا۔“

”میں دافنی نہیں پتا وہ کہاں ہے؟“ جناب کی تحریر سے متوہش ہو گئی۔

”جی..... وہ نہ تھا جس کی..... ہم سب بہت پریشان ہو گئے ہیں۔“

”پھر پریشان مت ہوں،“ ”جھیل نے بکواس طرح کہا، جیسے اسے معلوم ہو وہ کہاں ہے۔ تب ہی

جناب نے پتا چھاننا.....“

”کیا مطلب..... آپ جانتے ہیں وہ کہاں ہے۔“ ”جھیل اب جب تھا، تو وہ استغفار کرنے لگا۔“

”میں آپ.....“ ”نیرا مطلب ہے وہ آپ کے ساتھ جرنی.....“ ”دک رک کر پوچھتے اسے خود تحریر ہو رہی تھی، وہ کہنے کی دم اتنا بڑا فیصلہ کر سکتی ہے۔“

”جھیل منسل کا تھا۔“ ”پتا میں وہ کہاں ہے۔ کیا واقعی وہ آپ کے ساتھ ہے؟“

”میرے ساتھ.....“ وہ پیکا کنا ہنسا۔ ”جتنا میں اپنے معیار سے چکا ہوں، کیا وہ میرے ساتھ آسکتی ہے؟“ اسے اپنے کے جھیل سے خود تکلف محسوس ہوئی۔

”اب لوگ اسے تلاش مت کریں، وہ آپ کو دبا نہیں لے گی۔“ ”جھیل کی نگاہوں سے سامنے سفید بھولوں میں اگلے کارڈ پر درج تحریر محسوس تھی۔“ ”ان پھولوں سے رنگ اور خوشبو اڑ چکی ہے، سو پانے کی خواہش مت کرنا۔“

”میں سمجھاؤں آپ کی بات۔“ ”جھیل کی سوچ کا ارتکاز جناب کی آواز نے تو ڈاٹھا۔“ ”آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔“

”جناب میں جی کہہ رہا ہوں، وہ پاکستان میں نہیں ہے، وہ آسٹریلیا جا چکی ہے۔“ ”جناب کی بھونڈوں کے سر سے آہستہ آہستہ سننے اور پھر جھیلنے جھیلنے اس کی پوری آنکھیں مل گئیں۔“

”ابسا کیسے ہو سکتا ہے، وہ نہاتا ہے اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتی۔“ یہ صرف جناب ہی کی نہیں باقی تمام اہل خاندانی ہی کی سوچ تھی۔ فیصلہ انسان کے اختیار میں ہوتے سب ہیں۔ یہ تو ملے ہوئے ہیں اور یہ اعتباری میں یا یہ تکلیف دہتے ہیں۔ پر انسان کی طبیعت سوچ ہے۔ حالا کچھ سے متنازع چھل انسان کو دے کر فیصلوں کی کوئی تصدیق تھی۔ یہ بھگوار بڑھتے جاؤ اس کی عقل کی کوئی پر کیا ارتقا دہانی کو بھانے کے لیے جلد اور جلد یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ بہت سے لوگوں کے سچ سے وہ یوں آسانی سے بھری گئی تھی جیسے یہاں دہان رہی نہ

144 فروری 2018ء

”آپ ڈاکٹر کے پاس کب جائیں گے۔“
 ”اب ڈاکٹر کے..... ان شاء اللہ پہلی فرصت میں۔“

”مطلب.....؟“ وہ ابھی کسی نہیں سمجھتی۔
 ”دعوت..... میں آتا تھا ہوں۔“

انھیں ذہن کے ساتھ اس نے اپنا کمرہ دیکھا اور دروازہ لاک کر کے باہر نکل کر اسٹمھ کا وہ انتظار کر رہی تھی۔ اسے اسٹمھ کے جیسے جیسے میں نہیں آ رہے تھے بار بار ذہن اللہ رب تعالیٰ کا وہ پاکستان چھوڑ آئی، ہر بیڑا ساتھ نہیں ہے۔ اگر کیا ہے تو پھر اس نے چھوڑ دیا کیوں، وہاں کے ہر غلط دوست ہیں، کم از کم نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اس دن مال میں اس کا سرودیہ آج تک نہیں آ رہا تھا۔ اسٹمھ کے دیکھنے سے وہ نہیں آئے آپس چھوڑا تھی تیری سے اس کی جانب بڑی تھی تاکہ یہ بھول جائے کہ اس نے فوراً سے پوچھا تھا۔

”کیا کمرہ ہے تم؟“ تم نے کہا ہے تم سے..... اس کا ہاتھ پکڑ کر لکھ کر اس کی آخری اسٹیج پر چھوڑا تھا کہ اس کے کچھ دیر پہلے معمول ہونے والے فون کی ساری تفصیل سنائی تھی۔ وہاں پہ کے ہوں آ کر سلیپ آ جانے پر جب غصا پریشان تھا اور صرف کفر کرنے کے لیے اس نے اسٹمھ کو کال کی تھی۔ کچھ عرصہ۔

”کیا کچھ ہے۔“ کیوں وہ ایسے سچوڑ چھاڑ چوری چھپے آ گئی۔ ہر جب نے سنا ہوا سنتے ہوئے اسٹمھ کی آنکھیں پانچ دیوے کی جیسی تھیں جیسے اس وقت میرڈین کی پھینکی جادی میں فرق صرف اتنا تھا اسٹمھ کی آنکھوں میں دکھ تھا جب کہ میرڈین کی آنکھوں میں کرب کا بانی پر جھکنا اس کے پھل کر چہرے پر ایسے جا رہا تھا بات ختم ہونے پر جب اسٹمھ نے میرڈین کی جانب گردن کھائی چہرے پر بیکہ سنا کر تھا۔

”کچھ دوری ہو.....؟“
 ”ہاں نہیں..... اس نے پھل کے کونے سے رشاد صاف ہے۔“ اتنا سب کچھ ہو گیا وہاں کے ساتھ اور اس نے ہمیں اپنا بھائی نہیں..... اسٹمھ نے کچھ سوچے ہوئے تیار کر رکھا تھا۔
 ”شاید اب وہ کسی کو اپنا نہیں سمجھتی۔“ وہ کہہ کر

اتھ کھڑا ہوا میرڈین نے اپنے پھر سے بھانے کے لیے اس کی کٹائی چکر کر پھینکی تھی۔ مگر وہ کھانا تو وہ بھی برابر کھڑی ہو گئی اندازاً اسی لپچ لپچ تھوٹیں سے بھرا تھا۔

”اسٹمھ.....“
 ”ہوں.....“ اس نے میرڈین کی جانب گردن پھیر کر اس کے چہرے پر انجمن کا جال سا تھا۔
 ”کیا مراد اتنی جلدی ہے اعتبار ہو جاتا ہے، ایک منٹ میں سب ختم ہو جاتا ہے۔ سب کچھ شادی تک۔“
 ”مجھے نہیں پتا۔“ وہ ہاتھ جھک کر آگے بڑھنے لگا میرڈین تیری سے اس کے آگے کر کھڑی ہو گئی راستہ روکنے کے انداز میں باز دوڑنے سے پھلایا تھا۔
 ”کیوں نہیں پتا تم ایک مرد ہو، تمہیں پتا ہوتا ہے، مرد کیوں کب اور کیسے کیسے بے اعتبار ہوتا ہے۔“

”بلیز میرڈین میں پہلے ہی پریشان ہو، مزید مت کرو۔“ ہمیں نہیں جانا تھا، چلو۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تیز آگے پھلے گا وہ چند لمحوں کی اسے دیکھ کر پھر تیزی سے اس کی جانب بھاگ گئی۔
 ”اسٹمھ ماری شادی ہونے والی ہے، مجھے اس بار سے میں تمہاری رائے چاہے بناؤ مجھے۔“ وہ بنا جواب دیے تیزی سے آگے بڑھا وہاں کہ وہاں برابر ساتھ چلی پو چوری ہو گئی۔

”شادی کے بعد کوئی میرے ہوائے فریڈ کے بارے میں غلط اطلاع دے گا تم کو کیا کرو۔“ وہ چلا چلا کر نکت دکھا دی رک گئی اس نے اسے رک کر اس کی آنکھوں میں تھا کہ میرڈین کی کٹائی آنکھوں میں بہت سی ہے جتنی بھری تھی۔ اسٹمھ کا کدت سے دل چاہا تھا کہ وہ اسٹمھ کے کدت سے صورت آنکھوں سے ہر پریشان، ہر دوسرے جیسے ہو گئے لیکن مگر وہ اسٹمھ تو نہ ہوا جو میرڈین کو چڑا دینے کی حد تک نہ دیکرے۔ وہ اس کے چہرے پر ٹھوڑا سا جھکا اور نہایت سنجیدگی سے کہا تھا۔

”میں خوش ہو جاؤں گا، کیوں کہ پھر مجھے اپنی دس بارہ کرل فریڈ نہ دے چھپانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“
 ”دائ.....؟“

میرڈین کی خوشی سے آکھیں پھیل گئیں دانستہ ہو گئے۔ اسٹمھ اس کے غائب سے بچنے کے لیے تیزی سے آگے کو بھاگا تھا وہ چند لمحوں سے چھٹائی کا دروازہ آ رہی تھی اس کے پس منظر میں کئی جڑی جڑی کی پھل تھی جڑی جڑی کا اسٹمھ کا سر ہاڑتی پھر ایک ایک اپنے ہاتھ میں چکے چکے چاہیے کے کچھ کا خیال آ رہا۔ اور پھر کیا تھا سیکڑ سیکڑ بعد اسٹمھ اسے سر پکڑے کر کہہ رہا تھا۔ اور وہ لڑا لڑا عورتوں کی طرح گردن اور ہاتھ کھینچا اس کے قریب آ گئی ہو گئی۔
 ”دس بارہ کرل فریڈ نہ دے کر لالو.....“

☆ ☆ ☆
 وہ دھڑلے دھڑلے فک کے قلب پر اس امید سے کھے کھے وہ اور ہی بلیڈنگ کے کسی قلب پر ہو گئی۔ کیوں کہ اس نے یہی بتایا تھا۔ مگر جب ڈوٹی نے بتایا وہ اپنی آئی کے پاس جا چکی ہے اسٹمھ اور میرڈین کو بے حد حیرت ہو گئی تھی۔ اس کی آئی کا اتنا پتا نہ ڈوٹی کے پاس تھا اور نہ ہی جب اس کے پاس ملے وہ دن کر مزید حیرت میں آ گیا تھا کہ فر دہا آئی کیا ہے اور کہاں تک چپ کھے گئی۔ بہر حال اسٹمھ اور میرڈین نے پھر بھی ذمہ داری لی تھی وہ اسے تلاش کرنے کی پوری کوشش کریں گے..... اور کال کرنے کی بھی..... اور وہ ان کی تو.....

☆ ☆ ☆
 وہ بہت تیز ڈرائیو کرتے ہوئے الٹوہ اسٹمھ کے گوش کوین کی جانب مڑی تھی۔ اسے طور یہ کہ کوین فیشن بال پہنچنا تھا۔ جیسے ہوئے اسے اسٹمھ کے دہر ہو گئی تھی۔ کچھ عرصہ تو کلوہ نے برداشت کیا مگر اب تو ان کی پر پردہ سے ابھرا خاصا جھمک رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ یہ سن کر خوش کر دہت ہو گئی تھی بلکہ ہر طرح کی جلد بازی کے

☆ ☆ ☆
 شام کو وہ اپنے تمام کالوں سے فارغ ہو کر اس کے قلب پر جانے کی تیار کر رہی تھی اور اس غرض سے فون اٹھا کر اسٹمھ کو کھی پلنے کا کچھ کفر فون ہاتھ میں لیتے ہی رو بامک دھن کے ساتھ جتنے لگا۔ اسکرین پر کھلا جانے والا ”اسٹمھ کا کنگ“ اس کے وجود میں خوشی کے سارے رنگ بھر رہا تھا۔ اللہ کے آنے والی خوشی کو محالاً وہ فائون میں دبا کر بہت اترتے ہوئے کہا تھا۔
 ”بولڈر، کیا بہت یاد رہا تم جی میری..... کچھ علی میں ہوں ہی اتنی خوب صورت رہی ہوں کیا کھائے۔“
 ”کی میرڈین میرڈین..... ایک ہر اہم ہے۔“
 ”کیا.....؟“ وہ چوکی تھی۔
 ”میں تمہاری طرف آؤں، یا تم آ رہی ہو۔“ اسٹمھ کے لیے یہ وہ قدر سے حیران کی وہ بہت کم کم سنجیدہ ہوا کرتا تھا۔
 ”کچھ بناؤ تو کسی ہوا کیا ہے، یا صرف آنے جانے کا ہی ہر اہم ہے۔“
 ”روایتیہ.....“ اپنے بیڑے کے ساتھ یہاں نہیں آئی، بلکہ پاکستان چھوڑ آئی ہے۔“ میرڈین کے منہ اٹھاتے کچھ پر جب اسٹمھ نے کہا تو میرڈین کی آنکھیں ایک بار پھر سکڑیں۔

باد جو اس کے اندر ایسا کچھ ہو جاتا تھا وہ ایک لذت دہش پر جانی تھی۔ خاص کر جب تیز تر کام بھگتے دور کے بھولی سی آنکھیں اس کے دل میں کھل جاتیں اس کے کام، ہاتھ پہاں تک کہ سانس تک سہم جاتی تھیں۔ بھگتی سانس کچھ کر گئے ہوتے وہ جو کو کھڑک کرنے کی کوشش کرتی تھی کامیاب ہو جاتی تو بھی یہ طرح نہ کام۔

دانی کو اسلڑ ڈراپ کر کے وہ تیزی سے مال کی جانب بڑھ رہی تھی کہ اس سے الزبتھ اسٹریٹ کی پارک راجو ہوا گیا قادی آنکھیں جن سے بچھا بچھڑانے کے لیے وہ بھاگ رہی تھی وہ دھڑا دھڑا کر پڑ چلاں ہو گئیں۔ اس کے پاؤں کا باؤ ڈھک لیتا بریک پر پڑا ہوا پھٹنے سے گاڑی روکی گئی۔ کچھ دور وہ گاڑی میں بیٹھی رہی پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ اسٹریٹ کے ساتھ بنی اور اپنی سیٹ پاتھ پر چڑھ کر کمرہ دوپہ کی بٹی کر پڑ کھڑی ہوئی تھی۔

دیبا سے برسمین دریا کے ان طویل دریائوں میں شامل ہے جس کا طائر شہر کے برعکس سے دیکھا جا سکے۔ سانب کی طرف دھڑک دھڑک میں غل کھاتا دریائے برسمین الزبتھ اسٹریٹ کے دونوں جانب اگل اگل اگل اسنے ہونے کا احساس چارہ تھا۔ پہلے نما الزبتھ اسٹریٹ کی گرل پر اس نے کہاں تک دس اور گاہیں جھپٹتے پائیے پائیے تھی۔ اسے گالائی کی سا پر دوڑ کر آنکھیں پھلے پائیے آ رہی تھیں۔ دریا کے پانی سے زیادہ ان آنکھوں میں سوال اچھل رہے تھے۔

”آپ مجھے اپنے سامنے دیکھ کر کیسے میرے دجورے انکار کر رہی ہیں۔ میری آنکھوں کو دیکھیں، میرے چہرے کو پڑھیں، میرے بال میرے انداز، اما سب مجھ سے دور در دور کر دیا گیا لیکن کیا میرے خون سے آپ کے وجود کی خوشبو کی بھینک گیا مگر جو آپ کو بھوسہ نہیں ہوئی، اداک گاہ کے بعد پلٹ کر دیکھا نہیں۔ آپ کے پاس تو پہلے دن سے ہی اولاد بھی غلطیوں کے ساتھ اور میرے جیسے۔ میرے جیسے تو کھوٹی مٹا آئی میرے اس

سے ہزار پلٹنے کے باوجود اس سے مٹا کی کرناض لگتی ہی نہیں، انہوں نے تو مجھے چھوڑ دیا۔ آپ نے بھی نہیں اپنا..... مجھے تب تک میرے جیسے کیا آیا ہے، کس غلطی کے جرم میں میرا وجود بے منزل ہو گیا، ایک بھی ماں اس لئے گوارا نہیں۔“ تکلف کے احساس سے اس کی آنکھیں بند ہوئیں منہ کھڑا ہو گیا۔

”کسی ماں ہو میری تم، کس آسانی سے دست بردار ہو گئیں۔ اس طرح تو کوئی جانور کو پال کر بھی لمبے میں الگ نہیں لاتا کچھ تو احتجاج کرتا ہے..... عدن صرف تمہیں گھر میں جانے کے لیے چاہے تھا اور بس..... میں تو رانی کے ہاتھ لے کر تھوڑی دیر کر رہی اور تم..... آؤ..... دانی بھاگتی ہو گئی انجمن سے بار بار لیو پر رنج رہی تھی۔ کیا بھی میں عدن کو دیکھ پاؤں گی..... کیا وہ ملے گا..... اور رانی.....“ کی نے اس کے دجور میں رہیں ہی پھر میری گرل سے کہاں ہٹا کر فٹ پاتھ پر آ بیٹھی۔ اپنی نرم چمکا پر چڑھ گئے آئے جاتے تو کوئی کوایہ دیکھ رہی تھی جیسے اس سے ضروری اس کی زندگی میں کوئی دوسرا کام نہ ہو۔ یونہی بے مقصد بیٹھے اسے کئی سانس بیت گئی تھیں جب تک لذت کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ کی..... ”اہو..... آج تو آئی نہیں چھوڑنے والی۔“ اپنی غرت کو کھماڑے ہونے وہ تیزی سے اُٹھ کر گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

اسے فلور بے کے پاس آئے تقریباً ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ جس دن وہ اس کے بتائے پتے پر پہنچی تھی فلور بے نے اس کا بہت کرم چوٹی سے استقبال کیا تھا۔ وہ اس کا پھر دایہ چپ رہی تھی جیسے بہت تیز زندہ ہو کر سامنے آئی ہو۔ فلور بے نے اس سے زیادہ پیش پیش کی مگر رانی کو دیکھ کر صرف اتنا ضرور کہا تھا۔

”جب اس کے باپ کو چھوڑ دیا تو اسے بھی چھوڑ کر آئیں، ایک دن دس بجی کے لیے تم اپنی زندگی

باتھ کر دی۔“ رانیہ چپ رہی تھی بتائے تو کھائی گیا۔ وہ تو سب چھوڑ کر ہی اپنی بیٹی کے لیے آئی تھی۔ اپنا ٹھکانا، اپنا بکس، رہنے بھگتے اور..... اور وہ جو میری آنکھیں..... چندوں کی کہان نوازی کے بعد رانیہ نے فلور بے سے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہے، تا کہ اپنی زندگی آگے بڑھا سکے۔ فلور بے قطعاً اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ خوش ہوئی تھی اس کی اپنی بیٹی سکتی ہے اس کے کام میں ذرا وہ بھی نہیں کی۔ یہاں نوازی، تعلق محبت ایک طرف کا روبرا کے معاملے میں وہ بالکل فرما جاندا ہو جاتی تھی اس نے پہلے دن اپنے دلیں میں گرا دیا تھا۔

”پرس لیڈی میل کا ہے، یعنی تمہاری مانی..... لیکن اسے تری میں سے دلی سے پوری قوت محنت اور دقت سے..... مجھے اچھا لگے گا اگر تم اسے کر پے آگے سے جاؤ لیکن اس سے کوئی میں ہرگز برداشت نہیں کر دیں گی۔ اس بڑی ٹیج سے بچوں سے زیادہ قوت سے بالا..... ٹیج نہیں.....“ اس نے اٹھتا ہوں ہٹا کر اس کی کٹی کی تھی۔

”یقیناً آپ کو ناراضی کا موقع نہیں ملے گا۔“ کچھ دبا بہت آسان تھا اور وہ کار بند ہونے کی پوری کوشش بھی کر رہی تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ ہو گیا تھا وہ جاتا تھا جو فلور بے کا مزاج پر ہم در تھا۔ لیکن وہ رانی کے ایلویشن کے سلسلے میں وہ دقت بے دقت رہی ہوئی۔ ہر گھر سے لگتے رہے ہو جاتی جس پر فلور بے نے صاف دونوں الفاظ میں کہا تھا۔

”جی..... اگر میرے ساتھ کام نہیں کر دی، مجھے اعتراض نہیں ہو گا لیکن اگر کام چپ نہیں کر دی تو اعتراض نہیں، بہت اعتراض ہو گا..... سوا احتیاد کرو۔“

ابھی چند دن پہلے فلور بے نے یہ سب اسے کیا تھا اور ان چھوٹوں میں اس کی روشنی کالی بھتر رہی تھی لیکن ان سے اپنے بیٹھے خیالی ہی نہ رہا تھا تو تکرار کیا ہے۔ کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ وہ جس سے دیکھنے سے اس کی اور اندھا دھند گاڑی چلائے تو لیکن

مال بکلی بچتی تھی۔

دیر طرز کی بنی پڑی سی عمارت میں وہ تیز قدموں سے اپنے لیکن کی جانب بڑھ رہی تھی اسے اپنے پیچھے اور اپنی کٹی کی تک باغ خانہ دے رہی تھی۔ اسے پورا یقین تھا وہ فلور بے سے اس کی فرش سے غرائی کٹی کی آواز اس کے غصے کا واضح پتا دے رہی تھی۔ رانیہ اپنے لیکن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی فلور بے بکلی کی اور دھڑکی سے ہوئی۔

”کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟“ اس کے کرسی پر بیٹھے سے پہلے ہی وہ اس کی جگر پر بیٹھی۔ کرسی کھمٹے ہوئے مسلسل اس پر گاہیں گاڑے تھی۔

”سوری آئی، میری سوری.....“ ”مسئلہ سوری کا نہیں ہے، مسئلہ تمہاری غائب دماغی ہے رانیہ..... کل جو تم نے فرش کے رنٹ بنائے ہیں میرا دل یاد وہ مجاز دوں۔“ فلور بے کرسی روک کر کئی اور اس کے مقابلے آ کھڑی ہوئی۔

”کام کرنے والے کے پہلے دن کے کام سے پتا چل جاتا ہے کہ کام سے کتنا غصے ہے تم کام سے غصے ہو۔“ اس نے اپنی انگلی اس کے سینے پر آہنی سے بجائے کہا..... ”میری ہوئی۔“ اگر شوہر کو چھوڑ کر بچتا ہوں، تو وہ دایہ بیٹی جاؤ..... اور اگر واقعی ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی ہو تو دل دماغ ہر جگہ سے نکال چکا ہے.....“

”دیکھ کر ادا سے باہر کھل گئی کم کمر کھڑی رانیہ اپنی لذت کے بجائے دزخ پر وہ پے بیٹھے تھی پھر وہ پانچوں میں چھوٹی سڑکیوں کی بارش کی طرح توڑتا آنکھیں پر سے نکلتی۔

”میرے اللہ مجھے انسان کی جگہ رو بہت بنا دے، جس کے ساتھ احساسات، جذبات ہو سچا کچھ بھی نہ جڑا ہو..... دل دماغ کی جگہ لذت ہوں فوراً سے.....“ وہ ٹولوں..... وہ نہ رہی جس میں نہیں ہے اپنی جلدی حالات کو قابو کرنا..... حادثات کو

بھٹا۔“

☆☆☆

دن کے دس بجے بھی سارا گھر سانے میں ڈوبا تھا۔ ملازمین حتیٰ نہ ہونے کے سبب اپنی سریشی کرنی تھیں۔ آخر بہت خاموشی سے دیے پاؤں اپنے کمرے سے نکلیں۔ لاؤنج میں انہیں کوئی دکھائی نہیں دیا۔ انہوں نے ریل میں گزارا کر کے تھے اور فوراً سے کچن میں چلی گئیں۔ انہیں اپنے اطراف اڈان اور مکمل دکھائی دے رہے تھے جن سے ہاتھ کرکٹوں دو تین دیکھیاں بچ رہے تھیں۔ خالی برتن آج بھر رکھنے سے پچھتاواؤں چھوڑنے لگے۔ آخر ٹیکر اٹھی سے اس دھوئیں کے سرخوٹے سے کھیلنے لگیں۔

ان کی مثال کے کناروں نے شعلہ پکڑ لیا جو ان کے لیے بے حد عجیب کا اعتنا۔ چنگی جڑیں کچن پھول یا اھتوں کوسو نے کی تھی ہیں۔ سحرانی ہو، جاگیر ہو یا آگ۔ آخر یہ تو قحطی نہیں اور نہ ہی کسی میں جرات تھی انہیں کوئی اہمیت کہہ سکے۔ پھر کبھی وہ آگ سے کیسی تھیں۔ بالکل دیے جیسے اس وقت اپنی چلتی مثال کو لہرا لہرا کر خوش ہو رہی تھیں۔ خانہ کھانا کی دھوئیں کی بو سے ہماگ کر چکی کی جانب بڑھ گئیں اور میری دو دروازہ کھلیں۔ گھر میں بیچ کالونج مٹی کی۔ آخر کے پکڑوں، بالوں تک کو آگ لگ گئی تھی بہت مشکل سے آگ بجھائی گئی۔ مگر آخر کی حالت بہت خراب تھی اعصاب کی بازوں میں غم حال ہو کر ڈھکی آئے چلتی شان کو کھنکھاتا چلا رہی تھیں۔

”اڈان کی گاڑی چل گئی ہے۔ میں اس میں سے اسے نکال رہی ہوں۔ میرے بچے کو نکالنے دو۔“

مکمل سے کھو اڈان کو نکالنے دے۔ اڈان کو نکالو۔ نکالو۔ یہاں تک کہ وہ چلا چلا کر بے دم ہوئے رنگیں۔

آخر کو ایمر جس کے اندر باجھل بچھایا گیا۔ ان کے دھم مند ہونے میں تقریباً آٹھ دن لگ گئے تھے۔ یہ آٹھ دن اعصاب پر جتنے ہماری گزرے یہ

دی جاتی تھی۔ سلوٹی نہیں کا سنتے ہی باجھل آئی۔ اسے دیکھتے ہی اعصاب کے طرح بھڑک گئی وہ اس کے مقابل کھڑی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولی تھی۔

”سارا تاشا کراہ کر یاد دلانے آئی ہیں؟“

”یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم مجھ سے۔“

سلوٹی کو ہر بات کا ہنسا کھنکا تھا۔

”میں اس لہجے میں بات کر رہی ہوں۔ جو لہجہ آپ کو زبردستی کرتا ہے۔“

”سلوٹی کی سرکش پر وہ قہر تو بولی تھی۔“

”چلائیں مت۔“ میں آپ سے زیادہ اونچا بول سکتی ہوں۔ میری ماں کو اس حال تک بچکانے کی ذمہ داری ہیں، میرے بھائی کی موت کا سبب آپ نہیں۔ میرے خاندان کی جتنے بچے ہیں۔ مگر آپ کو آپ جانتی ہیں میں آپ سے آرام سے بات کروں۔ جو کچھ میری ماں کے ساتھ ہو رہا ہے، وہ تو وہ آپ کے ساتھ چاہیے تھا۔ کیوں کہ باہر تو آگ میں آگ۔ یہ بول گئی ہیں آسائوں کے لہجے میں تو پھر بیٹھا ہے جس کے ہاتھ آپ کے چال کی طرح پودے نہیں ہوتے۔ کسی کی گودا کو کھانے کا فیصلہ آپ کئے کرتی ہیں بھلا۔ وہ بیچہ چاہیے کے ساتھ بہت علم کیا ہے آپ نے، مجھے آج بھی یاد ہے چاہیے روئے ہوئے کھڑے تھی تھیں۔ ان کے آنکھوں کی لینٹ میں میرا خاندان بھرا ہوا ہے اور آپ جانتی ہیں لیٹ میں خاموش ہوں۔ اللہ آپ کو کبھی چھوڑے گا نہیں سلوٹی میڈم۔ وہ اپنے کھاتے بہت کھیر رکھتا ہے۔“

”جو کس بند کر دے اپنی۔“ سلوٹی دہاں مزید ایک منٹ نہیں دکی تھی۔ ”ہوشیار“ میں گردن جھک کر ہار لگی تھی۔ اعصاب ان کی کم ہوتی پشت کو بہت دیر تک تخت سے کھوئی رہی۔

☆☆☆

مکمل کی وہ رات بہت تکلیف میں گزری تھی۔

کسی کو اسے سکون نہیں مل رہا تھا۔ سنے سے چند انچ نیچے دو یا تین پکیوں کے دونوں اطراف درد کی آنکھ لہریں اٹھیں جو پھیلتے ہوئے پشت کی دھڑکی کو جابجہ کر دیتے تھے۔ مکمل کھانے کے بعد محسوس ہو رہا تھا۔ درد زدہ جسم کو کوئی دنوں کا تھوکن میں دیوچ کر بے طرح سے چھوڑ رہا ہے جس سے اس کے قدم اس قدر ہمارے ہو گئے ہیں اٹھنا تک دشوار ہے۔ آج کا دن مکمل شدت میں بہت زیادہ تھک رہا ہے۔ درد بھرا محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس کے اس جسم میں لگی ہیں پچھن، تنگدلی، فقر، بد وقت، ہی رات کی جو بہت حد تک قابل برداشت تھی۔ چند ہاں چلنے یا شاید ایک سال پہلے اسے اس وقت تھیک سے یاد نہیں آ رہا تھا جب ہی طرح تنگدلی سے بڑھے ہوئے اسے دو محسوس ہوا تھا۔ اور اس درد کی بھر سے اپنی وہ اندی کڑی دھڑکیں کھانے کو اٹھا کر پینے کے لیے کھانا سے کھانا سا چکر اڑا تھا۔ بیون نے اسے ہائی لا کر بلایا۔ اور بیٹھنے میں مدد دی۔

”میں تھیک ہوں۔“ اس نے مردانہ جھپٹ سے کہا مگر وہ گھر مند ہی سے بولا تھا۔

”مکمل آپ کب تھیک رہے۔“ آپ کا رنگ بالکل زرد رہا ہے۔ آپ کو ابھی ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔“ مکمل نے اٹھات میں سر ہلا دیا۔

”اگر آپ کھن کو تو کب شکوہ کیا تھیں۔“ آپ کو اس حالت میں ڈرا نہیں کرنا چاہیے۔“ مکمل نے استعزا میں نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اور پھر پیکا سا ہنسا۔

”میں اب بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ میں ڈرا نہیں کر سکتا ہوں۔“ وہ لہسا سا پس اسے استعزا مار کر خود کو بھڑکے کرتے ہوئے دہاں سے اٹھا اور اپنی گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔ بے فکر اس نے معمول سے بہت کر رہا تھا۔ چائے کی گھر خود ڈاکٹر کے پاس کیا تھا۔ ڈاکٹر نے چیک کرتے ہوئے ذہنی طور پر درد کو رد کر دیا کی ادویات لگی تھیں اور اسے چند منٹ جلد کرانے کو کہا تھا۔ ادویات سے درد بہت حد تک کنٹرول ہو

چکا تھا۔ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق اس نے پانی کی مقدار مناسب بڑھائی تھی اور میٹ آج کل پر ملنے رہے۔ جب جب اس کی جگہ محسوس ہوئی وہی دوا پھر استعمال کر لی۔ درد کے ساتھ دوا کی مقدار بڑھتی رہی اور آج درد اس کو میٹ پر آ چکا تھا۔ دوا بالکل کام نہیں کر رہی تھی۔ اسے نہ ہونے کا انتظار تھا کہ وہ ڈاکٹر کے جانے کا اور میٹ بھی کل ہی کر دالے گا۔ مگر کل ہوئی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کمرے میں کب تک اسے بہت سی تھکن کا گمان کر رہا اس کے ششے کی دیوار کی کھڑکی سے سلائیڈنگ ہارنگ کاٹے اور ایک پتھڑا ہوا دیوار کی تھکن میں بیٹھا خنڈا جھوٹا مکمل کے چہرے سے آ کر لپٹا۔ اس کے پلٹنے میں اس قدر سناٹا تھا جو اسے اپنی پور میں اور آٹا محسوس ہوا تھا۔ اور اس رات میں ڈوبنا ہی، شدید درد اور سہا پھر دھنپائی اور بہت دور رفتی پر ایک تاشا مارا

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک مہرہ

دست دھکر

نویسیا



بیت 750/- روپے

32735021



”عدن..... عدن! میرے پانی پلاؤ۔“

چھوٹا سا عدن بے خبر طور پر ہاتھ پاتھ کے ملحق

میں سو کر گھبرا کر اٹھ کر اُس وقت اسے اناحق تو کر

ماند گھر رہا تھا، جس میں بہت سی لڑکیاں جن کے

اکٹ کر کھائیں ہو جائے کہ اس کی دیوار میں خراج کر ملے

کہوں۔“ پانی لینے اس کو جانے لگا تھا کچھ نہیں

تھا۔ ایسے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے پاس بھی

ہے۔“ چل کر پانی میں جھڑکا تو اس کی کمر میں ہے۔

پانی پر سرنگی اس کی پورں دل میں اندر تک محسوس ہو

رہی تھی۔ جب اس نے آنے کی جگہ پر چڑھا بہت درد

ہو رہا ہے۔“

”نہیں، اب نہیں ہو رہا۔“ اقرار کرے ہی اس

کے گھر اندر سو رہی تھی۔ عدن کو لگا کہ وہ جانتے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆
گزشتہ رات اسے نیند نہیں آئی تھی بے وجہ
خواہ بڑا ہی اسنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑکی کھلی
رہی ہو، کھڑکی سے باہر بہمن بنی نیند پیلے سو
رہا تھا، جس کی سرکوں پر روشنیوں میں بھٹی شریک
میں بھی اسے زندگی کی حرکت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔
ایسے لگ رہا تھا، شور، ہنگامے اس میں نہ تھا مگر کمرے
سے سنانے میں بدل جانے لگا اس نے وہاں کمرے پر
بیٹے بیٹھے الیکٹرک بجلی سے تین بار کڑی بنا کر لی

”زادوں کی پسندیدہ جاگلیٹ“

مجھے نے جاگلیٹ کا کلر اس میں ڈالتے ہے
اختیار تیرا کیا تھا۔ اے اسیاں ہوتے ہی ادا
سجاد کی طرف دیکھا تھا۔ دلا پرانی سے ریوٹ
قاسے لی دی کی طرف متوجہ تھے۔ چیلر پر چیلر
بدلتے انہوں نے سر کی جانب دیا تھا۔

”بھجوا دینا اسے بھی، ہے جارے ہے پاس
اب کہاں بیٹے ہوں گے ان چنگوڑ کے“ عام سے
مجھے میں نے غائب ہونے کے بعد کانا آندھا ایک دم
کڑا کر دیا تھا۔ میں نے کھلی جاگلیٹ کو کھانا مشکل ہو
گیا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر اسے کمرے میں چلی
آئی۔ ہاتھ درد میں جا کر وہ جاگلیٹ تو کسے اٹھی
طرح کی کر رہی تھی لیکن جب دھوپوں کے زہر
احساسات میں حمل جا چکی تو زبان جیسے ٹھیرا
رہی۔ وہ نہ ہونے پڑتی ہر آن کی جی میراں جاگلیٹ
کے ڈبے اٹھانے چلی آئی۔

”لی لی سجاد! سامنے سے بھجوائی ہے۔ یہاں
دکھ دوں فرنگ میں“ اس نے دوم فرنگ کی طرف
اشارہ کرتے موبادیاں پوچھا تھا۔ ٹاٹ میں کروان
ہلاتے اس کی پیٹ پر چمکا اور کھڑکی کے سامنے
کھڑی ہوئی۔ کھڑکی سے نظر آتا دھبہ باغ، طرح
طرح کے پھول، بھنگی ہوا کے بھونگے چمکے دل کو
نہیں بھلا رہا تھا۔ ایک نئے کو تول جاپا کر ساری
جاگلیٹ پھراں کوئی دے دے لیکن جاتی بھی کر ادا
سجاد کو کم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔ وہ اس
سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس کی ہر خواہش کا خیال
رکھتے۔ اس کی پسندیدہ اشیاء کا ذکر ضرور دیتے۔ بس
اس کے احساسات کا خیال نہیں رکھ پاتے۔ شاید
انہیں اس کا دل پر دھنا نہیں آتا شاید وہ جان کر نہیں
پڑھنا چاہتے تھے۔ زادوں کے لیے ان کا انداز ہمیشہ
ایسا ہی ہوتا اور وہ چاہے کبھی کبھار کہیں پائی۔ ان کی
محبت اپنی کوئی گھنہ جو درد مجھ سے دل میں بیٹھا
تھا۔ وہ مجھے نہیں دیتا تھا۔ ہوا کا ایک قطرہ بھونکا
پرانی یاد۔ لیے اس کے چہرے سے کھر گیا تھا۔

”لی ہا ہا تم نے ضرور پوچھیں گے۔ تم نے انہیں
کیا بتانا ہے کہ سعد کی دادی کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ
بہت پریشان تھا۔ اس لیے میں بھی ساتھ جا رہا
ہوں۔“ زادوں سامنے بیٹھا اسے سبق پڑھا رہا تھا
جبکہ وہ بھڑکی سے فائے کھاتی رہی۔

”شکر میں آتی ایسا بھوت ہوتے۔“ مجھے نے
خوشگوشی لگا کر اسے زادوں کو گھور دیا تھا۔

”میں اس کی بھوت ہے، انتقال تو ان کا ہوا
چکا ہے۔ اچھا ہے ہاتھ تو رانا تخرہ میں سے لکھ میں
بھی ساتھ پڑھوں گی۔ دادی بھی اہل دنیا میں میری
شکر گزار رہی ہو گی۔“ اس نے دھنکی کا منہ پر دیا
تھا۔

”لیکن تمہیں سعد کے ساتھ کاؤں جانے کی
ضرورت کیا ہے، بھوہا بھی۔“

”یاد رکھتے کی طرف ہے اس کا کاؤں، اتنا
محسن پر اٹھا تمام سببوں تو پتا ہے مجھے سیاحت کا کتنا
شوق ہے۔ پھر ہوسکا کوئی پہاڑی حسیہ مجھے پیٹنڈ
شہری بابو کے مشق میں بھی گرفتار ہو جائے۔“ وہ
بولتے ہوئے حسب عادت پھری سے اڑا اور اٹھ
باری۔ اس کے اٹھ مارنے سے مجھ کو چوڑی۔ دو تپ
گئی۔

”اچھا! لیے جارے ہو تم، بتاتی ہا ہا
کو ابھی۔“

”تم بھی باقی افریقہ نہیں سمجھتیں۔ سعد کی بہن
تجاری دوست دہوتی ہوئی تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔
اب تک جا کر آ چکی جانا، یہاں کھنے سے دماغ
کھار ہا ہوں۔“ وہ بھی غصا ہوا۔

”اچھا مجھے کھانے کا، وہاں کے موسم اور
حیوانوں کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ اچھا ہے،
پنڈی کرانف، بیگز، شال، سہوے“ لیکن مراد بولے
شروع ہوئی تو اس کی لہٹ سے گھبرا کر زادوں نے
بات کاٹی۔

”اللہ کو مانو، بس کوئی ایک بیڑے لے آؤں گا،
غریب آدمی ہوں میں، دم کرو لو مجھ کو۔۔۔۔۔“

خوشیوں پر سکراہٹ اور آنکھوں میں نمی لیے
مجھے سوچ رہی تھی۔ جن سے محبت وہاں پر دم میں کیا
جاتا بلکہ ان کی تکلیف سوچ کر خود ہماری حالت قابل
دم ہو جاتی ہے۔ ادا سجاد کیوں نہیں سمجھتے۔ کیوں وہ
مجھے تکلیف دیتے ہیں۔

☆☆☆

مجھے کے اختصار میں بور ہوئی وہ درجہ کھولے
دورخت کے بیٹے سے لگے لگے اہتمام سے نکل
بولے بتا رہی تھی۔ شیم کے درخت کی غنڈی جھان
دھوپ کی قناتزت رو کے ہوئے تھی۔ کلاسز میں وقت
پاکر زیادہ تر طلبہ کیتھن کا رخ کر چکے تھے۔ جب
اچانک مردانہ آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

”السلام علیکم۔۔۔“
عمر احمد سامنے کھڑا بہت توجہ سے اسے دیکھ رہا
تھا۔

”ولیکم السلام“ ناگجی سے اسے جواب دیتے
اس نے سوائیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ سندھ کے
اس کاؤں کا یہ امیر وڈیرا اس کا کلاس فی ضرور تھا
لیکن آج سے پہلے بات کرنے کی نوبت نہیں آئی
تھی۔ مینی اور وہ ایک دوسرے کے لیے کافی تھے۔
آج اس کا یوں غائب کرنا سے حیران ہی نہیں بلکہ
اندیشہ انداز رہا۔ یہ بھی کر گیا تھا۔

”مینی! انکو اسے کہنی کر عمر احمد جت دھنا دیتا
ہے تم پر، جو کسی کے لیے راستہ نہیں چھوڑتا سہارے
لیجے سٹ چھوڑ دیتا ہے۔ اس نے بھی اس کے اپنے
فضول مذاق پر ہونچ نہیں دہی تھی۔ اب اس کے سلام پر
وہ جس طرح پوری آکھیں کھولے متوجہ ہوئی تو عمر
احمد ایک نئے کو اٹھلی بات بھول گیا تھا۔

”کیں ہیں آپ؟“ انہیں دہی میں خیریت؟“
فوراً خود کو سنبھال کر اس نے شامی سے پوچھا تھا۔
”مینی! اللہ، معروفات میں کچھ۔“ کہیں کی
شادی بھی میری۔“ سرسری جواب دیتے کا ارادہ
کرتے اس نے بلا غرضگیل بتادی۔
”مبارک ہو بہت آپ نے تو کسی کو بتایا، بلایا
دیکھنے لگی۔“

”کی نہیں۔“ کہتے بہن، بھائی ہیں آپ؟ اس کے لیے
تکلیف میں، وہ عمر حسن کے لیے کافی بخشش بھی مگر
چوڑی سے جواب دیتے اس نے یوں گھوہ کیا جیسے
پرانی دوستی ہو۔

”مینی، بس ایک بہن ہے۔ سادگی سے شادی
تھی تو اس کے لیے کوئی بلایا۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی
اس نے جواب دیا تھا۔ وہ کسی سے جلدی دہی نہیں
کر سکتی تھی عمر حسن کے امیرانہ پس منظر کے باعث
اس نے تو عمر حسن کو اپنی کلاط دور کی دہی ہو یا
دہنی نقصان ہی دیتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں چلنے
جذبے وہ نظر انداز کر دینا چاہتی تھی۔ مگر یوں اچھے
مہذب اعزاز کے جواب میں بدلتی کر ناگجی اپنی
قناشا بولنا تھا۔

”سادی سے شادی کے لیے آپ نے ایک
ہفتہ چھٹی کر لی، دھوم دھام سے ہوئی تو کیا کرشمے
میں پریشان ہو گیا کر شادی طبعیت خراب ہے۔“
وہ بگڑے سے اس کو بولا تو ایک نظر اس پر ڈال کر
وہ دوبارہ جہن سنبھال کر اپنے ہاتھ پھولوں میں
رک بھر نے گی۔ چٹنے رنگ عمر کی سکرانہٹ سے
بھلک دے رہے تھے، اس کے چہرے سے بکھرے تھے،
انہیں نظر انداز کرنا آتا آساں نہیں تھا۔ اس کا گریز
مہاب کر وہ بھی سکرانہٹا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ عمر کے
جانے کے بعد اس نے کل کر ساس لی گی۔ تب ہی
مینی آئی۔

”کہاں رہی تھی تم ہو فوٹو اسٹیٹ کراری تھی یا
خود لکھنے بیٹھی گی۔“
”مینی کو کچھ کریم بلاجہ بگڑی۔“

”وہ سن کر ختم، یہ میری اپنی فائل ہے جس
میں قناشا پکڑ سوچو جو ہوا میں آپ کے لیے کالی
کرانے لگی گی۔“ مگر نہ سمجھے اس کی چنداں ضرورت
نہیں۔ ”مینی نے ہاتھ میں قناشا فائل بنج فوٹو
اسٹیٹ کے اجاراس کی گود میں پھینکی۔
اور چوچا کر مینی بیٹھی۔“ سریم سکرانہٹ لکچر
دیکھنے لگی۔

”کون سا لطیفہ سنانے آیا تھا عراجہ“ بنتی تھی کہ سچے میں جو عہدہ دونوں پہنچیں گی سبیلیاں تمہیں۔ ان کے دو مہیاں کوئی ذاتیات تھیں۔

”طبیعت ہی تجھے آقا تھا، چھپاں جڑی ہیں۔“

مریم نے لاہر دہلی سے جواب دیا۔

”میرے پاس بھی آقا تھا کہ آپ کی کھلی کیوں نہیں آ رہی ہیں، میں نے کہا مجھے کیا پتا، میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔“

میں نے خود بہت پریشان ہوں۔

میں نے جتنے ہوئے تیار تو مریم بھی سے اعتبار نہیں دی۔ وہ اس کے پردوں میں رہا مگر کسی دن کا بیشتر وقت میری مریم کے گھر ہی گزار دیا بلکہ سوہا ہوتا رات بھی رگ جاتی۔ اس پر اس کی لاشی کا اظہار اگر مرصاحہ ہوتا جاتا تو اپنا سر لپیٹ لیتا۔

”دوہے آئے“ کیوں نہیں رہیں تھیں، خیر یہ تو تھی نا، معنوی کشمکش چہرے پر طاری کرتے تھے نے پوچھا تھا۔

”اودہ سو سو رہی میں آپ کو آگاہ نہیں کر سکی، میری بہن کی شادی کی گئی نا۔“

مریم نے بھی بن کر جواب دیا اور دونوں زور سے ہنس دیں۔

☆☆☆☆

”اس آج کراچی میں ٹیلیوے سے بیچ پر چینس اماں کے پاس بیٹھ کر لاؤ فرے پراش کی۔“

”خیر تم میری چند سیانہ چاک کیا پور کرنا ہوا؟“

انہوں نے پیار سے پوچھا تھا۔ ”ہاں کو اپنے بچوں سے پیار ہوتا ہی ہے لیکن انہوں نے تو اس سے اتنی طویل دوری کا کافی کی کلاب نہیں چلا، کیسے داری صدمہ تے جائیں۔“

”آج صبح ماہا کی شادی کی سالگرہ ہے نا، ہم تو ضرور ملنے سے گھر میں۔ زارون آج آگیا ہے مگر میں نے ذکر سے میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”تجھے ہار زارون نے کہا ہے کہ آجایا کرے، وہ آج ہی نہیں تو اب کیا کروں۔ ہم جائیں بھی تو کیا فائدہ۔ گھر میں لڑکے رہے ہیں اس کے ساتھ۔ وہاں

جائیں سکتے۔ کسی مال کے نوڈ کوٹ میں تھوڑی دہائی ملنے سے بہتر تم اس سے فون پر بات کر لو۔“ انہوں نے اسے مشورہ دیا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر گئی۔ وہ دوبارہ کبھی تو وہاں ماں جا نہیں سکیں اس نے نہیں کہا۔ وہ ضد صرف اپنے مامے، بابا سے کر لی تھی۔ اب وہ اس دماغ میں نہیں تھے تو اس کی ضد بھی قسم ہو گئی تھی۔ زارون کو فون کیا تو اس نے جلدی جلدی بات کی۔

”آج صبح ماہا کی دینک اینڈرری ہے“

”لیجھ نے یاد دلایا۔“

”مجھے یاد ہے ٹی، میں فاتحہ پڑھنے گیا تھا صبح۔“ اس نے تنبیہ کی سے جواب دیا، یہ وہ زارون تو تھا جس کے ساتھ اس کا بچپن گزرا تھا۔

”اس کا پ ب آؤ، کلک کاٹنے ہیں۔“ لیجھ نے دانستہ لہجے میں بیانات بھرے فرما دیں۔

”اس کی بھی نہیں، زارون تم اپنی عادتیں سدھار لو گے تو کبھی میرا تھوہ ہے۔“

میں سدھار ہوں۔ مجھے کام سے جانا ہے۔ تم بھی یہ ایک کلک چھوڑ دو اور کچھ پڑھ کر کھنکھائیں۔ اس بات پر ختم کی گئی۔ فون رکھنے لہجے کی آغوشیں میں آسو تھے۔ وہ زندہ دل، بے گناہ زارون نہیں ہو گیا تھا۔ وہ سب بہت بے گناہ ماما ہے۔ جو با شہر والدین اپنے لڑکوں کو سلا میں نہیں سمجھتا پڑے زندگیوں میں سمجھاتی ہے۔

موہا پر بھی ہنسی تصویر دیکھنے اس کی آغوشوں میں اپنا سفر تازہ ہو گیا۔

”جیتتی رہو میری بیٹا، خوش رہو۔“

”ہیک اور چائے کا سامان میز پر سجا تھا۔ وہ زبردستی ماما، بابا کے آگے لائی گئی۔ یہ ایک جانا بوجھ اس پر تھا جو انہیں سال تیار وہ اس کی خوشی میں خوش رہے روزانہ ان کے ساتھ وہ غیر ذمہ داری تھی۔ بابا اب اسے بہت پیار سے دعا دے رہے تھے کہ زارون نے میں کرنا تھا۔

”اس نے کیا کیا ہے؟ سب کچھ میں باڑا

”لایا ہوں۔“

”آپ کا تو الگ سے تحریری طور پر شکر ادا کرنا ہے مجھے، آپ نے میں اس قابل سمجھا کہ شام ہمارے ساتھ گزاریں۔“ بابا نے ہلکے مار مار کر زارون کو بلایا ہو گیا۔

”گھر پر ہی تو ہوتا ہوں بابا۔“ وہ کان سمجھتا آہستہ سے بولا۔

”میں نظر نہ جاتی ہے بعض اوقات، کھاتے، سوئے یا موہا بل، کمپیوٹر پر وقت ضائع کرتے۔“ بابا نے سر ہانک کر تنبیہ کی جس انداز میں جابی کیا تھا، لیجھ سے بھی روکنا مشکل ہو گیا۔ ماما بھی سرگرمیٹ ہمارے تنبیہ کیے تھے جس اور زارون دل ہی دل میں خود کو کوس پا تھا۔ بابا اب وہاں کی عکاس کے پیش میں رخ ڈال رہے تھے۔

”بی، دیکھیں یہ اپنی اس مسسز کی بالاخر بابا نے تھیلے سے لی نکالی، یہ وہ بھی اس کے اس انداز کی۔

”بابا وہ دراصل نا۔۔۔ طبیعت کچھ خراب تھی سچہ میں۔“ اسے بھی ہانڈی بھٹکی ملا، کہا کہتا کہ میں سچہ میں دور سے کی شادی آگئی تھی۔ اب مسسز کو دوبارہ دے سکتے ہیں لیکن شادی تو بار بار نہیں ہوتی نا۔

”بی، بی طبیعت کی خرابی میں ہی آپ کا سر ڈول رہا تھا جو جینڈ کی بات پر ہنکھوے ڈالتے پھر رہے تھے۔“ وہ بھی کے ناخن کو زارون۔ جینڈ کی طرح خاندان کا دربار نہیں سے تھہرا۔ یہ ڈگری تھارڈنگ بھی لائے کی آج لاہر دہلی کر دے تو کس بچھاؤ کے۔“

”اپنے مزاج کے بخلاف، بابا کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ ماما بھی تنبیہ ہو چکی تھیں۔“ ماحول کی کشیدگی دیکھ کر لیجھ میدان میں آئی۔

”تھوڑی دن بابا، اس کی کلاس بعد میں لیں گے پہلے کیک تو کاٹیں، زارون تم ایک تصویر تو لو ہمارے۔“ چھری ماما، بابا کی طرف بڑھائی وہ دہلی تو

زارون سب فون اٹھا کر فوٹو سلیکی بنانے سامنے آیا۔ ان جادوں کی یاد کو تصویر جو ذہن کے ساتھ موہا بل کی مگر بن رہی تھی ہو گئی۔

”جیسے ہی بابا اٹھ کر گئے، زارون آرام سے میز کے سامنے چڑکی مار کر بیٹھا، اور پلیٹ بھرے ماما کو مخاطب کیا۔“

”دیکھا آپ نے، ماما کی زندگی کر داور تیریت برصغیر میں یا علم حاصل کر دے کر کسی کی خبر سے اور اب خود بیابان بدل گیا بابا۔۔۔“

”زارون“ ماما اور لیجھ نے اسے ایک ساتھ گھور کر کہا تھا اور دونوں فون ڈیسک پر

”لیجھ تصویر دیکھتی انکے بیٹھے دور ہی تھی۔ کوئی دیکھا تو پریشان ہو جاتا۔ یہاں سب اس کے بہت اپنے تھے، اسے پیار کرتے تھے لیکن وہ جن کی اپنی بھی نہیں تھے۔ پیار کرتی تھی وہ اب اس دینا میں نہیں تھے۔ یہاں رہے رہے میں اسے اپنے گھر سے دن ہی یاد آتے تھے، وہ بیٹے جیسے جن میں کوئی کم نہ تھا۔“

☆☆☆☆

”زیدی کی کالکچر وکاس پلینز“ ماما عراجہ خیر کھڑا تھا۔ اپنی سے خاموشی سے اپنا رجسٹر اسے پڑا دیا، مریم سر جھکا کر جاٹ کی پلیٹ میں چچہ گھمانی رہی۔ وہ دفتر سے لپٹا تو کاروبار سے ہوئی۔

”تھکاس میں کیا کرتا ہے جو ہر دور سے دن ہمارے سر کچھ لکھنے لکھتا ہوتا ہے۔“

”آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ماما عراجہ کلاس کے ذہن طلبہ میں سے ایک اور ماسٹرز کی آغوشوں کا نور ہے۔ لیکن ہمارے پاس وہ اپنی آنکھیں غنڈھی کرتے آتا ہے۔“

”میں نے خبر ماما پڑھنے سنا انداز آگیا نا۔“

”چپ ہو جاؤ، کیا غنڈھوں زبان استعمال کرتی ہو۔“

”جیسے وہ کہہ رہے ہیں۔“ مریم بتاتی گئی۔

”عراجہ نے زبردستی ان سے راہ دور کر دیا جانی تھی۔ راستے میں دیکھا تو مسکرا کر سلام کر دیتا۔ بھی

خبر تے دریافت کر لی۔ کسی اسائنٹ کا پچھنے
پچھر لینے کی نہ کی بھانے وہ ان کے پاس آ جاتا۔
جتنی کے بہت اصرار پر بھی مریم نے سامنے کو تیار
نہی کر وہ اس کے لیے آتا ہے لیکن اسے نظر انداز کرنا
دن بدن مشکل ہوتا جا رہا تھا۔

”کیا لڑی ہو،“ گذر کر یکساں انداز لاکا تم پر
فریفتہ ہے۔ بات کرنے کے بھانے ڈھونڈتا ہے۔ ایک
ہم ہیں اپنا ذاتی شوگر بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا خود
بات کرلو تو میں سمجھ لیتے ہیں جیسے ناظم ہیں۔
بھائی نے بھی مل کر جواب دیا تھا۔ اس کا کٹاج
بچپن میں ہی بچا کے پیٹے سے ہو چکا تھا۔ اس کی
بھانگی اس کی نذر بھی نہیں۔ ہزار دفعہ اشعر سے
ملاقات سے ہوتی لیکن وہ دوا سے ایسے ان کی بھانگی
دیتا یا تا نابل بات کرتا کہ اس کے دل میں چھلنے تمام
ارمان وہیں بہت صبر کرتا ہے۔

”اسے پارہ دیا ہے چھوٹے، چھوٹے بھانچے
بھانچوں کے سامنے تم سے رداس بھانچے نے سے
رہے۔ رخصتی ہوئے وہ ایسا دیکھیں گے کہ دیکھتے رہ
جائیں گے۔“ مریم نے اپنے انداز سے بھی کی ٹکی کرتی
چاہی۔ اس سے پہلے کہ بھی کچھ جواب دینی ضرورت
دائیں کرے آ گیا۔ وہ دانش مریم کے سامنے کھڑا ہو
کر اسے لٹا رہا تھا۔

”بہت کمرے“ مریم کی محبت لاتی نظر مریم پر
جی تھیں۔ اسے انظر اور کار کا گڑھوں کے مریم کی
بھیلیاں بیچ گئیں۔ مضبوط بننے اس نے رجسٹر
کڑے کے لیے ہاتھ بڑھا لیکن روکن نہ سکوں۔
ایک لے کر انعام اس پر قیامت ڈھا کیا۔ مشکل اس
نے رجسٹر کڑا اور دہری نظر اس پر ڈاڈا وہاں سے
بہت کیا تھا۔ وہ آگے بڑھا تو بھیٹتی گئی۔
”اسے شرم نہیں آتی کہ میں سامنے بیٹھی ہوں
جو صبر کھینچتی ہوں۔“

کوئی اور مدت تو تھا تو بھی کی بات پر مریم زور
سے بستی لیکن ابھی وہ جواب دینے کی پوزیشن میں
نہیں تھی۔ بستی آٹھوں سے بستی محبت نے اس کے

گردو جان، دل دیا تھا۔ وہ قید ہونے جاری تھی۔ اسے
معلوم ہوتا کہ قید محبت اسے ناز کی اسیر کر کے گز
مشکلات میں ڈالنے والی ہے تو وہ بھی اس کو
آٹھوں میں زندہ بھیتی۔

☆☆☆

نابل بیچ کر گود میں کھلا رکھا تھا۔ وہ اسے
پڑنے کے بجائے اسے ہاتھ میں پکڑے کھاب کے
پھول کی پتی پتی آگ کرنے میں مصروف تھی۔ غم
کے بعد سورج ڈھلنے کا وقت تھا۔ بارگ کا سینہ سوز
بھی اس کی ذوق جلا کرنے میں آکا تھا۔ کوئی بکو
اسے دیکھ کر اس کے ذہنی انتشار کا جان سکا
تھا۔ مغرب کی انوار سے پہلے ہی انوار اسے پھولوں
پودوں کے پاس سے اور ٹھکے آسان کے پیچھے سے
چھٹی۔ ابھی بھی ایک ملازم سے ڈھونڈنے یہاں
پتلی کی لیکن اس کا انتخاب کرنے کی ارادہ نہ تھا۔ کیے
کو پاس کے باپ کا کمر تھا لیکن وہ آج بھی یہاں
ابھی تھی۔ بچپن سے وہ اپنی خالہ کے گھر رہی ہو
خالہ، خالو کی ہی ماما، بابا کیٹنے کی عادی تھی۔ ان سے
انتقال کے بعد اسے یہاں بھوری میں آنا پڑا۔ اس
سجاول کے اور اداس ناول اس کے باپ کی خاندانی بیوی
کے سے پتلی اس کی سوسے بھائی تھے۔ اور اس ناول
اسے اور اسجاول کی طرح پیار نہیں کرتے لیکن کوئی
نظر کا اٹھا بھی نہیں کرتے۔ جس ان کے رجسٹر
سے سمری اور اداس خالق چھلکتی تھی۔ لیکن ان کی بیوی
شاہزہ بھانگی اسے اور خود پر غائب سمجھتی تھیں۔
شاہزہ اسے کسی کی باں ان کی پوپہ کو دیکھنا نہ
گئی تھی۔ وہ کچھ بھی ہوئی لیکن ان کے انداز اسے
بے اطمینان کر دیتے۔

”اسی بکری وہ ان کی وجہ سے ہی اندر نہیں جاؤ
چاہتی تھی۔“
وہ اپنی شہر والی رہائش گاہ سے چند دن کے لیے
آئی ہوئی تھی۔ پرچہ برحاکیت جانی وہ اندہ جانے
اسے کیا بتانا چاہ رہی تھیں۔ اسے تو خود اس جوبلی اوو
اس کے سینوں میں کوئی دیکھی نہ تھی۔

وہ اپنی سوچوں میں ٹوکی جب سیاہ چپ سے
اترے حادثے نے اسے بے زاری سے ملازم کو
واپس کرتے دیکھا۔ وہ اندر جانے کے بجائے اس کی
طرف چلا آیا۔

”یہاں آگئی کیوں بیٹی ہیں۔“ حادثے نے
آتے ہی دوستانہ انداز میں سوال کیا۔ بیٹے نے چوک
کر رہا تھا۔ وہ شاہزہ بھانگی کا بھائی تھا۔ اس کا بھائی
ہو انداز، مسکراتا چہرہ بیچ کے برے موڈ کی نذر
ہو اور دو رنگ کر لیتی۔

”کیوں اب یہاں بیٹھے پر بھی پابندی
ہے۔“ اس کے انداز پر حادثے نے انھیں سنجیدگی
جرت سے اسے دیکھا، سادہ سے سوال کا یہ جواب
فریختہ تھا، بھر بھر کے انداز میں بولا۔

”خندہ ٹکائے کے لیے آپ بیٹھ ہی ہے
گناہوں کا انتخاب کر لیں، بخدا آپ بیٹھ ہی ہے کہ
بے چہرہ بھی اتنی مصوم ہو گا جتنا میں۔“ اس کے
بے ساختہ انداز پر بیٹے نے اپنی گود میں ٹھہری پتوں کو
دیکھا بھر بھلے مسئلہ کے لیے جواب دیا مرد اس
زبردستی کی کٹنے پر تو کھری کھری سامنے کا دل
پار رہا تھا۔

”بیٹیں، میں آپ پر غصہ نہیں نکال رہی۔ آپ
کو ایسا کا تو حضرت۔“ بھانگی اندر ہیں۔
اس کے صاف ٹھٹھا نے والے انداز پر حارث
بے اختیار کرا دیا۔

”آپ کی بوری ہیں یا یہاں، آپ نے آگے
ایٹیشن کیوں نہیں لیا؟“ بیٹے نے پوچھا۔
کر اندر جانے کے لیے اٹھ رہی تھی جب اس کی بات
پر ایک دم رنگ ہو، وہ واقعی بے خیال اسے کیوں نہیں
آپا اسے بہت بڑھاتا تھا۔

”اسی دور ہے ہوں گے ایٹیشن پر نیورٹی میں
؟“ اس نے بے اختیار اس سے ہی پوچھا۔
”آپ جنس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں، وہاں
ایک سال پر سال کے درمیان میں داخلہ ہو جاتا ہے،
یہ ادب بات کر لیں کو زیادہ بڑھانے کا درجہ نہیں۔“

وہ جس کر بولا تھا۔
”میں جس خاندان سے ہوں وہاں لڑکے،
لڑکیاں سب اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں
حارث صاحب لیکن صرف پر۔“ وہ جواب
دے کر سڑا سے ٹکی اندر چلی گئی۔

”ہوہہ ایڑا آ پائے اونے خاندان کے گمن
گانے والا۔“ آگے بڑھتے اس نے باوجود دل میں
حارث کو سنا تھا۔

حارث سے اسے کوئی پر غاش نہیں تھی۔ وہ
یہاں کے ایک چند لوگوں سے ہے قحاش ہے اسے
جانے کیوں اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ شاہزہ بھانگی کا
بھائی ہونے کے باوجود اس کی آٹھوں میں اس کے
لیے تحفہ نہ تھا، جب دیکھا ایک دوستانہ مسکراہٹ
اچھال دیتا۔ حارث نے اس سے بابا اور ماما کی
بقاعدہ تعریف کی تھی۔

شاہزہ بھانگی نے تو بے تکلف بھی نہیں کیا تھا۔ ادا
سجاد کے ساتھ حارث بھی اس کے بابا کا اسٹوڈنٹ
رہ چکا تھا۔ بے جان کر اسے بہت خوشی ہوئی تھی۔ ادا
سجاد تو بابا کی زندگی میں بھی تھی اس سے بابا
سے لے کر بابا کر کے تے لیکن حارث سے تعارف بابا
کے انتقال کے بعد ہوا تھا۔ اس کے منہ سے بابا کی
تقریف اسے بہت اچھی لگی تھی۔ بے فطری رویہ ہے جو
نہیں پسند ہو، ہم سب سے اس کی تعریف ہی سننا
چاہتے ہیں اس کے باوجود وہ اس سے ربط بڑھا کر
کوئی مسئلہ نہیں بنانا چاہتی تھی۔ تھا تو شاہزہ بھانگی کا
بھائی ہی۔

☆☆☆

مریم کا بھی کمرے بیٹھی تھی۔ رات زیادہ
نہیں ہوتی کی لیکن کمر میں سناٹا عادی تھا۔ جب سے
اس کی کا انتقال ہوا تھا، ادا بہت خاموش ہو گئے تھے۔
زیادہ وقت عبادت کے لیے گزار دیتے، مریم کا دل
چاہتا تھا کہ ان سے بات کریں، انھیں بولنے پر مجبور
کرے مگر وہ اس کے لیے لیے قہے مسکرا کر سنتے
رہے۔ انھیں اپنی دونوں بیٹیوں کی بہت فکر رہتی۔

تب ہی مناسب جاب کا انتظار کے بغیر نسیب کی حسن سے شادی کر دی۔ یوں بھی مگر کیا بات تھی۔ حسن ان کا سمجھتا تھا۔ اور باپ کی وفات کے بعد انہوں نے ہی بالا تھا۔ ایک بوس چلا تو مریم کی بھی فوراً شادی کر دینے کی مناسب رشتہ لے کر دیکھی۔

”جائے نیویں مریم! دردناک ہوا کہوں گے نسیب آپنی نے بھاگ لیا۔“

”نیکی اور پوچھ پوچھ، وہ مسکرائی ابھی انہوں نے جانے کی کشتی چلیے پر پڑھائی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی جس باپا کی دروازے کی طرف چلی گئیں، سانس پھٹی گھڑی کی۔ جیسے تھمتے چہرے کے ساتھ سلام کر لی۔ وہ اندر آئی۔ آپنی چکن کی طرف نہیں اور وہ مریم کے کمرے میں تھی۔

”شادی کی ڈیٹ ہے ہوگی۔“ اندر آتے ہی اس نے بلا تہدید ہم بھڑا۔

”کسی کی؟“ مریم نے اس کا ایک دھماکے پر سر اٹھا کر بے وقوفی سے پوچھا تھا۔

”بھری اور کسی کی۔“ وہ جھلا کر بولتی زور سے بیڑ پر بیٹھی۔ مریم اچھل کر وہ کی کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اسے مجبور تہذیب پر لہسا سا سچو دیتی لیکن اس کی

آپنی غیر متوقع خیرے سے پھری نہیں آئی۔

”مبارک ہو، اتنی اچانک کیسے؟“ بے تاب

سے پوچھا۔

”پتا نہیں کیسے، مجھے تو خدا جاکے پتا چلا۔ چا،

چچی آئے تھے۔ چچی آپنی کو کہہ رہی تھیں، باہمی، بس آپ تاریخ دے دیں اب۔ میں نے کڑے

گزرے تھوڑا سا سنا تو ایسے ہی بول دیا۔ کیا جا ہے چچی میں لادتی ہوں۔ اسی نے گھورا جاؤ جائے لے

آؤ۔ میں جانے کے ساتھ کلاب جاؤں گی لے گی۔

مددے کے درمیان میں ان کے لیے چکی کو خوب اصرار کیا یہ مٹھائی تو کھا میں۔ چچی جس کی

بولیں۔ ”بھائی سنا تو میں نے چھٹا کر دیا، اب فاضل کر لیں۔“ بھائی نے باہر کا بتایا کہ اپنی شادی کی تاریخ طے کرانے بیٹھی ہو، یوں بھوکھو شرم کر رہی تھی۔

میں نے کہا، مجھے کچھ ہاتے تو میں شرمائی ہاتھوں لے کر اس نے ایسے فیصلہ پائی کر جانے لائی نسیب آپنی بھی جس دیں، مریم تو ویسے بھی بے بات تھی۔

”بھلی بار کسی لڑکی کو یوں اپنی شادی کی تاریخ طے ہونے کی خوشی مناتے دیکھا ہے، واقعی شرم نہیں

تھیں۔“ آپنی نے کہا۔ پھر خیال آنے پر پوچھا۔ ”پڑھائی کا کیا ہوگا تمہاری؟“

”پہلی ہوگی، چچی تو کہہ رہی تھیں جتنا چاہے پڑھوں لیکن پھر کوئی ارادہ نہیں، میں تو بس آپ

دوڑنے کا پورا پورا پینے شرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”جیسے نے شاہناہ عازاد اعلان کیا تھا۔“

”بھئی، پھر میں اب کی کیا کروں گی پونڈی میں؟“

”بھئی نے کئی سے کئی پیش کیا۔ خوشی اس کے ایک ایک سے پھوٹ رہی تھی۔ جب ہی مرڈ خوش

گوار تھا۔ اس کے ابو کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس رشتے میں اشعر کی عدم دلچسپی اکثر اسے شکستہ کر دیتی لیکن

اب تمام گھروں کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

”نیکی کی شادی کی ایک ہفتہ بعد کسی اور بھیندے گورنے کا

پتا نہیں چلا۔“ بھئی نے اسے اپنے ساتھ بازاریوں میں گھومتی کر اس کی پونڈی کی کچھ کر دیا اور کسی

وہ اسے زبردستی پونڈی لائی کہ جب تک شادی نہیں ہوئی پھر اسے تھوڑے سیٹھی آجانی بھی پوچھو۔

آپنی اسے اپنے نوک کی بہت لگتی، آپنی جاتی تو دھوپ سے چھٹی بار داون کر ڈالتی۔

مریم کو کتا خانہ کی گھڑی تھی۔ پھر پورے نہیں ہوتے تو پھر میں تیار کیے ہوئی۔ عمر اس

معاظے میں ان کے بہت کام آیا۔ یوں تو کلاس کی چند لڑکیوں سے ہی ان کی بیوہ لے کر تھیں مریم

ٹوش ب کے پاس نہیں ہوتے تھے۔ ویسے مریم کی مدد کو تھیں وہ دل و جان سے حاضر تھا کہ نہ

ہوتا۔ وہ پہلے سے ٹوش تو انہیں گوار کر دیا اور

فری بیڑ میں پورا موضوع اچھی طرح سمجھا دیتا۔ چچی کی شادی کے بعد ساتھ پڑھتے باتیں کرتے مریم کی عمر سے دوستی ہو گئی تھی۔ شاید مریم کی دل کو سمجھا تھا کہ کچھ آپنی تو خود دل کے پیچھے چلی دی۔

”آج بھی وہ عمر کے ساتھ نہیں تھی۔ پڑھتے پڑھتے کچھ تو وہ لے اپنے کاؤں کے کفے

خانے لگا۔ اشتیاق سے اس کی باتیں سننے، لکھیں چھپائی حیرت کا اظہار کر دیتی وہ عمر کو دل میں اتار لی

عکس ہو رہی تھی۔ جانے کی دیر سے دھنسنے کے سامنے سے چھٹی آتے دکھائی دی۔ چچی کو دیکھ کر جہاں

مریم خوشی سے اس کی طرف چلی، وہ پھر کچھ ارکانز ٹوچا۔ اور گرد چھایا جانت کھانوں میں ہوا میں

تھیل دھاتا۔

”چاٹ کھانے آئی ہو کشتیں سے؟“ مریم نے

کچلے کھلے کا چھپتا تھا۔ شادی کے دوسرے ہی ہفتے اس کا پونڈی کی نالے اچھے میں ڈال گیا تھا۔ اس کا

مزید پڑھنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

”بس پار، پھر میں پور ہوئی ہوں تو میں نے سوچا پونڈی میں چھپوں کہ پور ہو جاؤں۔“

اس نے خوش دلی سے کہا تھا۔ پونڈی دیر بعد جب مچا گیا تو وہ مریم کی طرف مڑی۔

”کیا بات ہے آپ کی، عمر اسے دوستی ہو گئی؟“

”وہ اب بندہ ہے کلاس کا تو ہماری طرح میرا ہر کام خود کرتا ہے تو دوستی تو ہو گئی۔“ مریم نے

جواب دیا۔

”میں تو تمہاری بھین کی دوست ہوں، تم سے محبت کرتا ہوں۔ اسے کیوں گرد پتی ہے تمہاری بات کو

سیدھے راستے آئے۔ یہ درست طریقہ نہیں۔“ بھئی نے

گوار کیا تھا۔

”کیا ہے پار، پہلے خود ہی تو اس کی آنکھیں پڑھ کر دیکھیں۔ اب اس کی بیوہ لے کر تھیں مریم کی مدد کو تھیں تو کچھ پڑھ کر دیا۔“

نے چخ کر کہا تھا۔ مریم چچی کے ”خیر تو ہے پار، کیا مسئلہ ہے؟“ بھئی کی آنکھوں کے کنارے چلے۔

”کھڑا کی تو بات کریں گے؟“ اس نے بات ختم کی تو مریم نے بھی کر دیا مناسب نہ سمجھا۔

☆ ☆ ☆

”اماں جان میں آؤ پڑھنا چاہتی ہوں کرانی جا کر۔“ بھئی نے ان کی گود میں منہ چھپانے

کہا تھا۔ اماں جی پریشان ہو گئیں۔

”کرانی جانے کی کیا ضرورت، روز آنا جانا ممکن نہیں، تم سندھ پونڈی میں داخلے لے لو۔“

انہوں نے مل کر کہا۔

”میں ہاسٹل میں رہوں گی روز کیوں آؤں گی یہاں؟“ اس نے بے زاری دکھائی۔

”ہاسٹل میں کیا فائدہ خواہ ہونے کا، یہاں مگر میں میرے پاس رہو چند!“ انہوں نے پیار سے

سمجھا نا چاہا جاتی تھیں جب تک وہ یہاں نہیں تھی، کسی کو یاد کی نہیں تھی لیکن اب اس کے ہاسٹل جانے

پر بہت اعتراض تھے۔

”پہلے آپ کے پاس رہتی تھی، مجھے کراچی میں پانا ہے اماں!“ اس نے تعلیق سے کہا

تھا۔ تعلیم تو وہ یہاں بھی حاصل کر سکتی لیکن کراچی کا کریم ڈرام زاروں سے رابطہ ہوتا۔ وہ اس کے لیے

ایک نئی کلاس بلڈ زونڈی میں بننے والا رشتہ تھا۔

ایک ٹریفک حادثے نے اس سے جان بچا کر دیا۔

وہ اسے ہا، ماما سمجھ لیے تھے۔ مگر معافی سے اس سے اس کا گھور زاروں میں بھی چھین لیا تھا۔ ہا، ماما

کے انتقال کے بعد اماں بہت دہیں اس کے پاس رہی تھیں۔

اس نے خود اپنے کالوں سے ساتھ ادا، اماں سارا زاروں سے کہہ رہے تھے۔ ”تمہاری پڑھائی کے لیے بہت فکر مند رہتے تھے پڑھنا صاحب، اب کوئی ذریعہ نہ ہیں تو کچھ پڑھ کر دیا۔“

میں وہ دس دن بننے لاذ میں تم سے ہوئے تھیں

لگا کر تم کچھ خود بھی کا سکتے ہو۔ وہیں گاؤں آ جاؤ
 بائیں کے کمر کو لگاؤ کام دلا دوں۔" ان کا اعزاز
 اتنا چمک آمیز تھا کہ ایک لمحہ کو لکیر دوڑ گئی۔ زار دون
 اعزاز برداشت نہیں کر سکا۔ اب وہ دھسے آ جاتے
 گا۔ مگر کچھ نہیں ہوا۔ والدین کی چھاؤں بننے ہی
 کر دے بچوں کی دھوپ برداشت کرنا آ جاتا ہے۔

زار دون نے نہ لڑائی لگا کر انہیں دیکھا اور
 سچاٹ لکھنے میں کہا۔
 "شکر ہے، میں خوشی کر لوں گا۔"

وہ گاؤں آ گئی۔ زار دون نے کمر میں لڑکوں کو
 بے ایک گیسٹ کے طور پر رکھ لیا اور کرائے اور لینے
 پڑھا کر کے اخراجات پر دے کر نئے لگے۔
 اس دوران وہ ایک بار بھی گاؤں نہیں آیا،
 صرف ایک بار لکیر دے گئی تھی تو اس سے مختصر ملاقات
 ہوئی تھی۔

☆☆☆

دروازے کے سامنے بائیک روک کر تحصیل
 اعزاز میں دو تالا کھولے پڑھا تھا۔ سارے دن کی
 تھکاوٹ اپنی جگہ لیکن گھر میں بھری یادیں ہر احساس
 پر جاوے تھیں۔ یہ وہی دروازہ تھا، جہاں وہ تئیں
 دینے کی زحمت نہیں کرتا تھا۔ ہارن بجا کر لکیر کو
 دروازہ کھولنے پر مجبور کرتا۔ یہ وہی دروازہ تھا جس
 سے رات کے خاگنوں سے امدد جانے کے لیے وہ
 بائیک کا گھنٹہ پیچھے ہی بند کر دیتا تاکہ باؤس کی آمد
 کے درست وقت کا اعزاز ملے۔

چالی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی
 گھر کی خاموشی نے اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ ایک
 غصیلی سانس مگر گروہ گیا۔ اس کے ساتھ رہنے والا
 ایک لڑکا چھپاں گوارے آ پائی کھر گیا تھا۔
 دوسرا شاید غائب شفت پر تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر بیڈ پر
 بیٹھے ہی اس نے بے دلی سے بازار سے ملنے کی کتاب
 کھلیا تھا۔ شدید سر درد نے اس کا شکر کر دیا تھا۔
 آخری سوسر فکری، سروریت، پھر نیند
 پڑھانے جانا۔ فرسٹ کالج بھی پھر نہیں تھا۔ چائے

کی طلب اسے بچپن کر ہی لیکن اٹھ کر بنائے
 کی بہت دشمنی۔ وہ یوں ہی سونے لیٹ گیا۔ صبح
 جلدی اٹھا تھا۔ چٹنی اور جسنائی تھکاوٹ کے ساتھ وہ
 اعلیٰ طور پر بھٹی پڑھا تھا۔ زار دون حسن نے ہمیشہ
 سب کو اپنے لیے گھر مندو کیا تھا۔ آج شدید تکلیف
 میں یوں تھا، لاواروں کی طرح۔ لینے بے اختیار اس
 کی آنکھیں میٹھی تھیں۔

"آپ لوگ کیوں چلے گئے ماما بلی۔ ہاں کتنی
 تھی نا، میں نہ ہوں تو تمہیں میری قدر ہو۔ کتنی
 تھیں۔"

اسے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب وہ کتابیں کھول
 کر ماسے فرما رہیں کرتا رہتا۔ کئی زیادہ دیر لگا رہا
 پڑھا تو ہر آدمے کھینے بعد گریا، گرم تازہ چائے
 کا کپ سامنے ہوتا۔

"کتنی کھج کرتے ہو زار دون، جب اتنی چائے
 چٹنی ہے تو ایک بار بھوکا کھر اس میں رکھو۔" چیدہ چڑ
 جانی۔

"اطلاعا عرض ہے میں ہاں چائے نہیں
 پیتا۔ وہ چائے والی سکرابٹ کیوں پیتا۔"

"ہوہا! اپنی چائے۔" ایک نئی سکرابٹ
 کیوں پر سچائے۔ چائے کی طلب وہ دیتے وہ سو گیا
 تھا اس نے اسے کیوں نہیں کیا تھا جو چائے نہیں
 چٹتی تھی۔ پھر بھی رات کے اس پہ چائے چائے
 چائے کا کپ سامنے رکھے بھی تھی۔

وقت اچھا نہ ہوا ابھی، بری سب یادیں دکھائی
 دیتی ہیں۔ یادیں اتنا دکھ کیوں دیتی ہیں۔

☆☆☆

مینی روزانہ پر بیوروٹی آ رہی تھی اور پہلے سے
 زیادہ سخت سے پڑھ رہی تھی۔ اس کا لاپرواہی نہیں ہو
 گیا تھا۔ وہ کیر پڑھانا چاہتی تھی۔ کئی گھر سے کچھ
 رہی ہوئی تو قسمی لاکھیری سے کتابوں کا ڈھیر
 اٹھانے آ جاتی۔ اس کی حالت دیکھ کر میر گھنٹہ
 دل میں دل میں شکر بڑا ضرور اٹھیں۔ سنائی۔
 اشعر مٹی سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بچپن

لگا کر اور دھڑکا سے براہ راست کچھ کہنے سے روکے
 ہوئے تھا۔ وہ چار بار اس، بچپن کو کچھ کہنا چاہتا
 انہوں نے ٹال دیا۔ آخر ایک سال پہلے اس نے
 جپ کرنا پتی پسند سے شادی کر لی۔ چچی جان کو جیسے
 صبح طر ہوا انہیں اپنی بچی کے گھر کی گھر ہوئی۔ وہ ماں
 تھیں، ان کے پاس جذباتی کرنے کو "دودھ دینا"
 بچشوں کی کار۔ یہی کافی تھا۔ چچی جان نے اشعر کو
 مجبور کر کے خاموشی سے ذرا بیٹھی سے شادی کرنے
 پر مجبور کر دیا۔ گھنٹوں سے زیادہ بیٹھو نہ کر سکیں۔ اشعر
 نے بیٹھی کو تمام تفصیل بتا دی تھی۔ اس کا بیٹی کو
 چھوڑ دے گا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن جس طرح وہاں
 کیا بیوی پر نذر تھا، وہ بیٹھی کے لیے نا قابل برداشت
 تھا۔ وہ دونوں کے درمیان انصاف کرنے سے قاصر
 تھا۔ اس پر بچی جان کی جذباتی ایک سیلنگ، وہ
 چاہتی تھی کہ بیٹھی اپنے گھر والوں کو کچھ نہ بتائے۔
 بیٹھی کی اہمال بالکل خاموشی سے اپنی تعلیم میں مشغول
 ہو گئی تھی۔ سرکاری توجہ تعلیم سے بہت تھکی تھی اس کا
 دھیان عمر آخر میں ہی انکا رہتا۔ ابھی بھی بیٹھی
 لاکھیری کی ہوئی تھی اور وہ اپنی کلاس روم میں بیٹھی
 تھی کمر آ گیا۔

"کیا ہوا، کبھی کیوں بھی ہو؟ حق کہاں ہے
 "عمر نے گھڑائے ہوئے اس کے سامنے نشست
 سنبھالی اور نظریں اس کے چاند سے چہرے پر جمادیں
 جواس وقت کچھ تبنا تبنا لگ رہا تھا۔

"لاکھیری کی تک بی بی بیٹھی ہو گی ابھی۔
 میرا سو ذرا نہیں تھا قتلے کا؟" عمر نے کھینے کھینے اعزاز
 میں کہا تھا۔

"کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"
 وہ اس کے اعزاز پر پریشان ہوا۔

"ٹھیک ہوں۔ کس بیٹھی کی پیشش ہے۔ کتنی
 بول گئی ہے۔ اٹھ پڑھو اشعر بھائی سے میری دوست

کی زندگی پر یاد کرو گئی۔
 وہ کتنی سے ہوتی باقی پڑھ کر مندی تھی اس لیے
 غصے سے اشعر کے بارے میں کہا۔

"کبھی نہیں کہتے یار، کبھی کوئی مجبوری ہو سکتی
 ہے۔ زندگی کیوں برباد ہو۔" عمر نے کھینا کھینا اعزاز میں
 کہا تھا۔

"کبھی مجبوری، انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کا
 لگاؤ ہو چکا ہے۔ اور اصرار تاک تھا کہ نہ کریں۔
 دروازے سے بیٹھی دارے تو عمر نے سے پہلے ہاتے تاکہ
 بیٹھی اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوئی۔" وہ
 بھٹ پڑی تھی۔ عمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور
 بیگفت موضوع بدل دیا۔

"مریم بھگت سے بہت محبت ہے۔" مریم بھو بھگت
 روگی۔ عمر کی نظریں کے پیغام تو اس نے عرصہ پہلے
 وصول کر لیے تھے۔ اس کا اٹھنا کا انتظار وہ کرتے
 رہی تھی لیکن یہ یوں اتنا جاگ اور جانتا نہ ہوگا، اس
 اعزاز دہیں تھا۔ اس کی جرنیلی سے قطع نظر عمر بولنا جا
 رہا تھا۔

"میں نے جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا، تم
 میرے دل میں اتر گئیں۔ لیکن میں خود کو جھٹلا رہا کہ
 یہ محبت وغیرہ کچھ نہیں ہوگی۔ پھر بھی تم رفت
 میرے حواسوں پر سوار نہیں۔ تمہیں وہ یکن تو نظریں
 ہٹانے کا دل نہیں چاہتا۔ آخر میں نے خود سے پار مالی
 اور تمہاری محبت کا انکار اپنے آپ سے کر لیا۔ کم سے
 میں کبھی بھی یہ اٹھلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔" وہ دیر سے
 دیر سے بول رہا تھا۔ اپنی پہلی بار اس کی نظر میں کس
 چہرے پر نہیں تھی۔ مریم بہت توجہ سے کس رہی
 تھی۔ "تم پہر ایک بخت غائب ہیں۔ میں بھول گیا ہوا
 پھر تارہا۔ یہ تمہاری خیریت کے لیے پریشان ہوتا تو
 بھی یہ خیال آتا کہ شاید تم بیوروٹی کی بیوروٹی ہو۔
 جنہیں دوا نہ دے دینے کا خیال میری سانس بند کر
 دیتا۔ پھر میں خوفزدہ ہو گیا۔ میں نے تمہیں ہانے کا
 موقع لیا۔ میں نے تمہاری طرف قدم بڑھایا، یہ
 جانتے ہو کتنے کبیری کی شادی ہو سکتی ہے؟"
 اس نے مریم کے چہرے کا دیکھا کیا تھا۔ زمین کی
 گردن اس نے مریم کو کھسک کر دیکھا تھا۔ اس کا ہاتھ
 بے ساختہ اپنے دل پر آ لگا تھا وہ کئی میں گردن ہلا

ری تھی۔ "میری خاندانی بیوی سے دے بیٹے ہیں۔ وہ بہت بیمار ہے، اسے میری دوسری شادی پر کوئی اعتراض نہیں، تم مجھ سے شادی کرو گے مریم، میں تمہیں دھوکا نہیں دینا چاہتا کرتم پلیز فیصلہ کرتے ہوئے میری محبت ضرورت یاد رکھنا، وہ سوال چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

مریم خالی کلاس میں اب پر ہاتھ رکھے ماسک پہنی تھی اس کے داغ میں بھر چل رہے تھے۔ پھر ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکلا، دوسرا، تیسرا اور وہ بے اعتبار چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی تھی۔ جب سنی آئی تو اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، آنکھیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ہاتھوں پر سردالے، چہرہ چھپانے وہ اس انکشاف کتنے ہی اذیت سے گذر رہی تھی۔

"مریم کیا ہوا، طبیعت ٹھیک ہے" یعنی سب حد پریشان ہو گئی تھی۔

"کھر جا رہی ہوں" اس نے بشکل جواب دے چہ وہ رڈ کر ماف کرنے کی کوشش کی۔ یعنی کو آدھے پٹنے بند ہوئے والی نکاس یاد آئی لیکن کچھ بھی مریم نے اہم نہیں تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی لگی تھی۔ راتے میں اس نے مریم سے پوچھنے کی کوشش کی لیکن اس نے بھرائی بولی آواز میں سن کر دیا۔

"سب کچھ تمہیں ہی بتاؤں گی، ابھی مت پوچھو۔" اس کا جواب سنی کو خاموش کر دیا۔ وہ اس کے ساتھ کھر آئی تھی۔ زنبب آئی کلاس کی شدید سرور کا تکرار خود شام میں آنے کا کھر کر چلی گئی شام میں جب وہ آئی تو مریم بیمار میں چھپ کر رہی تھی۔

خضابانی لے کر اس کے سر پر پٹیاں رکھتے یعنی مسلسل اس اچانک بخار کی وجہ سوچ رہی تھی۔ جب وہ لائبریری سے آئی تو اسے معلوم چاٹا کھائی دیا تھا۔

مریم سے لایا نہیں، اسے معلوم نہیں تھا۔

"آخیر کیا ہوا تھا۔ اگر صرف طبیعت خراب ہوتی تو مریم یوں بری طرح نہ دردی۔ بہت دن بعد یعنی اپنے غم سے گل کر کچھ سوچ رہی تھی۔

رات وہاں کے پاس ہی رہی تھی۔ گنگے دن

اس کا بخار ہزار چکا تھا لیکن وہ بالکل خاموش تھی۔ نہ کھر پل رہی تھی، نہ کھا رہی تھی۔ دیران سوئی ہوئی آنکھیں میں جا بجا اثرات کے ساتھ وہ ایک ہی دن میں زرد لگنے لگی تھی۔ کھر میں سب پریشان ہو گئے تھے۔

زنبب آپا بچن میں گھنٹی تو سنی مریم کے سر ہو گئی۔

"یہ کس چیز کا بخار ہے۔" یعنی نے منجھکی سے پوچھا تھا۔ مریم نے خالی نظروں سے اسے دیکھا اور

کہا۔ "مریم بس کرو۔ خدا کے لیے، میری زندگی میں پہلے ہی بہت مشکلات ہیں تم تو یوں مت کرو۔"

"یعنی رڈو گی۔"

"ہمارا قسمت ایک جیسی ہے، عزم اور بجز مریم نے آنکھ سے کہا تھا۔ یعنی نے چھک کر سر اٹھا تھا، وہ اسے ٹوکانا جاتی تھی مگر گل سے اکیلے سوچ سوچ کر اور رڈ مریم کا سر پٹ رہا تھا وہ دل کا

غبار نکالنا جاتی تھی۔

یعنی سے نظریں ملائے بغیر اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے وہ بیٹھی تھی۔

"مریم شادی نہیں کرو۔" وہ اسے اصرار بھائی کی طرح بچے دھوکا نہیں دینا چاہتا اس لیے پہلے بتا دیا۔ وہ

استہزا پسندی اور شکایتیں سنی کو دیکھا۔

"ساتم نے، وہ کھر نہیں دینا چاہتا ہے۔ وہ ہے اس کے، مجھے پہلے سے بتا رہا ہے۔ شادی سے پہلے،

محبت کی ڈور سے باندھ کر۔"

"تم۔" کیا کر دگی؟

یعنی کو سمجھ نہ پایا کیا ہو لے۔

"میں اس سے شادی نہیں کر سکتی لیکن میں اس کے بنا کیسے رہوں گی۔" وہ بھر دے لگی تھی۔

یعنی نے اسے چپ نہیں کر دیا تھا۔ وہ لے ڈاؤن چھوے آنسوؤں کے ساتھ اپنے ہاتھ کی ٹکڑیں کھوج رہی تھی۔ کوئی کتنا ہی غریب نہیں نہ ہو، روجب ہی ہوتا ہے جب چہ اپنے دل پر محسوس ہو۔

☆☆☆

مریم نے یونیورسٹی کا بائالکل چھوڑ دیا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر گھر میں بھی کسی نے اسے اڑائیں کیا۔ یعنی یونیورسٹی آئی تو عمو کو بالکل نظر انداز کر دیتی۔ اس کے اعداد نے عمو کو یاد کر دیا کہ وہ لاطن میں سوہنہ خودی کے اس سے مخاطب نہیں ہوا لیکن آج بھی یعنی کو تہنہ دیکھا تو وہ نہ سکا اور اس کے پاس آ گیا۔

"مریم کیوں نہیں آ رہی؟" اس نے منجھکی سے پوچھا یعنی نے سر اٹھا دیا غصے سے اسے دیکھا، چوڑی اور سینڈ وری والا معاملہ تھا۔ وہ رڈ کر پائی۔

"مریم کی ہے مریم"

"شٹ اپ یعنی، ڈھنگ سے جواب نہیں دے سکتی تو چپ رہو، عمو ایک دم بدیم ہوا، ناگوار ہے اس کے سامنے پرل بڑے تھے۔

"کیوں چپ رہوں، کیا مجھے ہوتم نہیں، اپنی رعایا، کیا میں؟ مجھے اس طرح ہی بات کرنی آتی ہے۔ بہتر ہے کہ تم مجھ سے بات مت کرو۔"

اس نے تمام لٹا ڈالے غلطی رکھ دیا۔ غصے سے عمر نے لب بچ لے لے۔ اس کی بھٹی کی رگ بھر بھڑانے لگی۔ ایک لمحے کو تو دل پا کر دہیں سے

پلٹ جائے لیکن مریم کی کھلی آنکھیں، اب برسرے ہاتھ اور پٹی میں بھی گردن اس کے ذہن سے گزریں ہوئی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ انکشاف ان سب کے لیے بہت ہوا ہے۔ اس کے اثرات زائل ہونے

محلی دقت کے گاریم سے رابطے کا یعنی کے علاوہ کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا۔

"یعنی پلیز تم تو تسلی سے بات سنو" اس نے خود پر کا پورا کہا تھا۔

"کیا وہ کیا سنتے، بس اپنی حماقت کا ماتم رہ گیا ہے وہ کر رہے ہیں۔" یعنی نے بے دردی سے جواب دیا۔ اس کے زیادہ برداشت کر عمر کے لیے لیکن

نہیں تھا۔

"حق تو یہی تو کہ، خوش فہمیں میں بیٹے والے، دوسروں سے امیدوں کے پھار کڑے

کرنے والے کا عقل مند ہوتے ہیں۔ میں نے کب مریم سے شادی کے وعدے کیے تھے، میں کر جاتا اس کی گھٹن گھٹن دیکھ کر نام دے کر بیانا بتائے

شادی کر لیت تو کیا کر لیتے تو کھ گھٹن میں مرد خوں۔ دل کے ہاتھوں مجبور ضرور ہوا ہوں مگر کسی کو

فریب نہیں دے رہا ہے کھر میں، میری جھٹی بیوی کو، میرے باپ کو سب کو مریم کا علم ہے، میری جھٹی

سے شادی کر کے میں اسے بھی حویلی میں ہی رکھوں گا۔ تم اپنے شوہر کے آئینے میں سارے دروں

کو مت دیکھو جو کوئی محبت کو عزت سے زیادہ نہ سکا اور اپنی عزت کو محبت نہ دے گا۔"

اس کے کھچے کا عمر نے خوب بدلہ لیا تھا۔ حسب عادت وہ اپنی سار کا چلا گیا تھا اور یعنی چ

تاب کھائی نہ رہی۔ تڑپاٹنے کا ڈرنہ ہوتا تو وہ اس کا منہ تو لچھی۔ وہ کون ہوتا ہے اس کے ذاتی معاملات

میں ہونے والے لاخو کو کوئی جواب ثابت کرنے کے لیے وہ سب کو غلط کہہ گیا تھا۔

☆☆☆

بابا جان پر سکون بیٹھے عمر کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ اضطراب سے، یعنی، بے سکونی کتنے دن

سے رڈ کر رہی سرخ آنکھیں، اس کا ایک انگ اپنی محبت سے حق میں گواہی دے رہا تھا۔

"یہ سبہ حال تم نے اچھا کیا کیا۔ ہم کبھی دھوکا

دہی کے قائل نہیں رہے۔ زہر ہمارے بھائی کی بیٹی ہے۔ ہمیں بے حد عزیز یعنی میں دوسری شادی گناہ

نہیں۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہے تھے۔

"جی ہاں بابا، مریم میری محبت ہے تو زہرہ میرے بچوں کی ماں۔ مجھے دودھ عزیز ہیں۔ لیکن

جس دن سے اسے معلوم ہوا وہ دیر بار یونیورسٹی نہیں آئی۔ وہ اس سے سب باتیں کر لیتا تھا۔

"تو فون، دودھ کھو بابا، کھر جا لے۔ بات کرنے سے ہی بات بنتی ہے۔ اپنی خواہش پوری

کرنے کے لیے نچے تو اٹھانے ہوں گے نہیں۔
ورنہ لڑائی کی کیا کمی؟ ”وہ شاہانہ اعزاز میں
مشورہ دے رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا ڈالا پریشان
ہوں، وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔

”تم ٹھیک ہے، میں کچھ سوچتا ہوں۔ پھر میں
رشتے کی بات کرنے آؤں گا۔“ پہلے میں
زہرہ کا علاج مکمل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر اس
صورت حال میں اس شادی کو اندازت سے نہیں۔

اس نے قطعی لہجے میں کہا تھا۔ جسے رشتے پر مریم
اور اس کے گھر والے سوچ بھی نہیں رہے تھے۔ وہ
انہوں نے اسے نہیں پکا کر دیا تھا۔ وہ جتنا مریم
فیہ ردائی، روشن خیال ہیں جانتے، درگاہیں میں لہو کی
طرح دوڑتی حاکمیت اپنا اصل دکھائی جاتی تھی۔

☆☆☆

گھر میں سب کو مریم کے بیوی بچہ پھوڑنے کی
وجہ معلوم ہو گئی تھی۔ عمر امتحان کے لیے قائل نہیں ہوتا
تھیں۔ اس سے پہلے نظر مریم نے خود ہی اس سے لاطعلق
ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ صرف عمر سے لاطعلق نہیں ہوتی
تھی بلکہ زندگی سے ہو گئی تھی۔ گھنٹوں خاموش بیٹھی
راتی، بیٹھی کی قصدا کی گئی خوشیاں، آپ کی باتیں، روزنی
کی شرارتیں کچھ بھی نہیں سمجھا تھا۔ وہ چپ چاپ
اندرونی اندر مریض تھی۔ اس کی حالت ان سب کے
لیے پریشان کن تھی۔

”مریم خدا کے لیے، یوں مت کرو۔ دیکھو
انگل بھی کتنا بیمار ہیں تمہارے لیے۔“
نفس آپ کی کہنے پر بیٹھی اس سے پھر بات کر
رہی تھی۔

”میں نے کیا کیا؟ بابا کیوں پریشان ہیں؟“
اس نے چونک کر پوچھا تھا۔
”خود کو دیکھا ہے؟ نہ بولتی ہو نہ کھاتی ہو۔“

آنکھوں کے گرد ملتے پر ڈگے ہیں۔ کون خوش ہوگا
جہیں وہ دیکھ رہی تھی۔ ”بھی پوچھ ڈی کی؟“
”میں کیا کروں بیٹی، میں کیا کروں۔ میں
آکھیں بند کرو وہ سامنے نظر آتا ہے۔ بیروا دل

چاہتا ہے ایک بار اسے دیکھ لوں، اس سے مل لوں۔
پھر سوئی ہوں کچھ ہے یہ چند دن میں کڑور ہے تو
پوری زندگی کیسے بٹنے کی اس کے بن۔“ وہ مسک
رہی تھی۔ بھی سر پر کڑی بیٹھی، بخود دیر بعد راتھا کر
دیکھا تو آنسو اٹھی تھی اس کے رخساروں پر بہہ رہے
تھے۔

”مریم، عمر تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تم اس
سے شادی کرلو۔“ وہ بیٹھی سے کہہ رہی تھی۔
”دوسری شادی، کبھی لاہی مارگر کا اس نے آنسو
بجری آنکھیں اٹھا لیں۔

”بھئی، دوسری شادی سے کچھ نہیں ہوتا، جس
نے انصاف کرنا ہوتا ہے۔ وہ کرتا ہے تم اسے ذہن
سے سوچو۔ عمر جس بیک کر کا ڈر سے غفلت رکھتے
ہاں دوسری شادی مستحب نہیں۔“

وہ آرام سے شاید عمر کے الفاظ
پر دل کو دے رہی تھی۔ ”وہ نہیں چاہتی گی کہ اس کی بے
رنگ زندگی کا تجربہ مریم کی زندگی میں بھی اندھیرے
بجھو رہے۔ وہ اسے خوش دیکھنا چاہتی گی۔ اسے یوں
دانہ بد نہ ملنے دیکھنا چاہتی گی۔“

”تم عمر کو بھول جاؤ اس سے شادی کرلو۔ یوں
اسے پھوڑ کر خود کو بھی تھما کر لینا مسئلے کا نہیں۔
نفس آپ کی تمہارے لیے رشتہ دیکھ رہی ہیں۔“
اس نے صاف صاف بات کی۔

”بھئی، عمر نہیں تو کوئی نہیں۔ میں ساری
زندگی اس کی یاد کے ساتھ گزار سکتی ہوں لیکن اس کی
جگہ کیوں دے سکتی۔“
وہ بے ساختہ بولی تو بیٹی گہری سانس بھرتی اٹھ
کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

عمر نے سوچا تھا کہ وہ اس کے گھر جا کر اس کی
بیماری یا والد سے بات کرے گا، انہیں سمجھانے کی
کوشش کرے گا لیکن اس سے پہلے ہی ایک دن بھی
اس کے پاس نہ آئی۔

”آپ اگر مریم کے لیے جیسا کہ رہے رہتے بیچ
دیں اس کے گھر والے اس کی شادی کر رہے ہیں۔“
اس کا اندازہ ساٹھ سالہ حاکم الفاظ کو کہاں لے کر گئے
تھے۔ بڑے دل سے ہی لیکن مریم نے حقیقت
تجمل کر لی۔ وہ شادی پر مان لگی تھی۔ اب وہ ایک لمحہ
کی تاخیر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کہیں اس کا ارادہ نہ
بدل جائے۔ اس کے گھر والے مسئلہ پیدا نہ کریں۔
نکلتے ہی خدشات تھے جن کے ذریعہ ان دونوں میں
ان کی شادی ہو گئی تھی۔

عمر کی پہلی بیوی زہرہ اس سے عمر میں بڑی اور
کینسر کی مریض تھی۔ اس نے کیلے دل سے عمر کو دوسری
شادی کی اجازت ہی نہیں دی تھی بلکہ مریم کو قول
بھی کیا تھا۔ اپنے بچے اس نے مریم کے حوالے کر
دے دیے تھے۔ سب اسے بھلی بیٹے لیکن وہ بولہ آنے
والی سوئی دیکھ کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جب
وہ نہ رہے تو مریم اس کے بچوں کے لیے ماں بن
جائے۔ اسی لیے وہ اسے بیٹوں کی طرح چاہتی اور
اس کا خیال کرتی۔ جو بیٹی کا دوسرا پورہ عمر کے چچا چچی
زہرہ کے والد کا تھا، جہاں وہ اپنے دو بیٹوں کے
ساتھ رہتے تھے۔ زہرہ کے گھر والے نے مریم کے
لیے بہتر پریشانی تھے۔ عمر کے سامنے وہ بچہ نہ کہتے
لیکن اکیلے میں مریم کو اس کی حیثیت یاد دلا
دیتے۔ اپنی بیٹن کی خراب طبیعت میں مریم کا اس
کی جگہ نہ لینا، انہیں ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ مریم عمر
کی بیٹیوں سے سرشار سب کچھ نظر اعزاز کیے رہ رہی
تھی۔

پھیلا دھواں تھا۔ جب وہ ایک چار دیواری
بیٹی کی ماں بنی۔ ہسپتال میں اس کے گھر والے خوشی
سے چپکے پھر رہے تھے۔ جبکہ عمر نے بیٹی کو دیکھ کر
گاؤں روانہ ہو گیا۔ اس کی پہلی اولاد دلہن عمر کی
خوشی سے وہ سب کام دھنڈے بھول جاتا۔ بابا جانان
یوں نہ گھڑی کو اتے جیسے کسی دور کے رشتہ دار کی
جاتے جاتے عیادت کرتی جاتے۔

ہسپتال سے وہ آپ کی کے ساتھ ملتی تھی۔ بیٹی

بہت کمزور تھی۔ عمر کو بیٹی سے زیادہ مریم کی فکر تھی۔ وہ
فون پر اس سے بات کر لیتا۔ اپنی عیادت اور بے
تاجاں جتنا تا مریم پتھر ہی پتھر کر وہ بھی اپنی بیٹی
کے لیے بھی اس بے اعتبار محبت کا اظہار
کرے۔ ڈیڑھ ماہ بعد وہ پہلی آنی تو زہرہ نے اسے
باتوں بات کہہ لیا تھا۔ وہ دسارے شکوے بھلا دیتی، اگر
زہرہ کی مجاہدیاں اس عمر کے بیٹوں کی عیادت پر
گاؤں میں ہونے والے جشن کی تھیلیات نہ
گنوا تھیں۔

”راست تو دینا ہے ہوتا ہے۔ پہلی بار بیٹا ہو
جاتا، بعد میں چاہے بہن آجائی۔“ خود غور ہو کر
وہ اسے چ کے لگاری تھیں۔
”وہ بیٹی ہیں بابا، اللہ اس کے اب بیٹی کی
ہی لگی تھی ہمارے گھر۔“

اس نے مسکرا کر انہیں تو جواب دے دیا تھا
لیکن دل میں ایک غم غم پیدا ہو گئی۔
کیا ہو جاتا اگر وہ اس کی بیٹی کی پیش قدمی پر بھی
جشن منا لیتے۔ اس کی پہلی اولاد تھی۔ دل میں گلے
شکوے باقی وہ بھول گئی تھی کہ ان کی سوسہم کی کا سب
بیٹیاں بیٹیاں نہیں بلکہ زہرہ پر روز بروز بگڑتی حالت کے
سب بچہ اور اسے دل کھینچتے۔ ایسے ہی ایک دن
بابا جانان اور عمر زہرہ کو لے کر لاہور گئے ہوئے
تھے۔ اس کی بھی کڑی علیحدہ کا بیچارہ نہیں رہا تھا۔ وہ
پریشانی کے عالم میں چادر لپیٹ کر گلی تو سامنے زہرہ
کا بھائی موجود تھا۔

”بھئی طبیعت خراب ہے۔ ڈاکٹر کو دکھانا ہے
“اس کی استغاثہ یہ نظروں کے جواب میں اس نے کہا
تھا۔

”آپ اندر جائیں۔ میں ڈاکٹر بلواتا ہوں۔“
اس کے کہنے پر وہ اندر آ کر ایک باہر اس کے
پر پر پٹیاں دھکی کر فریاد کیا کہ درد کر رہی تھی
تھی۔ بیٹھی نہ کہ لاڈ کو ڈاکٹر کو بلوانے کا کہا
ضرور تھا لیکن ڈاکٹر کی غیر حاضری کا سن کر کوئی تبصرہ
نہیں کیا۔ خانم کو دکھا گھم نہیں ملا تو وہ بھی آرام سے

جیسے گھبراہٹ ہو کر گزرتے وقت میں مریم سے پہنچی ہے ڈاکٹر کی جھڑپیں، ڈاکٹر کا کھینچا ہوا ہنس، قہار کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ وہ پیش درپیشی کے عالم میں ملازم کو گڑھی ٹٹالنے کا ہنسی بھرا حال دیکھ کر ہلکی سی جھڑپیں مارتے تھے۔ گاڑی کے چوٹی سے پہلے چلتی ہوئی ایک اطلاع بھیج گئی تھی۔ وہ تیزی سے آئے۔

”آپ اتنی شام کو اسے لے کر آئی کیسے جا سکتی ہیں۔ یہ ہماری روایت نہیں“۔ بولتے بولتے انہیں لہجہ کی ننگی رحمت سے غراب حالت کا اور کار ہوا تو اثر ڈال دے۔

مریم کے اندر کی ماں نے اپنی اولاد کی خاطر اور سمجھوتے کے قیام بہت ڈوب دیے تھے۔ ”آپ کی رولتوں پر میں اپنی بچی نہیں قربان کر سکتی“۔ ”تو خرچ کر جواب دیجئے اس نے ڈرائیور کو بلنے کا اشارہ کیا تھا۔

نزدیکی شہر کے ہسپتال کے لیے کوئٹہ والی ٹیسی امداد سے کرکرا رہی روانہ کر دیا تھا۔ اس کا سانس اکڑ رہا تھا۔ گراہی پہنچ کر لیکر کو ہسپتال میں ایڈمٹ کر دے۔ پشانی سے مریم کا کورس مہم رہا تھا اس نے اپنی آئی کوڈن کیا اور منٹوں میں سب اس کے پاس موجود تھے۔ حسن جانا ڈاکٹر سے ملے۔ لہجہ کی تحریرت روایت کر رہے تھے تو نسیب آئی بڑا حال بیٹھی مریم کو گھوگھوڑی جارہی تھیں۔ مصیبت کے انھوں کو تپا بیٹھیلے مریم کو خود پر دنا آیا تھا۔ وہ قہاس کی محنت کا انعام۔ پسند کی شادی کا نتیجہ سب کے لیے ہی اتنا بیکام ہوتا ہے یا اس کی قسمت میں ہی یہ سب لکھا تھا۔

حلی فون کرنے سے عمر کو لہجہ کی خراب و محنت کی اطلاع مل گئی لیکن زہرہ کی سر جری کے باعث وہ اسے چھوڑ کر نہیں آسکا تھا۔ شیش بھائی نے مریم کے کچھ بات سے پہلے مناسب الفاظ میں اپنا مقدمہ پیش کر دیا تھا۔

کتنے ہی دن اپنے سیکے گزرا کر مریم واپس

آئی تو ایک ہی تھی۔ حالات کی ہنگامی کا اندازہ عمر کو بھرا جب مریم نے اسے لہجہ کے مستقل نسیب آئی کے پاس رہنے کی اطلاع دی۔

”دماغ ٹھیک ہے تمہارا امیری بچی کیوں اصرار، اصرار ہے۔“ بے اختیار وہ بگڑا تھا۔

”اس لیے کہ باپ کے گھر میں سارا دن بخار میں پھنسی آپ کی بچی کو ڈاکٹر کی دستیاب نہیں تھا۔ میں خود پر سب برداشت کر سکتی ہوں مگر میں لہجہ پر آج بھی آئے ہیں یہ برداشت نہیں کر دوں گی۔“

مریم نے سبک کر جواب دیا تھا۔ ”نظاک ہوئی گی بیٹی جہاں سے بات ہوئی تھی میری۔“ انہیں کال معمولی بخار ہے، شام تک ڈاکٹر آ کر دیکھ لے گا۔ تم لہجہ کو لاؤ، آئندہ ایسا نہیں ہوگا ”مریم نے اس سے بات کی تھی۔ مریم آج بھی اس کی محبت تھی۔

”میں اپنی بچی پر رسک نہیں لے سکتی۔ میرا تو خود واپس آئے گا کبھی ارادہ نہیں تھا لیکن زہرہ آئی کی خاطر میں آئی۔“ انہوں نے مجھے اپنے بچے امانت سونپے ہیں۔ میں غائب نہیں۔ میں یہاں رہوں گی لیکن یہیں یہاں نہیں آئے گی۔“

اس کے لفظی انداز پر عمر کی طور پر خاموش ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا مریم کیسے سے جذباتی ہے، اب ایک فیصلے کرنا اس کی عادت ہیں۔ کچھ عرصہ گزرتا تو وہ خود لہجہ کی محبت سے مجبور ہو جاتی۔

اسی دوران زہرہ کی موت نے یہ مسئلہ پیچھے ڈال دیا۔ مریم نے دکھ کی اس گھڑی میں ان کا پورا ساتھ دیا تھا۔ ماں نے ان کے ران کے دلوں میں بیڑی بالا دیا۔ یہ زہرہ کی لیکن وہ نسیب آئی کے گھر میں اور سب کے دلوں میں اپنی مضبوط جگہ بنا چکی تھی۔ انہوں نے لہجہ کو واپس پیچھے سے انکار کر دیا تھا۔ لہجہ کی تعلیم اچھی اور بہتر مستقبل کے لیے اس نے اپنے دل سے ہر جھگڑا کھینچا تھا۔ گاڑی میں زہرہ کی اپنے اسٹول پر بیٹھ کر لڑکوں کو بڑھانے کا رونا دہنا تو بہت ہی کم تھا۔ واپس آئی لہجہ کے مستقبل کے لیے

تقصان دہی ہوتا۔ سائول اس کا احترام کرتا لیکن وہ اپنے شعلہ والوں کے زیادہ قریب تھا۔ ان کی باتوں کے زیر اثر وہ اکثر لاپرواہی رہتا۔ سائول نے اسے اپنی جتنی ماں کی محبت کی۔ ان کا دل رابطہ تھی اسی لیے وہ لہجہ کی بچیوں کی طرح چاہتا تھا۔ اپنی تعلیم زندگی گزارتی لہجہ نے بھی سوچا بھی نہ تھا کہ مریم، بابا کی ایک محنت اسے یوں حلی میں واپس لے آئے گی۔

☆☆☆

کافی دیر سے لہجہ ماں کی فریاد کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ گاڑی کی عورتیں سب کو پیغام ملائیں تھیں کہ اسکول میں کوئی استاد حاضر نہیں ہوتا۔ ماں انہیں یقین دلا رہی تھیں کہ عمر کا کوہ متاویں کی اور ان شاء اللہ اس کا انتظام ہو جائے گا۔

”ان کے بچے تو شہر جا کر پڑھ لیتے ہیں، انہیں گاڑی کی حالت سے کیا مطلب۔“ لہجہ نے ٹی سے سوچا تھا کہ بچے کاوین سب کے اتنے پیار اور خون کے رشتے کے باوجود وہ خود کو اس سے الگ ہی سمجھتی تھی۔ شاید یہ اس بلنے کا شہود میں بابا جانا ہے والا عام تاثر تھا جو اس کے ذہن پر طاری تھا۔

”میرے ایڈیشن کی بات کی آپ نے بابا سائیں سے۔“ سب کے جاتے ہی وہ سامنے آ بیٹھی۔ دل رابطہ سبھی قہار کی باتوں سے وہ اس کے والدین تھے، وہ ان کی مرضی کے خلاف نہیں جا سکتی تھی۔

”کر لی ہے بیٹا، انہیں بھلا کیا امیر اصرار ہوتا، ان کی ذولی خواہش ہے کہ تم بہت سارے خوش رہو۔“ ماں نے پیار سے جواب دیا تھا۔ وہ اس کے دل میں بلی رہی دیکھنا اس کی گم کرنا چاہتی تھیں۔ اس کا لایا یا انداز مریم سے دل نہ تھا۔ وہ آئی کے گھر جاتی تھیں سب وہاں رہتے تھے لہجہ کے چہرے پر یوں ہر وقت سوچوں اور افسوس کے تاثرات نہیں رہتے تھے۔

”میرا ایڈیشن ہو گیا؟ کب سے کلاسز ہیں؟“

”ان کی بات نظر انداز کرتی رہے تالی سے گیا ہوئی۔“

”حادثہ کو بولیا تھا میں نے، بات کر لیتا، یو پیوٹی اور مضامین کا فیصلہ کر لیتا۔“ انہوں نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ دہرے کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ اپنی گھرانی میں کھانا کھا لیں۔ بابا سائیں اور سائول لالہ زیادہ زہرہ کی ہی بڑبڑوں کے معاملات سنہاتے تھے، کھانے کے وقت ضرور آتے۔ سائول سب سے چلا گیا تھا۔ اس کا بیٹرو وقت کر بچی میں گھڑتا، جہاں حادثہ بھی ان کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ اس نے خاندانی زمین داری سنہاتے رہے۔ بابا سائیں کی اپنا سرسٹ کرنے کو ترجیح دی تھی۔ لہجہ ان کی بات پر سنبھلا کر کہی۔ ”حادثہ انداز تھا لیکن دوستانہ نہ تھیں شازیہ بھائی کا حوالہ اسے لہجہ کی گولڈسٹ میں نہ آئے۔ دینے۔ کھانے کے وقت بابا سائیں نے اسے حادثہ سے بات کرنے کا کہا تھا۔“

”حادثہ تمہارے مضامین پر چڑھ رہا تھا۔ کیا پڑھتا ہے، بتا دیتا۔“ انہوں نے سرسری انداز میں کہا تھا۔ لہجہ نے سر اٹھا دیا اس کے بابا کو اس کے انتقالی نتائج سے لے کر مستقبل کے عزائم تک سب معلوم تھا۔ شیشے خون کے ہوں تو بھی محبت اور توجہ کے بنا زندہ رہیں۔ سب اعلیٰ طلب کا ہوتو دل سے بھلیا جاتا ہے۔ انہوں نے اسے باطل میں رہنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ سائول لالہ کو گھر چھوڑ کر باطل میں رہے یہ کسی کو گوارا نہ تھا۔ آخر لہجہ نے ہار مانی لیکن اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ اسی خراب موڈ میں وہ لہجہ کی کلاں کا رڈکس لیے بیٹھ آئی۔

”آپ کا فون ہے۔“

”مجھے کون کسے گا کسی اور کا ہوگا۔“

اس نے سر اٹھاتے بغیر سے زاری سے جواب دیا۔ وہ سلی فون، استعمال کرتی تھی۔ حلی کا نہ تو اسے پائیگی نہیں تھا۔ کچھ کی کسی کو دیتا۔

”حادثہ سن گیا کہ اب بے بی بی اُلا دھ نے

بدستور ہاتھ آگے کیے تا بعد ازاں سے بتایا۔

”جی“ اس نے فون کان سے لگا کر گھر مارا انداز میں کہا تھا۔

”السلام علیکم ایسی ہیں آپ۔“ اس کی تڑتازہ آواز سنائی دی۔

”علیکم السلام آؤ وہ سلام کا جواب دے کر خاموش ہو گئی تھی۔

”آپ پھر خراب موڈ میں بیٹھی ہیں یا میری کال نے آپ کا موڈ خراب کیا ہے۔“ وہ ایک دم سنجیدہ ہوا۔

”لیکن تو کوئی بات نہیں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”اب ایک دم سبکل تھی، اسے کیا کہتی اور کیا بتائی۔ اس کے کراچی میں موجودگی کی وجہ سے بابا

سائیں نے ایڈمیشن کا سارا کام اس کے ذمے ہی ڈالا تھا۔ اب جب بار بار واسطہ پڑتا تھا تو بلا وجہ کی

یکطرفہ بحث رکھنا پڑتا تھا۔“

”غلط جانی تو آپ کر رہی ہیں۔ میرا حال پوچھنا تو درکنار آپ نے اپنا بھی نہیں بتایا۔ وہ بھی

بھی ایسی رسومات بھرا لیے تھے۔“ اس نے جتایا تو لیچر کا یکدم فصد آیا۔

”جی، اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اس سے ہواں میں، آپ سائیں۔ کاردار کیا جا رہا ہے۔“ اس کے چپا چپا کر

کہنے پر وہ پتھر لگا کر چٹا ہوا۔

”میں کیا بناؤں مجھے تو حکم ملا ہے فہرڈاؤ لمیٹڈ کے احکامات کی نسل کا، اب فہرڈاؤ صاحبہ کا حراج

برسم ہے تو بات کیا ہو۔ وجہ دریافت کر سکتا ہوں میں۔“ وہ اب اسے چھیڑ رہا تھا، انداز اٹھا

بیٹھے چھین کے دوست ہوں۔ اگلی دہے سے برواشت کرتے آؤ آفس کا سٹیڈیجیاب دے کیا۔

”جی، آپ کی بہن کے کل میں رہنے کا حکم صادر ہوا ہے مجھے۔ یہی برواشت نہیں ہو رہا۔“ چکر

اس نے صاف جواب دیا تھا۔ بعد ہی ہوئی۔ جس میں برواشت کرنی جاوے گی۔ پہلے کی گواہیتیں تھے فرض، اب حقوق جتانے آگئے۔ وہ کھول رہی تھی اس کے

انداز پر حارث ایک دم جب ہوا۔ ادنیٰ شانہ کی اعزاز اس سے ملتی رہتا تھا۔ ان کے سامنے تو بیرونی میں

بعض اوقات ایسی گفتگوئی، پھر ان کے گھر میں ساتھ رہنا بیجا مشکل تھا۔

”وہ میری بہن کا نہیں، آپ کے بھائی کا گھر ہے۔“

”آپ کا حق ہے اس پر۔ ادنیٰ کچھ کہہ دیں تو نظر انداز کر دیں۔“ اس نے آرام سے سمجھایا تھا۔

”اگر وہ چاہاں لالہ کا گھر ہوتا تو میں اس پر اپنا حق بھی سارواں لالہ نے مجھے بہنوں والے حق میں

دے دیا حارث۔“ وہ دیکھ کر سے شکوہ کر رہی تھی۔ اسے چاہی کہیں چلا جاتا اور فاسلم ہو گیا تھا۔ تکلف کی

ویار کر چکی تھی۔ دوستی کا آغاز ہو گیا تھا۔

”لالہ کا حراج ہی ایسا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ، ادنیٰ کے ساتھ ہے۔ ایسے ہی چپڑا آتے ہیں۔ تم

اس بات کی ٹھمرت کرو۔ میں جی ہوں یہاں کوئی بھی مسئلہ ہوئے بتانا۔“ حارث نے انھوں میں آپ سے تم

کا سزے کیا۔ اس کے دوستانہ انداز پر اسے ایک دم احساس ہوا تو خاموش ہو گئی۔

”اس نے بھی سبکدستی سے موضوع تبدیل کیا۔“

”کس ٹیلڈ میں اور کس یونیورسٹی میں جانا ہے پھر؟“

اس سے باتیں کر کے بہت دیر بعد اس نے فون بند کیا تو ذہن پر موجود بات کا محسوس طور پر ختم ہو

چکا تھا۔ وہ بہت دیر پہلے بعد کوئی کے عالم میں اپنے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

سورج سر پر چمک رہا تھا۔ جتنی دھوپ میں سر جھکاے پتھر کھوکھوڑا نہ دھچکا جا رہا تھا۔ پتھر کالی

دور سے اس کے ساتھ تھا۔ بانگ مسٹر کر رہی تھی تو آج وہ اپنا دوپٹہ فتح کرانے بس میں ہی آگیا

تھا۔ یونیورسٹی کے وہاں لگتے سوچوں کے ازدحام میں وہ پس انداز کر کے پیدل ہی چل دیا۔ اب نام

رنگ اور کار کی کار کا انتظار تھا۔ جب تو وہ ساتھ ساتھ وضو ہی رہا تھا۔ ذکری آجانی تو شاید یہ تلاش جلد

کامیابی سے ہمسکا رہی۔ ابھی جاہل جانی تو وہ اپنا گھر خالی کر دیا تھا۔ اپنے گھر میں دوسرے لڑکے

دیکھ کر اسے اجنبیت کا احساس ہوتا تھا۔ جو شے مجھڑ گئے تھے وہ تو وہاں نہیں آ سکتے تھے جس ان گھر سے

بہت پادیں جڑیں تھیں۔ وہاں وہ دمہ، بابا کی خیر خواہی

محسوس کرتا۔ وہ گھر کو بالکل دینے ہی رکنا چاہتا تھا

بیٹے وہ ان کی زندگی میں تھا۔ اسے یہیں جانے کی جلدی نہیں کی سو سوچوں میں ممکن جا رہا تھا۔ جب

ایک گاڑی نے اس کے پاس آکر بریک لگائے تھے۔ اس نے نگاہوں سے سر اٹھایا۔

”زاردن آؤ، تم چھپو دو۔“

”جاؤں لالہ نے آفر کی تھی۔“

”نہیں شہر، میں چلا جاؤں گا۔“

اس نے تکلف سے جواب دیا

”تم آگ پڑا، آؤ بیٹھو۔“ انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں امر اور کیا تو حیران ہوتا بیٹھا۔ باہر

کے گرم موسم کے برعکس گاڑی میں ٹھنکی تھی۔ ایک سکون سا رنگ۔ وہیں سے اترا ڈرائیو کو پلٹے کا اشارہ

کرتے وہ اس سے مخاطب ہوئے۔

”لیکن باہری ہے پڑھا؟“ اسے سمسٹر ہو گیا؟ کیا کر رہے ہو آج کل؟ نرزی سے مسکرا کر پوچھتے

لالہ کے انداز میں اس دن والی سخت بات نکل نکلی۔

”جی، اب بس رزلٹ کا انتظار ہے۔“

”میں نے ابھی دیکھا کہ جواب دیا، اب ان نوازشوں کا مطلب۔“ وہ لہجہ کے بھائی ہی میں بابا کے

مٹھے اسٹوڈنٹ بھی تھے، انا کٹر لے آتے تھے۔ بابا کا ہی خیال تھا کہ وہ ان سے روز دہشتیں ہو پاتا۔

”میری مدد کی ضرورت ہو جاتا، بلکہ ایسا کرتا میرا کارڈ رکھو۔ مجھے اپنی ہی دی بوجھنا، میں جاہل کا بندوبست کرتا ہوں۔“ انہوں نے اپنا کارڈ آگے

پر دھرایا تھا۔ وہ اپنی ٹھیک جھولائیں تھا۔ اس لیے کارڈ کی طرف دیکھے بغیر آرام سے جواب دیا۔

”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ذکری آجے جائے، میں وضو کر لوں گا۔“ وہ اس کے انداز پر

اے سکرانے، جیسے بچوں کی تادانوں پر بڑے سکرانے ہیں۔

”یہ رنگو بات سنو میری، مجھے معلوم ہے تم ناراض ہو گئے۔“

”کارڈ اس کے ہاتھ میں تھا انہوں نے کہا تو دور اٹھا کر نہیں دیکھتے گا۔“

”پروفیسر صاحب تمہارے لالہ ابی ہیں سے پریشان ہوئے تھے۔ ان کے خیال میں تم اپنی تادانی

فالٹو کاموں میں مداخلت کر رہے ہو۔ ان کے جانے کے بعد تم دکھ کا باعث اپنے مستقبل سے لاپرواہی نہ

کرو، اس لیے میں نے تمہارے ساتھ ایسا ہیہ رکھا کہ ضد میں تم نے اپنا زور دور دست سمت میں

لگا لیا۔ اب سب زندگی میں سبب ہو جاؤ گے تو ابھی میں سکون لے گا۔“

”نیک اولاد صدقہ جاریہ ہوئی ہے زاردن تمہارے نیکان تمہارے والدین کی قبر بھی

خندنی رہی تھی۔“ وہ مسکرا کر بتا رہے تھے، تمہارا ہے تھے۔ زاردن میں مسکرا دیا۔ بابا کے ذکر سے ایک خوش

گوار احساس ہوا تھا۔

”آپ یہاں کیسے۔“ اس نے انہیں فتم کرتے ہوئے پوچھا۔

”لیکن کیا نہیں کر دیا ہے؟“ اسے چھوڑ دیا تھا۔ ”ان کی بات بھر پر اس نے اسے جواب لگایا۔“

”میں نے اسے جواب لگایا۔“ اس نے اسے جواب لگایا۔

”میں نے اسے جواب لگایا۔“ اس نے اسے جواب لگایا۔

”میں نے اسے جواب لگایا۔“ اس نے اسے جواب لگایا۔

”میں نے اسے جواب لگایا۔“ اس نے اسے جواب لگایا۔

”میں نے اسے جواب لگایا۔“ اس نے اسے جواب لگایا۔

”میں نے اسے جواب لگایا۔“ اس نے اسے جواب لگایا۔

”میں نے اسے جواب لگایا۔“ اس نے اسے جواب لگایا۔

تھے لیکن سب کے سامنے انہوں نے لمحے سے کہا تھا۔
 ”یہ تمہارا اپنا گھر ہے، آرام سے رہو۔ کوئی مسئلہ ہو، مجھے فون کرنا۔ حادثہ اور لالہ بھی نہیں ہیں۔ ادنیٰ اس کا خیال نہ کیے گا۔“
 ان کے محبت بھرے انداز اور تخلیق پر سانول لالہ نے ایک سکرابٹ اچھالی، حادثہ نے بھرپور انداز میں اپنے تعاون کا ثبوت دلایا اور شاز یہ بھی نے بھٹک اپنے چہرے کے جذبات پر قابو پاتے سر ہلایا تھا۔ سانول لالہ جتنے بھی باخلاق نظر آتے تھے وہ ان کے سامنے لالہ کی زندگی سے بے خبر تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ لیجو کے اندازہ تو ہو گیا تھا کہ شاز یہ بھی کیا کائنات، بابا نے خائف میں اور ان کے سامنے اس پر ہڑ سے تیر چلانے سے گریز ہی کرتی ہیں۔ گھر میں بہر حال اسے ان کے ساتھ ہی رہنا محاسوس کی مکمل سچوٹ کے باوجود خود بھی بلا وجہ کی محاذ آرائی نہیں جانتی تھی۔
 زارون کو ایک آدھ بار فون کیا تو کال نہیں ملی۔ اس کا ارادہ اس سے لی کر سر براہزہ دینے کا تھا۔ اسی وقت وہ کلاس میں ہوئے پچھلے کام کو پورا کرنے میں دن رات مصروف تھی۔ آج بھی وہ ایک لڑکی کے خود بناتے ہوئے اچھے نوٹس لاتی تھی، جو اس نے اسے اس شرط پر دینے کے شام تک سیر سے گھر دے جانا۔ اب جب وہ ڈراما کے ساتھ لکھنے لگی تو شاز یہ بھی اپنی ڈراما نگار بن گئی تھی۔
 ”سارا دن تو گاڑی تمہارے لانے، لے جانے میں مصروف رہتی ہے۔ مجھے بھی ہزار کام ہوتے ہیں۔“ انہوں نے کات وار دیتے میں کہا تھا۔ ان کے انداز پر وہ انہیں یہ بھی نہ کہہ سکتی تھے ساتھ ساتھ لے جائیں، دونوں کا کام ہو جائے گا۔ اب وہ طے اور پریشانی کی بی بی کیفیت میں لان میں بٹل رہی تھی۔ بیگ، ٹوشی سب ہاتھ میں ہی تھے۔ اکیلے رکشہ، کسی میں سفر کرنے کی عادت بھی نہیں تھی اور جانا بھی ضروری تھا اس لیے دل میں پختہ ارادہ کیا کہ یہ فون کر کے لے وین گوالے کی بلکہ لالہ سے

کہہ کر ایک گاڑی اور ڈرائیور منگوا لیتی ہوں۔ آہستہ آہستہ اس پر ان کا رنگ چڑھ رہا تھا۔ خالی داغ شیطانی کارخانہ ہوتا ہے۔ فارغ بھی کبھی کوئی وہ خود کو کبھی دیکھ سکتی تھی۔ اب اتنی مصروفیت میں اسے اپنے اور ان کے مابین موجود فاصلے میں پریشان نہیں کرتے تھے۔ تب ہی ہارن کی آواز کے ساتھ بیرونی دروازہ وا ہوا اور حادثہ کی گاڑی اندر داخل ہوئی گاڑی کھڑی کر کے اندر جانے کے بجائے وہ اس کی طرف آگیا۔
 ”تمہیں کیا ہوا؟ کہیں جاری ہو یا واپس آئی ہو؟“ اس نے اچھے سے پوچھا تھا۔
 ”جانا تھا اگر آپ کی بہن گاڑی نہ لے جاتیں۔“ اس نے تنک کر کہا تھا۔
 ”اوہ!“ اسے اعتبار دے نصف گھنٹہ آوارہ اس کے مندر سے خارج ہو گئی تھی۔ ”کہاں جانا ہے، میں لے چکا ہوں۔“ اگلے ہی اس نے آفر کی۔ وہ عجیب اچھا ہی تھا، اب تو معاملہ لمحہ کا تھا۔ جسے دیکھتے ہی رنگ و جاں میں سکون اور ضمانت کا احساس جاکتا تھا۔ سارا سون کی شکایتوں میں بھولا تھا۔ اپنا مسئلہ ہونے کے خیال سے لمحہ نہ کوئی تکلف نہ کیا۔ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اسے اپنی جدائی پر افسوس ہونے لگا۔ ہر بار وہ اس سے بلا وجہ جانتی تھی۔
 ”تمہارا ادنیٰ سے کوئی رشتہ نہیں جوچ رہا میری بہن کہتی ہو۔“ گاڑی کھلتے لمحے حادثہ نے فحاشی سے کہا تھا کہ اس کے اعزاز میں کھلی نہیں تھی۔ مگر احساس بیٹھانی کے تحت کہیں اس نے ایڈریس کی چٹ پکڑائے وضاحت تھی۔
 ”مجھے ضروری کام تھا، اس لیے گاڑی نہ لے کر آیا۔ تمہیں کوئی ایسی بی بی نہیں ہے۔“ ادنیٰ نے کہا۔ ادنیٰ نے سکرابٹ کو بہت توجہ سے اسے دیکھا تھا خود وہ شرمندہ نگاہ تھی۔
 ”کوئی بات نہیں، اسے روبرو مل گیا میں نے، شادی کے بعد بھی سب ہوگا۔“ حادثہ نے

حوس سے کہا۔ شرمندگی، جاہک بہت سارے احساسات، لیجو پر حملہ آور ہوئے تھے۔ چند لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں کی۔ زبان پر آتے الفاظ بولنے کے قابل نہ تھے۔
 ”جو بھی کہیں کا وراسی مدد کی لے لی سوڈا ہی ہو گیا، مغلذاف۔“
 ”جو بھی لڑکی میری بیوی ہوگی، اس کی اپنی نذر سے لڑائیاں ہوں گی۔“ اس کا سر جھپڑا اور کورنی اچھیں دیکھ کر وضاحت دی۔
 ”گھر تو آپ ٹھیک رہے ہیں ہند سے یہ سلوک کرتی ہیں تو پتی بھابی کو کوشا پر چنا جاتیں گی۔“ اس کی بہن نے اس سے سارا لالہ بالائے طاق رکھا اور دوا دہا پ کی بہن پر زور دیتے جواب دیا۔
 ”ابھی نہیں ہے جواب۔“ اتنی جگہ تک نہیں تھی یہی صحن شوہر ادا کر دیا مگر ساری اخلاقیات بھول گئی۔ ”اس نے جڑائی چوڑائی کی۔“
 ”بہت جلدی اخلاقیات تھیں، فوراً بھول گئیں۔“ وہ بلند آواز میں بڑبڑائی۔ حادثہ زور سے جس دیا۔
 ”میں آپ کی مدد کر رہا ہوں اور آپ شکر یہ ادا کرنے کے بجائے مجھے تن میں ساری ہیں۔“ اس نے معنوی تاسف سے سر ہلایا، اس کے لیے کی شرارت محسوس کرنے کے باوجود لیجو کچھ شرمندہ ہوئی۔ حادثہ کا دوسرا انداز اسے بے لکھی سے بات کرنے پر ناکل کرتا۔ یہاں سب کے سامنے جذبات چھپاتے وہ دھمک جاتی تھی۔ اسے گھر میں تو ہر وقت ہی اس کی زارون سے ٹوک جھوک چلتی رہتی۔
 ”کچھ اور کام تو نہیں، شاپنگ وغیرہ؟“ خاموش دیکھ کر حادثہ نے موضوع بدلے۔
 ”میں بھی ضروری تھا۔ آپ کا شکر یہ کہ آپ مجھے لے آئے۔“ باتیں سب تو ہوتی تھیں مگر کلمہ میں اپنے لیے ڈراما اور گاڑی منگوان کی سہول لالہ سے تاکہ آپ کو کون کا کچھ تکلف نہ ہو۔“ لمحہ نے اب کی بار یاد سے

شکر یہ ادا کرتے اپنے مستقبل کے منصوبوں سے بھی آگاہ کیا۔
 ”معلوم ہے، سہاول لالہ کی چھٹی ہیں آپ، لیکن ہمیں جس خدمت کا موقع دیں۔“ اسے بھینچا ہوا لگا تھا، جب ہی طحری پر انداز اپنایا۔ اس کے اعزاز کے باعث ہی اس نے پھر اسٹور کے ہارنگ گاڑی روکی تو وہ انکار نہ کر سکی۔
 ”مجھے اندازہ نہیں کہ آپ کو کیا چاہے ہوگا، ایشیئر، کپڑے جو چاہے لے لیں یا اس کام کے لیے سہاول لالہ کو بلا لیں گی۔“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ اس نے کچھ بحث جواب دینے سے گریز کیا۔
 ”مجھے اندازہ نہیں ہے، گھٹ لیتا ہے۔“ اندر داخل ہوتے ہوئے اسے یاد آیا۔ وہ دونوں پر فحیم دیکھ رہے تھے جب زارون کی نظر اس پر پڑی۔ سہاول لالہ سے ملنے کے بعد وہ اس کے فون کا انکار کر رہا تھا۔ بیحدہ وہی کئی کئی قیاس نہیں کیا۔ جو سوال اس کے داغ پر بخیر سے سنا تھا۔ اب اس کا جواب مل گیا تھا۔ وہ ایک وٹلم لڑکے کے ساتھ جس کی فحیم کے ایک کے سامنے کھڑی پر فحیم چپک کر رہی تھی۔
 ”تمہیں معلوم نہیں کہ اسے کون سی خوشبو پسند ہے؟“ لمحہ کے بار پر فحیم چپک کر نے پر وہ جواب سے پوچھ رہا تھا۔
 ”یہ“ ”نیت رور“ لگا ہے، باتیں تو میں ایسے ہی ٹرائی کر رہی کہ شاید کوئی اور بھی اچھا لگے۔“ لمحہ نے سامنے بچی بول کی طرف اشارہ کرتے بتایا تھا۔
 ”بہت فارغ ہو گئے ہو گئے ہو گئے۔“ اس نے افسوس سے سر ہلایا۔ لمحہ نے اختیار نہیں کی۔
 ”آپ کو شوق تھا مجھے شاپنگ کروانے کا۔“ اس کی بی بی سے نظر پھٹا زارون نکل رہا تھا جب اس نے دیکھا۔
 ”زارون کیسے ہو؟“ وہ ایک کراچی تھی۔
 ”ٹھیک ٹھیک ہی ہو؟“ اپنی خوشی میں وہ زارون

کا رکی انداز محسوس نہیں کر سکتی تھی۔ جب ہی مکمل کر سکرنا حارث کا تعارف کر دیا۔

”یہ حارث، سہاول لالہ کے کزن اور یہ زارون۔“

”میں تمہارا بھائی نہیں ہوں جناب۔“ اسے گھورتا حارث، زارون سے سلام دعا کرنے لگا۔

”میں نے یونیورسٹی میں ایلمینٹ لیا، سوچا تھا ایک جا کر کہیں پرائز کر دوں گی۔ سارے سر پرانے کا کٹاڑ ہو گیا۔“

”وہ بے ساختگی سے متاعی جی حارث نے ٹوکا۔“

”آہستہ بولو، سب دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“ زارون کی طرف دیکھا وہ بہت ہنسنا سے دقت دے رہا تھا لیکن زارون نے ضروری کام کا کہہ کر معذرت کر لی۔

”واپسی کے سفر میں مجھے بہت خوش تھی، زارون، سے ہونے والی ایک ملاقات نے سوڈی حال کر دیا تھا اور خوش تو حارث بھی تھا۔ ایک خوف سادل میں جو زارون کے حوالے سے تھا، وہ ڈاکل ہو گیا تھا۔ زارون کی بیٹی میں عدم دلچسپی دیکھ کر وہ اپنے ارادے میں پختہ ہو گیا تھا۔“

”ملاوہ بڑوں پر بانیک دوڑنا زارون اپنے ذہن میں آئی سوچوں سے جگ کر رہا تھا۔ بیٹھ کر خوشی سے چمکا پھر اس کے ذہن کی اسکرین پر لمبیاں تھان کا حلق آگیا تو نہ تھا شروع شروع میں فون کے کتنا دور تھی۔ چند بیٹیوں میں وہ سب بھول گئی تھی۔ اب وہ وہاں سینٹ ہوئی ہے تو میں اس کی راہ میں نہیں آؤں گا۔ بانیک واپس سوڈے زارون نے ارادہ کیا تھا۔

☆☆☆

حارث بہت خوش گوار موڈ میں سینی بجاتا کرے سے لکھا تو اس کی باتیں گھراسے گھیر رہے تھے بڑی۔ عالم استغاب میں سینی کی آواز بند ہو گئی اور ہوش سکر رہے۔ وہ زیادہ تر اپنے کرے

میں رہنا پسند کرتی تھی۔

”چوہا لی ہو رہی ہے۔“ وہ باہر جانے کا ارادہ لیتی کرنا اس کے پاس آ گیا۔

”کوشش چارکی ہے۔“ اس نے مصروف انداز میں جواب دیا۔ صوفے پر بیٹھے اس نے دیکھی سے اسے دیکھا۔

”کوشش کیوں؟ کیا مسئلہ حال ہے بھئی۔“

”یہاں بیٹھ کر فوجیہ کرکٹیں ہو پارہی۔“ اس نے مسئلہ بیان کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس سے یہاں بیٹھنے کی وجہ دریافت کرتا ملازمت کرتی۔

”بی بی وہ نہیں نہیں بی بی، بھاگ گئی ہوگی۔“

”ایسے کیسے بھاگ گئی، تم ٹوک بٹوک سے نیچے دوڑا دے کہ پیچھے نہ غور۔“ ہینا کر دیکھو۔ جلدی کر دیکھو پھر کرے میں جاتا ہے۔“ بیٹھ گئی تھی۔

”کیا مسئلہ ہے بھئی؟“ انہی سے بیٹھ اور ملازمہ کے تاثرات دیکھتے حارث نے بے اختیار دل دیا۔

”بھئی دیکھ لی ہے بی بی نے اپنے کرے میں، آواز زور سے جی مار لی۔ اب اس وقت سے یہاں بیٹھی ہیں کہ اسے بارود دہ لی جی نہیں رہی۔“

”لازمہ ملے گا۔“ اس نے تسلی فرمایا۔

”ایک چمکیلے کرے تم فریج پر ہوا رہی ہو۔“

”وہ بے اختیار ہنسا تھا۔“

”ظاہر ہے، پوچھنا تو دور کی بات اس کی موجودگی کے احساس سے تو مجھے نیند بھی نہیں آئے گی۔“ بیٹھنے سے چارکی سے کہا تھا۔

”کی خوش قسمت بھئی ہے، نیند ہی اڑانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔“ وہ شرارت سے بولا، پھر ہنسنے لگا۔

”مگر ملازمت کو دیکھ کر مسئلہ ہدایت دیں۔“

”تم کیوں کڑی ہو؟ جاؤ حیدر کو بھی بلا لو۔“

”ساہان ہمارا کچھل کر مار دیا کہ وہ کھانا کھا رہا تھا۔“

”دو دو کر بھی لگاؤ۔“ وہاں کی طرف کی کھڑکی بند کر دیا کہ تار کو نہ آسکے۔“

”دکھانے کی ضرورت نہیں، بس ضرور

دو ایسے سے دیکھ لیا کہ ہاتھ دم میں کوئی چھپی ہوئی نہ ہو۔ بیٹھنے جلدی سے کہا، اسے تو مردہ چھپل سے بھی خوف آتا تھا۔ ملازمہ ہلائی پہلی گئی تھی۔

حارث کی اتنی ہدایات کے بعد بھی کہ کام ضروری ہو گیا تھا۔

”بھڑوں سے ایسے ہی ایک آدھ آگئی ہوگی، فوٹیکیشن تو ہوئی رہتی ہے بلکہ میں آج، کل میں دوبارہ کر دیتا ہوں۔“

اس کی خوف زدہ شکل دیکھ کر حارث نے تسلی دی۔

”لان کی طرف والی دیوار پر بھی زہریلا پینٹ کر دالیں تاکہ وہاں سے بھی نہ آسکے۔“ بیٹھنے سے اضافہ کیا تو وہ ہنس دیا۔

”سے فگر رہی، میں اعلان کر دیتا ہوں، کوئی چھپل لگاؤ یا فگر بھی نہ دیکھتے تمہارے کرے کی طرف ورنہ اس کی آنکھیں کھلوں گی۔“

”اس سے ابھی اور کیا بات ہوگی۔“ بیٹھنے سے اس کے شرارتی ہنسنے پر شرمندہ ہونے کی دقت نہیں کی تھی۔

حارث وہیں بیٹھ کر اس سے باتیں کرنے لگا۔

”اس نے اپنا سامین سے لپٹ کر شام گھنٹے کی بات کر لی تھی۔ اس کی حیرت دہشت کی انداز نہ رہی، جب وہ بخوشی مان گئے۔ میرا بھائی اگلی بی بی اسے ساتھ تھی زمین مجھ میں لائی، انکس بخوئی انداز تھا۔ حارث کے ادنی شاز بے کے کتہہ اعراض کو بھی انہوں نے خود سنبھالنے کا کہہ دیا تھا۔ ابھی اپنا سامین سے بات ہوئی تو انہوں نے بتایا تھا کہ مگر چاچا کو خود کوئی اعراض نہیں لیکن وہ چاچی اور سہاول سے مشورہ کر کے ہی کا قاعدہ ورثہ کریں گے۔“

”باتوں باتوں میں بیٹھنے سے اماں کے کاٹس بولانے کا بتایا تو حارث فوراً اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو گیا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کی کسی بھی چاچی کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی شہری بی بی کے ضرور جانا چاہی گی۔ بیٹھ کر اس کی باتوں کی رودرد

پیارے بچوں کے لئے

قصص الانبیاء



تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشعل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو دے سکتے ہیں۔

تہذیب و تمدن کے بارے میں

قیمت - 300/- روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ایک خرچ - 50/- روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

ملکیہہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو ہلالہ کرانی فون: 32216361

جنگی کردہ اس پر فیصلہ سلا کر دے۔

☆☆☆

گاؤں تک کا لباس لڑنے کے لیے ہمیشہ تھک جاتی لیکن یہ پہلی بار تھا کہ سڑکی تھکات پر اماں نے ملنے کی خوشی غالب آ گئی تھی۔ وہ یوں چپک رہی تھی جیسے عرصے بعد گھر آئی ہو۔

ساتھ ساتھ کھانا کھا کر وہ کمرے میں آئی تو اماں بھی ساتھ آئیں۔

”مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔“ انہوں نے بیٹھے ہوئے کمرے میں کہا تھا۔

”جی، بولیں۔“ ان کے انداز پر وہ مکمل متوجہ ہوئی۔

”تمہارے لیے جارت کا رشتہ آیا ہے، اس رشتے سے تمہارے پاسا میں بھی بہت خوش ہیں۔“ انہوں نے بات کرتے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جس نے انہوں میں ایک رنگ بد کے پھیلے نامی اور بے یقینی کا اثر ابھرا اور اگلے ہی لمحے دکھ، تاسف اور غصے کے تاثرات واضح ہوئے۔

”آپ یہ بات کیسے کہہ سکتی ہیں اماں، آپ کو معلوم نہیں میرا رشتہ زارون سے ملے ہے۔“

اس نے اپنے لیے کھینچ کر لے آئیں یاد دلایا۔

”وہ بچپن کی بات تھی لیکن مجھے یاد آئی۔“

نے زارون کو فون کر کے اس سے ذکر کیا تھا حارث کا۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی، آپ تو یہی نہیں

جائے اس کا کیا ارادہ ہے، میں اور کو پسند نہ کرتا ہو۔

اب میں خود تمہارا رشتہ اسے نہیں نہیں کر سکتی۔ ویسے بھی حارث ہر لحاظ سے زارون سے بہتر ہے۔

زارون کو ابھی جا بھل بھی جائے تو بھی وہ حارث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔“ انہوں نے ناگواری سے تفصیل

پٹائی۔ وہ صرف اس کی بات سن کر سوچ رہی تھیں۔ لیجئے انہوں نے انہیں دیکھا۔

”زارون کی بڑی آپ ہیں اماں۔ آپ نے

دے تب بھی مجھے بہر حال حارث سے شادی نہیں کرنی۔“ اس نے فطرت سے جواب دیا۔

”لیکن تمہاری مرضی پٹنا۔ ہمیں کوئی امراض نہیں ہے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ زارون میرا بھتیجا

ہے، مجھے اس سے بہت محبت ہے لیکن یہاں بائی سب کو اس سے کوئی ریب نہیں۔ خاندان کا ساتھ

ضروری ہوتا ہے۔ میں نے اور تمہارے بابا نے پسند سے شادی کی لیکن آپس میں محبت کے باوجود ہم ایک

دوسرے کے خاندان میں ابھی رہے۔ یہ جڑ ہمارے رشتے کے درمیان پار آئی۔“

اماں نے پیار سے اس کی ٹھوڈی چھوئے اسے سمجھایا۔ ایسی باتیں وہ ہمارے پاس بھی کہتی وہ

اکثر کہتیں۔ ”اپنی زمین چھوڑ کر بی جگہ جانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میری کچھ مہمانی علاقوں کا چھوٹا

سیر پر چلنا کی گیم ہوتا ہے جس پر ہمارا رشتہ کرنے کی عادت نہیں تھی تب ہی سر جھانکی۔ زندگی میں محبت

ضروری تھی لیکن صرف محبت کے سہارے زندگی گزارنا بھی مشکل ہے۔“

ان کی بات یاد کر رہے وہ اداسی سے بولی۔

”میں اس ماحول میں نہیں بی، بڑی اس خاندان کے لوگ مجھے خود میں شامل نہیں سمجھتے۔

اپنے باپ کی دوست و غریبوں کو خیر کے بجائے مٹا کے چھوڑنے سے گھر میں رہی ہوں میں۔ میرا خاندان

زارون سے، میری جڑیں وہاں ہیں اماں۔ میرا فیصلہ سوچ کر کر رہی تھی کہ رہے گا۔ میں اس زمین کا پورا

نہیں جہاں آپ مجھے لگا جا رہی ہیں۔“

”تم بے گھر ہو، میں تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہونے دوں گی۔“ انہوں نے پیار سے اسے

ساتھ لگا لیا۔ اپنی بیٹی سے زیادہ انہیں نہ پہلے گھر عزیز تھا اور نہ اب۔

☆☆☆

لیجئے کو اندازہ تھا کہ یہ رشتہ حارث کی ایجاد آیا ہو گا۔ ابھی اس تک انکار نہیں پہنچا تھا۔ ابھی اپنی

اچھی دوستی کے بعد وہ اسے دکھائیں دینا چاہتی تھی لیکن

یہ ممکن نہیں تھا۔ اس نے بہت الفاظ جوڑے کر اسے مناسب طریقے سے منع کر لیکن کچھ نہیں کیا۔

واپسی کے سفر میں ڈرائیور ساتھ نہیں تھا گاڑی چلاتے تھے حارث نے اس کی خاموشی محسوس کی۔

”کیا ہوا، تمسک کی ہو؟“ گھر مندی سے پوچھا۔

”جی، اتنا لباس ہے۔“ اس نے ہار دیا دیکھتے جواب دیا۔

”تمہیں عادت نہیں نا، اب آؤ، جاؤ کی تو عادت ہو جائے گی۔“ حارث کے جواب پر لیجئے

نظر میں گھبراہٹ دیکھا۔

”مجھے عادت نہیں ہوئی حارث۔ مجھے اسے گھر کی عادت ہے۔ میں بار بار یہاں نہیں آؤں

کی۔ زارون جیسے ہی گھر خالی کر دیتا ہے۔ میں بھی وہیں مل جاؤں گی۔“ اس نے طعیناں سے کہا۔

”مطلب۔“ حارث نے استغیاب سے انداز میں

بھونکی اسٹھی کی۔

”میری اور زارون کی شادی، اماں کی خواہش تھی۔ ان کے انتقال پر فوری طور پر اماں مجھے

پہاں لے آئیں لیکن مجھے یہاں، وہاں رہنا اچھا نہیں لگ رہا۔“ اس نے تفصیل سے سمجھایا۔ حارث

جاں کیا تھا کہ اس تک بات پہنچی تھی کہ وہ روندہ ہوں ڈالی جا میں نہیں کرتی تھی۔

وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔ کیا کہنا۔ لیجئے نے اسے کوئی خواب تو نہیں دکھائے تھے۔ وہ خود اس کی

محبت سے بچ کر کوچہ گاڑی دیتا رہا تھا۔ اب جب پورا سر نکال رہا تھا۔ اسے اکھاڑ دیکھا تھا۔ لیکن وہ

جاتا تھا پھر تو محبت کے پڑ پر جبر کا چل ہی لگتا ہے۔ زبردستی وہ اسے با بھی لیتا تو بھی اس کے دل کی

سرزمین کو اپنی محبت کے لیے بھری پاتا۔

باقی سطر انہوں نے اپنی اپنی سوچوں میں اچھے خاموشی سے طے کیا تھا۔

☆☆☆

حارث دلا تھوڑے ختم ہو گیا تھا لیکن لیجئے کو زارون پر بہت غصہ تھا۔ بچپن سے وہ اسے نہیں رہے۔ ہر دکھ

سمجھانے پر رواشت کیے۔ مہا، ہاا کے بعد کے یہ چند مہینے تو زارون یوں ہو گیا جیسے یہ اس کا تھا دکھ ہو۔

تھک کے بیٹھے بٹھارے والے والدین کے پاس کی گئی۔ اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن بہر حال یہ اس کے لیے

بھی جذباتی اور نفسانی دھچکا تھا۔

اپنی ذات کو کھینچ کر کے وہ واپس زندگی کی طرف آئی تو اب اماں کی یہ بات کھارٹ کے رشتے

پر بھی زارون نے کوئی رد عمل نہیں دیا، اسے دکھ دے گئی تھی۔

زارون کی زندگی میں لیجئے کی کوئی ضرورت نہیں تھی؟ یہ خیال کاٹ ڈالنے لگے کوئی تھا۔

وہ خیال اور جذبات پر سراسر زندگی کا نقصان نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے ایک دن خود ہی گھر پہنچ گئی۔ وہ اس کی کال پر رگت میں باہر آیا تھا، جہاں وہ

ایک کمرے میں کھڑی تھی۔

”تم حرکت تو ہے؟“ ”جی نہیں کیسے۔“

وہ اس کے یوں اچانک آ جانے پر بیٹھان تھا۔

لیجئے نے غصے سے اسے گھورا۔

”تم تو مجھے دہن آئے تھے، ہاا کے ساتھ ہی۔“

بارہ بیچوں پر مکمل کتاب

آپ کا برج

مصنف: کیرو

قیمت: --- / 150 روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37- اردو بازار، کراچی۔

فصلہ

ہرگز نہیں مالتے تھے۔ آخر وہ پایابی کی پہلوئی کی اولاد دے گئے۔ ہر فرد بڑی سے بڑی سے پستی سے ان کی یاد رکھ رہا تھا۔

گویا کہ کسی چراغ کے جن کی طرح آنس گئے۔ اور آتے ہی سب کچھ ٹھیک کر دیں گے۔ مگر



جس کسی نے بھی سنا مارے حیرت کے
وہاں سے اٹھ کر رہا۔ عاقل بیک کا بس نہیں چل رہا
تھا کہ مگر چھوڑ دیا۔ مگر مگر چھوڑنے کا مطلب
تھا۔ پایابی کی کروڑوں کی جائیداد سے ہاتھ دھو
پنشن۔ اور وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتے تھے۔ اسم باکی جو
نمبر۔ جوش میں بھی ہوش سے کام لیتا پسند کرتے
تھے۔ وہ بے باقر بیک! اتودہ کی ہیرے بلے کی طرح
سادے مگر میں بولا بولا نے بھروسہ ہے۔ اور
ان حضرات کی زندگی ان سارے فیصلے میں جلی میں
تخلی کر دیا تو انکی انعام دے دیں گی۔
کسی کی کچھ نہیں جس آ رہا تھا کہ فوری طور پر
اس معاملے سے کیسے نمٹا جائے۔ اسے طور پر تو سب
نی ایڑی چنی کا زور دے گئے تھے۔ مگر یوں لگ رہا تھا
کہ پایابی اس پس سے مس ہونے والے نہیں۔ اب
تو سب کی بچی بھی امید شجاع بھائی کی ذات سے ہی
منسوب کی وہ پہلی اور آخری پستی۔ جن کا کہا پایابی

دی تھی۔ میں تمہیں ہرگز دینا چاہتی تھی اور
تم۔ اس کا اندازہ کچھ دلا گیا۔ فوراً کچھ کر
بولے تھے۔ تمہیں سب کچھ کر لیں۔
میں ہی پاگل ہوں بولے سب کے یہاں
تمہیں وضاحتیں دینے لگزی ہوں۔ وہ اپنی سے
پلٹی کی جب پیچھے سے زارون نے اس کا ہاتھ پکڑا۔
”تم نے سب کچھ کر دیا تمہاری منگی نہیں ہوئی۔ وہ
خوشی سے چمکی آنکھوں سے پوچھ رہا تھا۔ علیہ۔
اسوس سے اسے اور یاد پایابی سے۔
”میری منگی بہت بچپن میں ہوئی تھی۔“
”میں بہت اکلا ہو گیا ہوں، تمہارے اور
وہ اس کے منہ سے کی پروا کر لیتے ہیں۔“
”تمہارے منہ سے اس کے دل کو تمام دوسروں
سے کہہ رہا تھا۔ علیہ نے اس کے دل کو تمام دوسروں
سے کہہ رہا تھا۔ وہ دوبارہ کی امتحان میں نہیں
چاہتا تھا۔“

”میری بڑھاپی! علیہ نے یاد دلایا۔ زارون
کی۔ اس کی انکس وہ یہ غلطی کی دیوار نہ کرانی تو
ان دونوں کا کتنا نقصان ہو جاتا۔ اس نے ایک آسودہ
ساختی کی۔
”چھوڑو، ابھی تو صرف پاکستان کا نقشہ
بنایا۔ وہ زیادہ بڑھ گیا تو تمام برا نظموں کے نقشہ ردنی
پری جاتا کی۔ زارون نے خوشی سے کہا تھا۔
”ردنی تو میں تم سے بڑاؤں کی بلکہ ابھی تو میں
پورا شائستہ تیار کروں گی۔“ علیہ نے بولایا۔ ٹھٹکا
لچک۔ چمکی۔ چمکیں حال دل بیان کر رہی ہیں۔ وہ
خوش تھی۔ کیوں کس کے ساتھ زارون تھا۔
”میں دوسری شادی سے منع کر رہا۔ باقی
تمہاری سب کچھیں نکھو ہیں۔ زارون کے شہرانی
لچک رہے۔ اسے سکھایا اور دونوں ایک ساتھ ہنس
دے۔ دکھ رات دھل گئی۔ زندگی بھر ان پر مہربان
ہو چکی تھی۔

☆☆

یوں تھراں ہو رہے تھے۔ وہ کچھ کہہ کر گئی۔
”شبت اپنی، سوچ سمجھ کر بولا کہ وہاں سے
ڈانٹا تھا اور اس کی ڈانٹ میں چھپا بیٹھ کر اکھیں
نم کر گیا۔
”کیا فائدہ میرے ذمہ دینے کا تم نے مجھے
اکلا کر دیا زارون، تمہاری زندگی میں میری کوئی
جگہ نہیں۔“

وہ جذباتی ہوئی، پہلے سے سوچی ساری باتیں
بھول کر اوردے پھر اٹھ کر وہاں رہا۔
”میں نے کیا کر دیا۔“ وہ چھلایا تھا۔ اسنے
عرسے بعد اس سے ملاقات اور یہ لگنے لگے
انکس میں جھگڑا کر گئے۔ وہ اسے بھولنے لگا۔
کر دیا تھا وہ پھر سامنے آ لگزی ہوئی کی
”تم میرے لیے آنے والے رہے۔ تمہارے
تلاشی بن گئے، وہاں سے مجھے کہا کہ تمہارا ہاتھ
کو ہم پایابی کی خواہش کو فراموش کر گئے۔
کرے بھی گئے آسوکال پر لکھ آئے۔
”تقدیر کی خواہش اردو سے رہا تھا۔
”ہمارا رشتہ صرف ماہ پایابی کی خواہش نہیں تھی
لیکن میں تمہاری خوشی کے لیے پیچھے ہٹا تھا۔ وہ اتنا بڑا
برس میں، وہ نہیں کا لک اور میں نے مل کا کاے
رد کار لاک۔ تم اس کے ساتھ شایک کر گئے خوش
نظر آ رہی ہیں، مگر تم مجھے بتایا میں نہیں کہ اس
سے آگئی ہو۔ اس کے تیزی سے بچے آسوکال کے
دل پر کر رہے تھے لیکن یہ احساس خوشی کا باعث تھا کہ
وہ آج بھی اس کی ہے۔ تب ہی زارون میں لگی
چھاس لگالی۔
”میں خوش تھی؟“ علیہ نے بے یقینی سے اپنی
طرف اشارہ کیا۔

”ہاں میں خوش تھی زارون۔ وہ میرا کزن ہے،
دوست ہے اور اس۔ اس نے مجھے صدمہ سے نکال
کر دوبارہ جینا سکھایا۔ تم نے تو پلٹ کر پوچھا میں نہیں
اور میں اس کے ساتھ ہی تمہارے لیے ہی لکھتے

سمندر پار بیٹھے۔ وہ فون کال کے ذریعے ان کے زعموں پر صرف اور صرف ٹیلی کامز ہی رکھ رہے تھے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ کمری تو نہیں سکتے تھے۔ دیار غیر میں اپنے بچے جمائے ہوئے کس کو یوں اچانک ملازموں کے درم درم پر چھوڑ کر آنا ان کے نزدیک حماقت ہی تھی۔

☆☆☆

”عالیہ بیگم! اور کتنی دیر ہے نکلنے میں؟ ہاڑ گاڑی میں سب لوگ جا رہا انتظار کر رہے ہیں۔ عذرہ کے سرالہ سے کسی دو تین مرتبہ فون آ چکا ہے۔“

”بس چلیے۔ میں تو تیار ہوں۔“

وہ پچھلے آدمے کھٹے سے آئینے کے سامنے کھڑی اپنی ٹوک بیک سنواری تھیں۔ اب عائلہ بیک جوسر پر سوار ہوئے تو سمجھا رہی بنائی پڑا۔ ”چکل اور مشائی سب گاڑی میں رکھوا دی تھیں۔!.....! دیکھیں کچھ کی نہ رہ جائے۔ آخر ہمارے اکلوتے بیٹے کی خوشی ہے۔“

”اوسے جناب سب اختتامات تکمل ہیں۔ بس ہماری ملکہ عالیہ کا انتظار ہے۔“

”آپ ذرا اوپر جا کر اپنی بھابی جان کو بھی تشریف لے آ کر اس آگے۔ آپ تو مطلقہ ہے۔!۔! بھئی کے وہ بچے انکر والے آئی نہیں۔ بنا رہو ٹوکول کے تو وہ کسی کی بہت میں پانا پند نہیں کرتیں۔! وہ نہ بتاتے ہوئے ہوئیں۔ بیٹھائی مناصب کے تذکرہ پر یوں بھی ان کے لیے میں دروہ استہ آیا چلا کرتی تھی۔“

”اوسے بھی آج تو بھابی جان خلاف توقع پہلے سے ہی گاڑی میں قدم رخیہ فرما چکی ہیں۔ اب ایسا نہ ہو کہ وقت کے ضائع ہونے پر ان کا خوش حال موڈ خراب ہو جائے۔“

”اچھا بیٹیا! پانی کا کیا ہونے؟“ وہ گہری نگاہیں عائلہ بیک کے چہرے پر جمائے ہوئے تھیں۔

”کیا کرتا ہے؟“ مطلب ”؟“ وہ چونکے۔

”مطلب یہ کہ انہیں بھی ساتھ لے کر جائیں گے؟“

”ہاں بھی! کیوں نہیں۔ پانی بھی چٹپٹیں گے۔ عذرہ کی ہونے والی دھن دیکھ کر وہ بہت خوش ہو گئے۔ اور ویسے ہی ہم نے پانی کی کوان سے اب تک گولیاں بھی کیں۔ اچھا ہے آج ان کا چہرے سے تعارف بھی ہو جائے گا۔“ عالیہ بیگم کے چہرے پر چھائے تناؤ پر غور یہ باہر درواری میں بولے چلے جا رہے تھے۔

”آپ بھی تا کمال کرتے ہیں۔ ان کی کنڈیشن بھلا اس قابل ہے کہ ہم انہیں اپنے ساتھ لے کر جائیں۔“ وہ بھی سے ہوئیں۔

”کم ان یا۔ وہ اپنی دھن بدل چکر ہوں گے۔ جس طرح سارا دن گھر ہوتے ہیں۔“ وہ منانے۔

”ہاں تو سوسیں ذرا اکتا آ کر ڈنگ لگے جب اسنے پر ٹوکول میں ہمارے ہر ایک دھن بدل چکر ہوئی۔!۔! پانا۔ میں سوچ کر ہی لہجہ میڈ مل (پریشانی محسوس) کر رہی ہوں۔ لوگ بھی کچھ کے کر رہیں گے تو گھر پر چھوڑ آتے۔ اور یہیے فنکشن بنانے رات کی دیر تک چلے۔ وہ کب تک اس طرح بیٹھے ہیں گے۔ ان کا گھر پر رہنا ہی بہتر ہے۔!۔! ان کا اعزاز تو ٹوک تھا۔ عائلہ بیک جب ہو کے رہ گئے۔ ویسے بھی بیگم کی عارضی مول لینے کا ان میں مدی کہاں تھا۔“

”آتا ہوں۔“

”ذرا جلدی آ جائیے گا۔“ وہ پچھلے انداز میں کہتے ہوئے باہر نکلے۔

☆☆☆

بیک دلاز میں آج خاصی گھما گھمی اور پچھل پچھل دکھائی دے رہی تھی۔ وجہ یہ عذرہ احمد جو بھرے تھے۔ اس گھر کے بلکہ بیک خاندان کے کارکن۔ سہوت کی خوشی کی خوشی میں گھر کا ہر فرد خلاف توقع آج کیسا نظر آ رہا تھا۔ دن کا عطر پر دھنچ دھنچ رہے پر پھیلا۔ دو گھروں پر مشتمل یہ عالی شان گھر

اقل خانہ کی عدم دستیابی کی بنا پر ملازموں کے دم سے آنا ڈنگر آتا تھا۔ اور اس عدم دستیابی کی وجہ ہر ایک کی اپنی اپنی مصروفیت تھی۔ عائلہ بیک، باقر بیک اور عذرہ ہوا جاتے۔ اور اس کے بعد کا آسم کے لیے روانہ باہر اپنی موشل ویکوئٹیز میں گزارتے۔

تین سال پہلے تک ایک انٹر پرائز کے درجہ رواں فاخر بیک بھی اس معمول کا حصہ تھے مگر فنانس کے شدید غٹے نے ان کے قسم کو مطلق کر کے انہیں چار دیواری کا کایہر بنا دیا تھا۔

حب سے عائلہ بیک اور باقر بیک ہی ان کے کاروبار کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے تھے۔ بلکہ سیاہ اور سفید کے مالک بنے بیٹھے تھے۔ چسا، دوسال اور اعتبارت ہونے کے باوجود پانی کی علاج پر کسی نے بھی خاموشی تو بہ نہ دی۔

چھوٹے جیسا کہ بنیاد پر سب اپنی اپنی زندگی میں خوش اور مین تھے۔ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے میں اس گھر کی خواتین بھلا بک پیچھے رہنے والی تھیں۔ عالیہ بیگم جو پچھلے دس سال سے ایک این بی او میں پریزیڈنٹ کے عہدے پر فائز تھیں۔ ان کی مصروفیت کے کیا کہیں۔ دوسرے خیروں کے دوش پر جانا اور درگزر ساری تقریبات میں پیش پیش تھیں۔ ان کے پاس تو سرگھانے تک کی فرمت زیوٹی تھی۔ لائی منزل کا حال بھی بچے سے بگڑ نہ تھا۔

زمت بیک کی مستحق کا تان کا لوہٹ تھیں۔ ان کا تو نہ دن اپنا تھا۔ نور نہ رات نہ صبح۔ ایک بوئے بھی اپنا تھا۔ وہ وابستہ ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنا دل خیر بھی رن کر رہی تھیں۔

اللہ نے انہیں دو ہی بیٹیوں سے نوازا تھا۔ بڑی عائلہ ایم کی لی ایس کے قائل ایئر میں تھی۔ ماہرہ فیشن ڈیزائننگ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے پچھلے دو سال سے لندن میں بیٹھ رہی۔

گئے گئے پانی اتوان کی ذمہ داری ساری طور پر

دو دن گھر انوں میں ہی ہوتی تھی۔ برادریات کی گدہ اوپر ہوتے پانچے ان کے حصے میں تھا لی آئی تھی۔

☆☆☆

عائلہ بیک جو ہی کرے میں داخل ہوئے تو لمبے بھر کے لیے ٹھیک کے رہ گئے۔ بلیک ڈسکوٹ میں پورے جاہ و خیم کے ساتھ تیار بیٹھے پانی کی کیا ڈنگ لگ رہے تھے۔ ان کے چہرے کی تازگی اور بشت بشت بچ دیکھے جانے والی تھی۔

”عائلہ میاں کہاں کو گئے؟“ وہ انہیں منگ دیکھ کر بڑی ترنگ میں بولے۔

”پانی باہر اس عذرہ کے سرالہ جا رہے ہیں۔ بس یہی بتانے کے لیے آتا تھا۔“

”ہاں ہاں۔ چلو بھی۔ میں تو کب سے تیار بیٹھا ہوں۔ سامنے سیلف پر میرا چشمہ رکھا ہے۔ یہ ذرا دیکھئے۔“

”پانی بات دراصل یہ ہے کہ.....“ وہ کہتے کہتے رک گئے۔ شاید ہمت کچا کر رہے تھے۔

”ہاں میاں بولو کہ کیا بات ہے؟“

”پانی آپ کا رہاں جانا کچھ مناسب نہیں ہے۔“ باقر بیک نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا۔

وہ مرنہ نہ دھنچے۔ ”میرا مطلب یہ ہے کہ وہاں نجانے کتنے گئے گا۔ آپ کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔ عالیہ کا بھی سبکی خیال ہے کہ آپ گھر پر رہ کر دام کر رہیں۔“

سارا بیگم پر ڈال کر اپنے طور پر گویا وہ بری الذمہ ہو گئے تھے۔

پانی کی کا چہرہ بھگے رہ گیا۔ ان کے اندر جھٹکے سے کچھ ٹوٹا تھا۔ ان گھوٹوں میں کچھ خوشی ماند پڑ گئی۔ کلاوا کاغذ اور عذرہ وہ بہت پہلے ہی ہار چکے تھے۔ مگر اس وجہ سے کسی کی انہیں شاید ابھی امید نہ تھی۔

”ٹھیک ہے بیٹا! جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔“ وہ گلے سے گلے ہوئے تھے۔

”اچھا میں چلا ہوں۔ اللہ نگہبان۔“ وہ فوراً ہی

چلے گئے۔

خافریک کا بس نہیں چل رہا تھا کدو دودکر جاتے۔ اور عاقل بیک کا بازو سمجھو کر کہتے۔

”میں بھی تم لوگوں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔

مگر میرا مکی حیثیت سے اپنی پہچان کر دانا چاہتا ہوں۔ تم لوگوں کی طرح مجھے بھی تو اس کھڑکی کا

شدت سے انتظار تھا۔ خوشیوں کے ان لمحات کو میں بھی تم سب کے ساتھ انجمنے کرنا چاہتا ہوں۔

کیوں مجھے اس خوشی سے محروم کر رہے ہو؟ ان کا دل کی شدتی بچنے کی طرح بجل کے گر رہا۔ کدو کچھ

بھی نہ کر سکے۔ شدت ضبط سے ان کا چہرہ سرخ تھا۔

اور انھیں بھگدیر تھی۔

تم نے تو تنگ کے رشت میں خیمے لگا لیے

تھاگلے کسی کا سفر تم کو اس سے کیا

وہ یانیت بھری کھاؤں سے دیوار آؤ بیڑاں

اپنی سرخرواں کی تصویر کھینچتے رہے۔

اور افسوس..... فپ..... فپ..... ان کے

گال بھگتے چلے گئے۔

☆☆☆

”بھنگا یہ کہاں جانے کا پلایں بن رہا ہے۔“

عاقل بیک آگے سے آئے تو عاقل بیک بیک اور مالک کو

ایک ساتھ خوش چہوئیں میں مشغول دیکھ کر بولے۔

”اوہ! ڈیڑی بھی آگئے۔ ڈیڑی ہم آپ ہی کا

انتظار کر رہے تھے۔“

”اچھا۔ کئی خاص بات ہے کیا؟“ عاقل بیک

وہیں ان لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے بولے۔

”جتنی جان نذرہ اپنی مٹی کی خوشی ہم سب کو کر

کر دینے لگا رہا ہے ہیں۔“

”اوہ۔ ڈش کر لیت۔“ عاقل بیک خوش

ہوئے ہوئے بولے۔

”ڈیڑی آپ کب جلدی سے تیار ہو جائیں۔ میلے

پلیز۔“

”پار میں بہت تھک گیا ہوں۔ آرام کرنا چاہتا

ہوں۔ تم لوگ جاؤ انجمنے کرو۔“

”چنانچہ اپنی خوشی سے انوائٹ کر رہا ہے۔ اور

آپ ہیں کہ انکار کیے جا رہے ہیں۔ چلیے چلیے نا۔“

عالیہ بیگم نے ذرا فکری ہو کر۔

”اچھا بیگم صاحبہ۔ ہم بھلا آپ کا حکم کیسے مان

سکتے ہیں۔ آپ لوگ نہیں۔ میں ذرا فکری ہو کر نا

ہوں۔“ وہ جانے کے لیے چلے ہی تھے کہ زیدہ

کھانے کی فرسے اٹھائے منہ دھوئی ہوئی آئی۔

”صاحب! بڑے صاحب کھانا نہیں کھا رہے

ہیں۔ صبح بھی انہوں نے کچھ نہیں کھایا۔ اور دوپہر کا

کھانا بھی جن کا توں دوا میں لوٹا دیا۔ بڑے نمٹے میں

نظر آ رہے ہیں۔“

”کیک تو یہ پلائی بھی نا۔ ہمارے لیے آئے

دن ایک تھک سیکڑا کھائے ہیں۔ رات کھائے

میں نہ چائے کی فرسٹ میں وہ اب اس طرح لائیں

گے۔ ایک تو ان کے کھانے کی بات کرو۔ انہی بارانی

لٹی ہے۔“

”اما پلیز۔ آپ تو کام ڈاؤن (پرکون)

رہیں۔ پاپا چنرل کریں گے نا۔“ مزہ بھلاتے

ہوئے بولا۔

”لاڈیہ فرسے مجھے دو۔ میں خود کھانا ہوں۔“

عاقل بیک زیدہ کے ہاتھوں سے فرسے لیے ہوئے

بولے۔

”رہنے دیجیے۔ ابھی آپ جتنی عاجزی

دکھائیں گے پاپا کی انتہی رد ہوں گے۔ بھتر بھی

ہے کئی احوال انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

میرے صفا اوجھ تو خود ہی کھائیں گے اور یہ کون سی

بات ہے۔ آئے دن وہ اسی طرح بھوک پڑتا ہی

کر کے نہیں بیٹھتی چار چر کرتے ہیں۔ زیدہ یہ کھانا

لے جا کر میں جن رکھوں۔ انہوں نے زیدہ کو کوری

طور پر چٹائی کیا۔

”بس آپ جلدی سے تیار ہو جائیں۔ میلے

اتنا وقت ضائع ہو گیا ہے۔“ وہ حکم مقرر کر کے

بڑا ہنسی بلی نکلا۔

☆☆☆

”خوش رہنا! بس اب رہنے دو۔ کتنا بھی محسوس

کر رہا ہوں۔ بہتر پڑے پڑے جسم کیسے آکر رہے

گیا تھا۔ اسے میرے بعد آج تم نے مساج کیا ہے۔ تو

ابھی محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے ماری کسلندی اور ہوئی۔“

”کیک ہے بڑے صاحب! اب میں روزانہ

اسی طرح آپ کی مالش کروں گا۔“ وہ

تاہم دیر ہی بھلا یا۔

”اچھا یہ بتاؤ۔ کچھ دنوں تم چھٹی لے کر اپنے

گڈوں گئے تھے۔ سب خبر یہ تھی کہ نا؟“ انہیں اچانک

یاد آیا تو پو پو بیٹھے۔

بڑے صاحب! وہی کھروالی کا مسئلہ تھا۔ آئے

دن بیمار رہتی ہے۔ اس کی وجہ سے ہی مجھے کام چھوڑ کر

جانا پڑا ہے۔“

”تو مجھے یہاں شہر لے آؤ۔ کسی اچھے ڈاکٹر

سے فریٹسٹ لو۔“

”صاحب علاج کے لیے بھی چسپا چاہیے ہوتا

ہے۔ ہم غریب لوگ یہ چو پیلے بھلا کر پالنے

ہیں۔ ہم تو کھریٹہ لوگوں سے ہی پیٹنے پیلے ہو جاتے

ہیں۔ اب کی بار اس کی طبیعت کچھ زیادہ ہی بگڑ گئی۔“

تو میں اسے کھلے کے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔“

”صاحب! بڑے۔ تم اس کی پیادری کو اتنا

ہلکا لے رہے ہو۔ بیویوں کی کمرت کرو۔ نا بھتر

خروج آئے گا وہ میں دوں گا۔ تم بس یہاں شہر

لے آؤ ڈاکٹر کی اچھے ڈاکٹر سے چیک اپ کرواؤ۔ وہ

بڑی ہے تمہاری۔ زندگی کی ساری تمہاری مونس و

خوار۔“ وہ جذباتی سے ہو گئے تھے۔

”اس کا ہوتا تمہارے لیے کتنی بڑی نعمت ہے۔

یہ تم شاید ابھی نہ سمجھ پاؤ۔ مجھے دیکھو۔ آہ۔۔۔“

انہوں نے اک کمری سر دیا۔ مہری۔

”بڑی بیگم صاحبہ کے جانے کے بعد میں کتنا

اکلا ہوا کروا گیا ہوں۔ کسی کے پاس بھی اتنی نعمت

نہیں کہ چند دنے میرے ساتھ کراہیں۔ میرا حال

چال معلوم کر گیا۔ بات کرنا تو کیا۔ میں بڑے جان

کی ضرورت دیکھتے تک کترس جاتا ہوں۔ میں کب

تک ان کو گئی بہری دیواروں سے اپنا سر گرکڑاؤں۔ اس

بند کر کے کاشٹن زدہ داخل اور یہ اکیلا پن دیکھ کر

طرح اندری اندر میری روح کو چٹا چٹا جا رہا ہے۔“ وہ

آبدیدہ سے ہونے لگے۔

”خیر چھوڑ دو۔ میں بھی کیا بات لے کر بیٹھ گیا

ہوں۔“ وہ ہنسنے کوئے بولے۔

”خوش رہنا! بڑے صاحب کے کام سے فارغ

ہو جاؤ تو کچھ میں آ جانا۔ کچھ نہت لے کھا ہے کہ

جب تک مہمان موجود ہیں۔ انہیں خاناسان کے

ساتھ کچھ سمجھانا ہے۔“ زیدہ آدھری لوفٹان کی

طرح کرے میں دوا داری اور نہت بیگم کا حکم نامہ

سنا کر ہی بڑی کی دواں چلی گئی۔

”خوش رہنا! کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں کیا؟“

”جی بڑے صاحب آپ کو نہیں معلوم۔۔۔۔۔

عاقل بی بی کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آئے ہیں۔“

”عالیکہ کے لیے۔۔۔۔۔“

”عالیکہ میری بی بی اتنی بڑی ہو گئی۔ اس کا بچپن

ابھی کل کی سی بات ہی تو لگتا ہے۔“ وہ خوش گووار

حیرت میں بھلا تھے۔

”اچھا! کیا کرتے تھے ان کے پاس لے چلو۔

میں ان لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں۔“ ان کے جذبات

اور توجہ ان کے دل سے لچے سے چل رہی تھیں۔

”نانی بیگم صاحبہ نے کتنی سے سنے کیا ہے کہ آپ

کو ہار نہ دینے دیا جائے۔ جب ہی تو آج سنے سے ہی

انہوں نے آپ کے کمرے میں میری ڈیوٹی لگائی

ہوئی ہے کہ ضرورت پڑنے پر آپ ہمارا انتظار نہ

کریں۔“

”دراغ خراب ہو گیا ہے۔ تمہاری بیگم صاحبہ

کا۔“ وہ بڑی طرح گرہے۔

”میں کوئی اچھوت ہوں یا پھر کوئی لافوق

الطیعت تھے ہوں۔ جوہ مجھے لوگوں سے اس طرح

الطیعت بھرتی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ مجھے کون روک

سکا ہے وہاں جانے سے۔“ وہ نہایت نمٹے میں اپنی

دھن چڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔ تاہم خوش رہنا

”سربر ہی گھیر کا فون ہے۔“ وہ جھپٹے ہوئے بولا۔

”کیا کال ریسیو کرلو ہو سکتا ہے انہیں کوئی ضروری بات کرنی ہو۔ میں یہاں بالکل ریلیکس ہوں۔ تم جاؤ بات کر کے آ جاؤ۔“ انہوں نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

”ٹھیک یوسر۔“ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ ”میں بس ابھی آیا۔“ وہ تو جیسے اشارے کا کھنکھ پٹھا تھا۔ فوری اٹھ کر نکل دیا۔ وہ اسے جانے دیکھ کر سگراتے ہوئے اپنی ٹیک صاف کرنے لگے۔ بے رحمانی میں ٹیک ان کے ہاتھ سے چھوڑ کر پھانسی پر جا پڑی۔

”اب کیا کیا جائے۔“ وہ زرباب بڑبڑاتے اور پھر خود ہی جھک کر ٹیک اٹھانے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر ٹیک ان کی دسترس سے ذرا دور تھی۔

اب ایک ان کی چیخز بول ہوئی۔ وہ گھبرا کر ہوئے اپنا تو از ن درست کرنے لگے۔ کبھی کچھ قاضی پر بیٹھی خاتون دوڑ کر آئیں۔

”کچھ آپ کی ٹیک۔“

”ٹھیک ہے۔“ انہوں نے شکر یہ ادا کرتے ہوئے خاتون کی طرف دیکھا۔ سادہ سے لاکس میں لباس وہ خاتون جالیس سے چیتا لیس کے پٹے میں دکھائی دے رہی تھیں۔ چہرے پر ذرا کج میسنجری فریج کی ٹیک لگنے لگے وہ بڑی کڑوا نظر آ رہی تھیں۔

”آپ کے ساتھ کئی کہیں ہے؟“ ان کی آنکھوں سے حیرت اور سب سے توشیح جھک رہی تھی۔

”وہ موصوف جو سامنے بیٹھے ہیں۔ وہ میرے ساتھ ہی آئے ہیں۔“ انہوں نے سگراتے ہوئے زیر کی طرف اشارہ کیا۔

”گھر پر ہی انتظار سے کام لیا کیجیے۔ ذرا سی غفلت آپ کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتی ہے۔“ وہ نرم لہجے میں تنبیہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔ مگر تاخر تک کو کجرت چھوڑ گئیں۔

کیا کوئی انجان بلیگر کی واقعیت غفلت یا شائستگی

کے کسی کے لیے یوں گھرنے ہو سکتا ہے۔ وہ تو اپنے ارد گرد سے کسی سی سی دیکھتے آئے تھے۔ ان خاتون کا انداز ان کی مٹاؤ کا سا تھا۔ وہ بگڑے ہوئے بانک میں بیٹھے قدرت کی رحمتوں سے اپنے دل کو بھلاتے رہے۔ رنگ پر گئے پھول، پتلیوں کی مانند اٹھلاتے گئے اور پتلی کی شکل ہوا کے سست چھوڑ گئے ان کے اندر کوئی آواز ہی نہ تھی۔ انہیں یوں گل رہا تھا کہ جیسے ایک مرے اس کی سوتی ہوئی روح آج بے ہوش ہوئی ہو۔

☆☆☆

اگلے روز وہ بارک آئے تو وہی خاتون انہیں پہلے سے وہاں بیٹھی نظر آئیں۔ کبھی کبھی سوچ میں گم وہ ارد گرد سے غلطی ان کے دل پر لگی تھیں۔

”کون سا بیان بھی ذرا اس طرف سے چلو۔“ انہوں نے ان خاتون کی طرف اشارہ کیا۔ ذرا انہیں ان کے پاس لے گیا۔

”السلام علیکم۔“ گلا کھکارتے ہوئے انہوں نے سلام کیا تو ان کی سوچ کا ارتکاز ٹوٹ۔ وہ ایک دم سے چلی گئیں۔ تاخر جب تک کی جانب دیکھا تو گنگی ہی لہے آنکھوں میں پچان کی دھن ابھری۔

”وہیکم السلام۔“ ان کے کپوں پر پلکا جھمک چلی گئی۔

”اگر آپ کی اجازت ہو تو میں کچھ دیر یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔“

”مئی بالکل۔۔۔“ وہ آہستہ سے بولیں۔

چہرے پر چھائی گہری تنہائی اور الفاظ سے نکلتی حاسنت ان کی شخصیت کو مزید باوقار بنا رہی تھی۔

”آپ تارا دو یہاں آئی ہیں۔“

”مئی سی اکثر شام میں یہاں آ جاتی ہوں۔“ وہ ان کی ہر بات کا بہت مختصر جواب دے رہی تھیں۔

”یقیناً آپ کی رہائش یہاں خرب میں ہی ہو گی۔“

”مئی بالکل مجھ کے ساتھ والی گلی میں میرا گھر ہے۔“

”اوہ! اتفاقی سے میری رہائش بھی وہیں ہے۔“ چلیے جناب اس کی حوالے سے تو ہم ایک دوسرے سے بڑی باتیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے تو وہ مسکرا کر رہ گئیں۔ اور یہ چند ہی منٹ اہستہ آہستہ ان کے درمیان مضبوط دوستی کی بنیاد بننے چلے گئے۔

☆☆☆

”صوبہ آپ نے اپنے بارے میں کبھی کچھ بتایا ہی نہیں۔“ اس روز وہ یونکی باتوں باتوں میں پوچھ بیٹھے۔

”سب کچھ تو بتایا ہے آپ کو اپنے بارے میں۔“

”مثلاً۔۔۔“

”مثلاً جی کہ میں صوبہ، ایک کٹر کالج میں بحیثیت پروفیسر پچھلے میں سال سے درس دے رہی تھیں۔“

”فرمائیں ادا کر رہی ہوں۔ بس اتنا مختصر سا ہی تو ہے میرا تعارف۔“ وہ چمکیدے سے بولیں۔

”میرے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟“

”شادی۔۔۔!“ ان کے کپوں پر اداس سی مسکراہٹ گھمکھی ”والدین کے انتقال کے بعد ان کی ساری ذمہ داریاں میرے کندھوں پر آ پڑی تھیں۔“

ان ذمہ داریوں اور فرائض کو نبھاتے نبھاتے میں نے اپنی ذات کو مکمل طور پر فراموش کر دیا۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو بڑھایا کھانا۔ انہیں اپنے چھوٹے کھڑا کیا۔ اور وہ سب ایک ایک کے اٹھانا پھر رہا کر رہی زندگی میں گن ہوئے چلے گئے۔ کسی نے سڑک پر بھی نہیں دیکھا۔ اور جب مجھے اپنا خیال آ تو وقت مجھے پیچھے وکیل کر بہت آگے بڑھ چکا تھا۔“ انہوں نے بات ختم کر کے تاخر جب تک کی طرف دیکھا جو بہت اٹھانک سے انہیں سہ رہے تھے۔

”آپ نے کبھی سوچا ہے۔“ آخر جب تک اس طرح تہا زردی گزار رہی گی۔“

”ہونہ۔۔۔“ آدھی تو گزری ہی ہے۔ اپنی بھی

گزر جائے گی۔“

”صوبہ میں پوری سماجی اور غلطیوں کے ساتھ آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ چمکیدے سے بولے۔ صوبہ نے جتنی سے جتنی سے چہرے کو کھنکھ رہیں۔ انہیں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس بات پر حیران ہوں یا خوش ہوں۔

”شام گہری ہوئی جا رہی ہے۔ اب مجھے چلنا چاہیے۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

”سینے!“ تاخر جب تک کے پکارنے پر انہوں نے مڑ کر دیکھا۔

”گنگا آپ کی خاموشی آپ کا اقتدار ہے۔“ لیکن پھر مجھ سے مجھے آپ کے جواب کا کشمکش سے انتظار رہے گا۔“

☆☆☆

”مجھے تو یقین نہیں آ رہا ہے کہ پاپائی ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ اور خرفہ کی شادی کی تاریخ رکھی جا چکی ہے۔ اب اگر میں موصوف پر پاپائی نے یہ کھل کھلا دیا تو بہرہ صاف نہ دلوں کو کیا تن دکھائیں گے۔“

”عالیہ میری تو خود کچھ مجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ بیٹھے بٹھانے پاپائی کو یہ شادی کی کیا سوچیں۔ ہم تو سوسائٹی میں کسی گمراہ نہ دکھانے سے لاقوت نہیں رہیں گے۔ لیکن ہم ایسا ہیرو نہیں ہونے دیں گے۔“ غافل ایک لمحے سے تمھیں پیچھے ہوئے بولے۔ ”کل شام کو پھر اس معاملے سے بیٹھتے ہیں۔“

”ہو نہیں۔“ آپ لوگ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ان کو تو عشق کا جادو سڑ چڑھ کر بول رہا ہے۔ یاد نہیں انہوں نے آپ کو دو ذرا الفاظ تک نہ کہا تھا۔

”میاں میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ جس کسی کو بھی میرے اس فیصلے سے اختلاف ہے۔ وہ بے شک نکاح میں شریک نہ ہو۔ لیکن میرا فیصلہ اگل اور کسی سے۔“ وہ اسے طور پر معاملے کو سمجھنے کی پوری کوشش کر رہی تھیں۔

☆☆☆

مجھے اپنے رنگ میں لگدے



”السلام علیکم۔“ بابائی کی بارعب آواز سب چونکے اور بیٹھ گئے۔ وہ لاڈلی لہجہ کی مد سے کچ کچ کر قدم اٹھاتے ہوئے آئے اور وہیں سب کے درمیان بڑے اعتماد کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ان کے آتے ہی ذرا تنگ دم بین گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ چند لمبے اسی طرح خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر بابائی نے ہی اس خاموشی کا قتل کر دیا۔

”میرے پیارے بچوں! قسمت نے آج مجھے تمہاری عدالت میں آکر مجرم بنا کر کھڑا کر ہی دیا ہے تو میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر حلفیہ کہتا ہوں کہ میں جو کچھ بھی کہوں گا۔ وہ کھرا سچ ہو گا۔“ خراج میرے پیارے بیٹے آج پورے سات سال بعد نہیں دیکھا ہے۔ آج تک تو تمہاری دید سے حیران ہو گیا۔ مگر دل کا کیا کروں جو کہیں بیٹے سے لگنے کو تڑپ رہا ہے۔ بیٹے ایسی بھی کیا بارعبی کہ باپ کے گلے تک نہیں لگے۔“

”بابائی آپ یہ کیا کرنے جا رہے ہیں۔“ آپ نے ذرا نہیں سوچا کہ آپ کے اس امر سے ہمیں کئی تکلیف پہنچے گی۔ تکلیف تو ہم شاید برداشت کر رہے ہیں۔ لیکن چڑاؤ اور رسوائی تو کی، وہ ہم برداشت نہیں کر سکیں گے۔“ شہادت بیک جو میرے بیٹے تھے ایک دم ہی صحت پڑے۔

”گھر میں جڑہ کی شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں۔ ڈیوٹ فکس ہو چکی ہے اور اس موقع پر آپ یہ نیا نیا شاکہ کر بیٹھ گئے ہیں۔“

”زبان سفیال کر میاں!“ فادرخیک زور سے گرجے۔

”سب نکاح کر رہا ہوں۔ کوئی گناہ کرنے نہیں جا رہا۔ جو تمہاری ذات اور رسوائی کا سبب بنے میرے فیصلے پر تکتہ پھین کر نے سے بہتر ہے۔ کہ تم لوگ اپنے گریبان میں جھانکو۔ مجھے اس اقدام پر پہچانے والے تم ہی لوگ ہوں۔“

”کیا کی پھڑکی ہے تم نے آپ کی خدمت میں ہر سہولت آپ کو مہیا کر کے دی ہے۔ سچ شام

☆☆

نومبر کے غلطے سے بیٹھے ہیں وہ ایک خوش گواری منج گھر کے سب ہی افراد نامنے کی نیکل رہتے۔ روزمرہ کی اہلی چٹکی بات چیت کے دوران فاضل اور پری کی محفل کی ٹوک جھوک بھی جاری ہے جب ملازم نے گاؤں سے ساراب کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

”ارے تو ساتھ ہی لے آئے اسے وہ کون سا مہمان ہے جو جو بیٹھے چلے آئے۔ اپنا گھر ہے اس کا بلا کے لئے تو دور اور میرے گھر ہے۔“ سس ملک ملازم پر ہنسنے لگیں۔

”تمہارے بیٹھو مولانا صاحب تشریف لائے ہیں۔“ فاضل نے پری کے کان میں سرگوشی کی تاہم سس ملک نے یہ جملہ سن لیا تھا انہوں نے تجسبی نظروں سے اس کو دیکھا اس سے پہلے کہ وہ مزید پوچھ سکیں۔ وہ ملازم کی محبت میں آ کر دکھائی دیا تھا سفید شلوار قمیض میں تن تنہا لگے بال سلیٹے سے سنورے ہوئے تھے لامعتہ براؤن آنکھوں میں سرسبز سس ملک کو اتنا عجیب لگا کہ وہ لاجل و بلاذکر وہ سس ملک کی فٹوں سے اونچی شلوار دیکھ کر فاضل نے ایک بار بھر پری کے کان میں سرگوشی کی۔

”لگتا ہے کسی تیلیڈی روڑے سے تشریف لائے ہیں اور پیدا ہو جائیں لیزا کی ہے۔“ وہ ملک صاحب سے پریشان صاف ہو گیا تھا۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کی پیشانی چوٹی۔ نیچے کیوں ان کو اپنی اس اولاد سے بے تحاشا محبت میں اب اس نے سس ملک کے پاؤں چھوئے اور پھر ان کے آگے سر کو جھکا لیا۔

”مائی سن۔۔۔ میرا بچا کتنے کتنے دن گزار جاتے ہیں تم سے ملنے تم کو دیکھنے میں بہت ہو گیا اب دیکھیں آ جاؤ ساراب افلاض کی اپنی مصروفیات ہیں۔ تمہارے پیپا کو بڑس میں تمہاری ضرورت ہے چلا۔ پھر انہوں نے ملازم کو پکار کر ساراب کے لیے ناشائلائے کا حکم دیا۔

”نہیں اماں! ناشائلائے میں کر کے آیا ہوں ہم دیکھا تو لوگ ہیں کچھ کسی بے غیر ہادی داری ملحق

سے نہیں اترتی۔ آپ کا یہ شہری ہاشائلائے میں رہا نہیں آتا۔ اس کے جواب نے سس ملک کے مود کو غراب کر دیا تھا۔

”کیا حال ہے فاضل! پر حال کی کسی جاہدی ہے تمہاری اور پری کی بی بی آپ تو ٹھیک ہیں ناں۔ چائی یا کر رہی ہیں۔ آپ کو کبھی بھی چھینوں میں اگر تائم لے کر چکر لگائیے گا۔ اس کے طرز خطاب پر پری کا مروتو کی سیڈ کرنے کی کوشش میں لال ہو گیا جبکہ فاضل نے اپنے پیپا کے در سے نیز سے جواب دیا تھا کہ وہ ٹھیک ہے اس کی پر حال کی ٹھیک جاہدی ہے اور پری نے کہا۔

”کیا ہے کہ ساراب! کبھی ماسوں اور آئی کا پھر لگا تو آ جاؤں گی اور نہیں پوچھتا ہے کچھے گاؤں سے اس ماحول سے نفی اترتی ہے۔ میں تو چنچھنے مشکل سے گزارتی ہوں وہاں رہنے کا سوچ کھینے نہیں سکتی۔“ اس کے انداز میں کسی مدد تک خوت بھی تھی جس نے ساراب کا چہرہ اس ہل پیکا کر دیا تھا۔

”چھوڑو ساراب! اس بحث کو یہ تباہ کر کہ سب سے جڑاٹن کر رہے ہو اپنے پیپا کے ساتھ آ جائیں سس ملک نے سہانے لہجے سے پوچھا ان کا نہیں جس رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی اسے ملک صاحب کے ساتھ آ جائیں جو کبھی دم نہیں۔

”کیسی باتیں کرتی ہیں اماں آپ! ایسے کیسے چھوڑ کر آ سکتا ہوں میں سب کچھ۔ چائی ہیں وہاں بچا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے پھر زمینوں کی دیکھ بھال ہے صلی کی بواہی ہے کہ کرائی تک اور پھر فصل منڈی بھجوانے تک کا سارا کام میں کرتا ہوں۔ چائی تو ایک دن کے لیے مجھے تھکوں سے دور نہیں رہنے دیتیں۔ وہ اجازت دے بھی دیں تو اماں میرا ذہن نہیں ہے یہ دو اور دو چار کرنے والا۔ میں جتنی عبت کرتے دنے والا بندہ ہوں اسی طرز زندگی کا عادی ہوں جو شرم سے میں نے دیکھی اور برتی ہے یہاں شہر میں میرا دم رکھتا ہے۔ یہاں فاضل کو اللہ زندگی دے آپ کے پاس ہے میں یہاں آ جاتا ہوں تو

چائی اور پچا کی کر کے۔“

”جو بھی کریں گے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے“ غضب خدا کا نیکی لگے پڑنا تھا کہ میں سال سے اس نیکی نے مجھے جو نقصان دیا ہے اس جاتی ہوں۔ میری اولاد تھکوں سے دور ہے مفت کا ٹوکر بنا کر رکھ دیا ہے بچے کو کر دوزوں میں پھونکا ہوں کہ بڑس ہے آپ کا اور وہاں میرا پچا کیس ان بن کر مل چلا تا ہے۔“ سس ملک تو چوتھ پڑی تھی۔

”خیر یہ بات خوت کر لیں اس کی اس وقت نیکی آپ نے نہیں بھائی بیگم نے بھی آپ کے بچے کو گولے لگائیں کی ذمہ داری سنبھال کر لیا کہ نہ دھوکا دے آپ کی حالت غیر کر دی یا نہیں جان کے ٹالے پڑ گئے تھے۔“ ملک صاحب نے ان کو یاد دلایا۔

”ہاں تو اس میں بھی ان کا کیا فائدہ تھا اولاد نہیں جی ان کی تو اپنے اس جذبے کی تسکین کے لیے انہوں نے خوشی بہ ذمہ داری کی کی ذمہ داری کے بھی بچے ہوتے تو میں دیکھتی کہ کیسے وہ ذمہ داری نہیں میرے بچے کی۔ چلو ان کی لوں آپ کی بھائی بیگم کی ذمہ داری کو کر یہ نہیں کہا تھا میں نے کہ میری اس نیکی کو میرے گلے میں زبردستی کا دھول بنا کر رکھ دوں تھے میرے گلے لیے بنانا پڑ گیا ہے۔ بس بہت ہوا دن دے دیا میں نے اس احسان کا اب میرا پچہ مجھے یاد دل گیا ہے۔“ وہ دھسے سے بچا تھیں۔ او۔

”اؤ گے نام ادا کی آ کر ٹھیک لیتے ہیں۔ او۔ کے براؤں کی پو۔“ پری اور فاضل جو تھے خاصے ہو اور ہے تھے اس صورتحال سے ہر جاہ ساراب کی آدھ کچھ داکھی ہی مکالے ان تین نفوس کے درمیان اس گھر میں کئی سال سے دہرائے جا رہے تھے۔ بس اس بار ناما کا داری ایٹن کھوڑا شدہ تھا۔ فاضل نے پری کو اشارہ کیا اور ان تینوں کو غائب کر کے کہا پھر وہ لاؤں وہاں سے چلے گئے تھے۔

”اماں۔۔۔ میری پیاری اماں۔۔۔ دنیا کی کوئی اچھی طاقت اس حقیقت کو بھلا نہیں سکتی کہ جس آپ کی

اولاد ہوں حقیقتاً قیمت والے دن آپ کے نام سے ہی اٹھایا جاؤں گا نہ ہی میرے وہاں رہنے سے یہ حقیقت بدل سکتی ہے مگر یہ بھی جگ ہے کہ آپ میری حقیقت ناں ہیں تو چائی کو بھی میری ماں کا ہی درجہ حاصل ہے۔ آپ نے مجھے ہم دو تراقون کوہ بھی جا کی ہیں میرے لیے۔۔۔۔۔ میں اس تو کی زندگی کے کبھی بھی مجھے میں انہیں چھوڑ نہیں سکتا۔ چائی نے کبھی کبھی کے لیے اصل بھجوائی کی وہ گاڑی سے نکلا اس کے لیے کبھی کبھی دوا دیا اس کی بچے اور زمینوں کے لیے کبھی کبھی دوا دیا اس کے لیے وہی سب کچھ کر رہا تھا اس سے گلے کھتا تھا تھا ملک صاحب نے خود اپنی دلی سے اسے رخصت کیا مگر سس ملک کے آسٹھن اٹھائے تھے انہوں نے صرف سہا ملنے پر اکتفا کیا تھا۔

”میں آپ کے جدو کا حصہ ہوں اماں! ادنیٰ میں کبھی بھی رہوں گا۔ انہوں کا۔“ ان کے ہاتھ جو تھے اس نے ایک بار دیر یاد دلانی کر دیا اس کی آواز بگ درم سے باہر جاتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

”دیکھ لیا ملک صاحب! میری اچھائی کو لوگوں نے میرا نکال دیا عار دیا میرا بیٹھن لیا اوپر سے اس کی تربیت دیکھی ہے کیسے کہ آپ کی بھائی بیگم نے پورا ملا ہائے رکھ دیا ہے ابھی کچھ میرے ہاتھ رہا ہے پری کی اپنی اسے پہلے اسے مطلب کے لیے اسے ابھی کچھ میں سارز کر دیا یا مگر ساری زندگی زمینوں کی داکھی کرتا رہے۔ طبع دیکھا ہے اس کا پورا ملا دیکھا ہے۔ بات ایسے کرے گا مجھے اس دینے آ ہوا بتا میں بھلا نہ سیکھ سکے کہ میرا پچہ اچھا ہے اس کا اپنی پیاری بھلی کو عجیب و غریب سے بھلا کر رکھتا ہے۔ شہر میں آپ کا خاندان اسے بھیجے جو خاتون ہیں ہمارے سرکل میں کون بنی دے گا اسے جبکہ فاضل کے لیے بھی ہے شوق کی ان کی تنگ جگہ ہے۔“

”دیکھو منہ! اس روز روز کے اس ڈرامے

”آپ یو میڈ فارض..... میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں اور یہ ہے تم ایک بے وقوفانہ شرمیلے کر آ گئے ہو۔“

”میں ابھی شادی کی بات نہیں کر رہا ہوں..... مگر معنی تو کریں کہ کم از کم..... میں بھی وہاں ریلیکس رہوں گا اور پری کا بھی کوئی رشتہ منجر نہ ہوگا۔ لیکن نام نہیں لے گا۔“ وہ اچھڑ کر ہلکا سا کاس کی بات پر اتنا خفا سا کی مجھے سے باہر تھا۔

”ہری کے بچے! پیچیدہ اور میری بات سنو میں تمہاری پیچیدگیوں کو اس جتنی اہمیت دیتا ہوں کہ تمہارا صرف خواب کے لیے کھڑا دیا ہمارے پاس بہت کچھ تھا تو ایک بچی بوجھ میں تھی ہمارے اوپر مگر اس کو عمر بھر اپنے سر پر بٹھا کر رکھنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ بہت بھی اپنی اس چنگنا منوج اور راض کو دماغ سے نکال دو۔“

”میں کیوں اس کا کیا کر رہی میں..... ہمارا اپنی منی سے ہے ابھی خاصی خوب صورت لڑکی ہے پھر میری بھینسی ملتی ہے اس سے اور ہم دونوں اپنی شادی کا فیصلہ کر چکے ہیں۔“ اس کے اس طرح کہنے پر راتھوں نے اپنا سر دوں بائیں میں لایا۔ پری اور فارض کی کھٹکی کو وہ ایک کھر میں رہنے والے بچوں کا ایک عام تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ اس حوالے سے نہ کچھ ماننا ہوا ہر کسی کی تھی۔ شرمیلے سا حال اس کی کے ساتھ میں ہی تھا پری اور دور تک نہیں گیا تھا۔

”یو میڈ فارض! میں جو بھی بات کروں گی اسے غور سے سننا۔“ انہوں نے اپنے بلند ہونے لفظ اور کو نظر انداز کرتے ہوئے پیار سے فارض سے کہا شرمیلہ کیا۔

”تم ابھی بہت چھوٹے ہو زندگی کے معاملات کو ہینڈل کرنے کے حوالے سے۔ میں جانتی ہوں کہ پری ایک بچی ہے خوب صورت ہے۔ اب کچھ نہیں اور تم اسے پسند بھی کرتے ہو۔ یہ سب باتیں تم دیکھ

کر رہا تھا۔ ابھی ایک گیم ٹیس کی مکمل کر دو دونوں لان چھتر ذرا آ کر بیٹھے تھے۔

”کون کی بات ڈیرا؟“ اس نے جس کا گلاس اٹھایا جو ایک ملازمہ رکھ رہی تھی۔

”ایک تو ہر بات تمہیں کی بار بتانا پڑتی ہے فارض! وہ چھینا ہو۔“

”آئی ٹی اور میری شادی کی بات۔“

”ابھی بھی اس کے کچھ میں تھی۔“

”شادی؟“ ”وہ بہت بگڑا ہوا تھا۔“ جانی بھی ہو کر مٹا مجھے ایک بھی پتہ نہیں تھا۔ میرے کیرئیر کے اساتذہ ہونے سے پہلے ہی اس قسم کی بات ابھی خاصی شاک ہو گئی ان کے لیے۔ پھر نہیں کسی بات کی جلدی ہے پری! جب ہماری آہلی میں کوٹ منٹ ہے تو جب دفعت آئے گا تاہم میں کے سما پاؤں کسی بات کی فکر سے نہیں۔ نہ تو ہمارے درمیان کوئی خاتمہ سانچ ٹاپ جڑ ہے نہ کوئی اور رکاوٹ۔“

”میں کیوں اس کا کیا کر رہی میں..... ہمارا اپنی منی سے ہے ابھی خاصی خوب صورت لڑکی ہے پھر میری بھینسی ملتی ہے اس سے اور ہم دونوں اپنی شادی کا فیصلہ کر چکے ہیں۔“ اس کے اس طرح کہنے پر راتھوں نے اپنا سر دوں بائیں میں لایا۔ پری اور فارض کی کھٹکی کو وہ ایک کھر میں رہنے والے بچوں کا ایک عام تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ اس حوالے سے نہ کچھ ماننا ہوا ہر کسی کی تھی۔ شرمیلے سا حال اس کی کے ساتھ میں ہی تھا پری اور دور تک نہیں گیا تھا۔

”تم ان کی اتھ آئی سوچ رہی ہو میرے لیے۔“ یار میں کیرئیر (لاپروڈ) ضرور ہوں مگر پری نہیں۔ تمہاری ٹی کے لیے بے تادوں میں بھی رہتی شادی جیسے بیخوش میں کی اہمیت نہیں پڑتا جانتا تھا کہ ان کی تمہارا کرتی ہو تو ڈنٹ اور سزا سے بات کر کے کھٹکی بھی کر لیں گے۔ اب یہ ایگری کٹ جیسی شکل سے اس کی ٹیس پر آؤ پور ہو رہا ہوں میں۔“ پری اس کی بات پر ہنسی اور اس کے بازو پر ہلکا سیڑ کیا۔

کے تک تمہاری اس لفظ کی سزا جیسے دیتے رہیں گے۔ تمہارے کون سا کوئی بچوں کی لائن کی ہے کہ چلو ایک تمہارے پاس نہیں ہائی تو ہیں نا۔“

”میں کیا کروں! پہلے تو خود بھی مجھے کوئی خاص کی محسوس نہیں ہوتی تھی اس کی ذہنی دنیا چار آتا تھا اس کے اور جیسا فارض کے اوپر آتا تھا۔“

جب سے تم نے احساس دلایا ہے یقین کر میں بہت یاد کرتی ہوں اس کو میرے اختیار میں نہیں کہ وقت کو دامن لے آؤں جب میں نے اپنا بچہ ان لوگوں کو دیا تھا۔“ ان کی آواز بھرا گئی بہن کی ہمدردی یا پری کی جھنجھٹوں سے بار بار کہہ کر ان کو اس فائنٹکس کا احساس دلایا تھا جو وہ خاصی میں کچھ نہیں درنہاب سے پہلے تک انہیں بھی اس بات کا احساس تک نہ تھا تھا۔

”میں تمہاری دشمن نہیں ہوں سزا و اب تم خود سوچ کر فارض کو کم اپنا کر نہیں کے لیے باہر جیتے کا ارادہ رکھی ہو پھر سوچ کر آج کے بچے ہیں۔“ اگر اس کا ارادہ وہیں چاہ کر نے کا ہو گیا تو کم از کم ایک پتہ تمہارے پاس ہوتا۔“ ان کی بات پر سبز ٹلک کا دل کھلی بہن کی اس قدر محبت پر ان کا جہنم نہیں۔

واقعی اس بچ پر تو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا! بہن سے احسان مندی کا جذبہ اس پہلی اتنا دور آدھا تھا کہ وہ نہ سوچ سکتی کہ وہ بہن جو اپنے رجبہا حیثیت کے فرق کی وجہ سے ان سے کم کی راتھ رکھتی تھیں۔ بہت کم ہی بات چیت ہو پائی تھی کہ وہ ان کے حوالے سے تعلقات پسند نہیں تھے لہذا ایک ان کے دل میں، بہن اور بچے کی محبت کیسے جاگ اٹھی تھی۔ اب وہ اپنی بہن کی نصیحتوں کو زیر گوہر سے سنتی تھیں۔

☆☆☆

”فارض! تم آئی سے بات کرو نا۔“ اس نے اٹھ کھڑے ہوئے فارض سے کہا جو لاپرواہی سے چوم چاہتے ہوئے اب اپنا پیٹ صاف کر دالی۔

☆☆☆

”یہ خدا وہ میرا پتہ۔“ انہوں نے خوش ہوتے ہوئے دعا دی۔

یامرادی لہوؤں کی۔ مجھے ایک گھروں میں جا کر بچوں کے دل توڑنے سے بڑا خوف آتا ہے سب! میں نے تیرے سے کہا کہ میرا بیٹا جس کھر کا نام لے دے گا میں وہیں سوال ڈال دوں گی۔ اب تو جلدی سے تمہیں کہاں جانا چاہیے۔“ آخر کو اتنا بڑھا کھٹا۔“ تمہارے تیری بھی کوئی سوچ ہوگی۔ کوئی خیال ہوگا کہ لڑکی ایسی ہو۔“ تو چاہی میرا اچھی رکھے گا! وہاں پوسٹی میں کچھ بچے کی۔“ بچے کی شادی کی خوشی میں وہ دونوں ہی پر جوش تھے سب سب بے اعتدال تیار پڑا۔

”آپ لوگ ضرور یہ خوش دیکھیے کہ کد آپ یہ حق رکھتے ہیں لیکن مجھے ٹلک کا وقت دے دیں اس کے بعد آپ کی جہاں مرضی جائیں۔“ میں بھی لڑکی ختب کر رہی تھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن اس سے پہلے آپ یہ سلسلہ شروع مت کریں۔“ جیسے ہی وقت آئے گا کہ لیکے چٹ کھٹ پٹ یا وہ والا معاملہ۔“

”چل ٹلک! میرا پتہ۔“ رشیتو فعل کے بعد ہی لے کر دلی پر شادی کی تیاری تو شروع کر رکھی ہوں ناں کپڑے۔“ لیتے۔“ زور۔“ شادی کی تیاری آسان ٹھوڑی ہے۔ شہر سے خریداری کروں گی اپنی دلی (بہن)۔“ ابھی سے شروع کروں گی تو سب ہو جائے گا نا۔“

”ارے جا چلی آپ کو میرے حوالے سے کسی بھی کام کی مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جو چاہے کر سکتی ہیں۔ بس میں وقت کے وقت ہر کام کرنا پسند کرتا ہوں۔ کل ان وقت کے رہنے اگر ہوں تو کئی چیزیں گوں کہ وہ تو ہر روز ان کوئی خاص بات نہیں ہے۔“ اس نے چاچی کی مزید سلی کر دالی۔

☆☆☆

”یہ خدا وہ میرا پتہ۔“ انہوں نے خوش ہوتے ہوئے دعا دی۔

☆☆☆

”تم بے وقوفی کر رہی ہو سزا و ابھی صاحب

رہے ہوئے اب کی سوچ پر کھارہ جا چو وہ سب دیکھ رہی ہوئی ہے جو کم بختوں کی نظر سے اوجھل ہوتا ہے۔ ان کی بھی اور کچھ بھی بات پر قاضی سے پہلو بدلاتا۔

”دیکھو میری جان! میری خواہش ہے کہ میرا بیٹا زندگی کی ہر لمبائی میں آگے بہت کے جائے۔ یہاں ہمارے ملک میں وہ آگے بڑھنے کا موقع نہیں ہیں جو جوانوں کے لیے جو دوسرے ممالک میں ہیں۔ بیکار دیکھ کر تمہارے بابا کے دل میں نہ ہونے کے باوجود میں تمہیں اسٹوڈنٹ شپ کے لیے امریکا کی سفارتی میں بھیج دوں گا۔ جانتے ہو کہ تمہیں کون ایسا سفر کرنا ہے۔ وہاں..... تمہارا خاؤ..... وہاں کے بے گناہانے ڈاکٹر ہیں اور اپنا ہسپتال ہے ان کا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ ہم سے اس کی کوئی بات کر سکتے ہیں مگر جب سے تمہاری آغوش نے مجھے کہا ہے کہ اگر تمہارا بھائی کو تم پند آئے تو وہ تمہیں واپس لے کر خوشی محسوس کریں گی۔ میری خوشی کا کوئی قصہ کا نہیں رہا اور یہاں تم ہو کہ میرے سارے خواب ملیں گے کرنے پر تھے ہوئے ہوں۔ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے وہ اسے قائل کرنے کے لیے ہر ساز و کار دیتی تھی۔

پھر انہوں نے اسے ایک دن اس کو بھانپنے پر استغنا کیا کہ اسے دانا تو خاں کا سر نہیں لڑا اور امریکن حکومت کی کے خواب دکھائی رہیں۔ کچھ تو وہ اپنی میڈیکل کی سخت روک تھام سے دیکھے یہ مصروف رہا کرتا تھا کہ میری کے لیے پھر بھی وقت نکال لیا کرتا تھا۔ ان کی مسلسل سمجھانے کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اسے بری سے بچھڑا دیا۔ وہ بھی اس کی انہوں نے سکون کی سانس لی اس میں زندہ بول وکل وکل ہی کا تھا۔ وہ اسے فارغ اوقات میں بھی کسی نہ کسی مصروفیت کا حصہ بنادیتا تھا یا بری کے ذمہ داری کی کام لگا دیتی۔ ایک مہینہ بعد اس کے کا فسادات کی کارروائی مکمل ہونے والی تھی جس کے بعد اس نے امریکا چلے جانا تھا۔ مگر اب اس کے لیے وہ اس سے دور رہنا چاہتا تھا جس اور اب تک اس میں ابھی خامی کا سیلاب بھی تھیں۔

☆☆☆

”پتا نہیں کیوں کیوں کیوں کیوں ہو رہا ہے جیسے قاضی آج کل مجھے ادائیج (دور ہماک) کر رہا ہے۔ پہلے پہل سے اسے اپنا نام سمجھا ہوں مگر اب جب میں نے غور کیا تو پتا چلا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے۔ پہلے وہ جتنا بھی مصروف کیوں نہیں ہوتا تھا جو ہم میرا تھا اس کی لائف میں وہ میرا ہی ہوتا تھا۔ تبھی نصف دھڑکی کی وجہ سے وہ مجھے ہٹ گئے تھے۔ پتا تھا تو اس کے معذرت کر لیتا تھا مگر اب اس دن سے اس کے مجھ سے بات نہیں کی۔ میری اس کی کال کی کچھ کا جواب نہیں دیا۔ میں نے اس کی دھمک کا جائزہ لیا تو لڑائی لڑی بھی نہیں ہے اس کی زندگی میں میرے علاوہ..... پھر ایسے کیوں کر رہا ہے وہ..... رہا کسی ہو کر وہ اپنی دوست کو بتا رہی تھی۔ اس نے اسے شورو دیا تھا کہ اسے سوخ و صوف کرنا تھا۔ میں نے بات کرنا چاہیے ہو سکتا ہے اس نے پری کی کسی بات کا برا کیا ہو۔

”نہیں وہ تو آئی سے ہماری لالچ منٹ کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا جب لالچ منٹ ہم ہماری بات ہو رہی تھی۔ پھر تمہاری بات ٹھیک ہے مگر وہاں سے کل کر بات کرنا ہوتی ہے کہ مجھے اس سے کل کر بات کرنی چاہیے۔“ اب کے وہ جذبات سے نہیں محض سے کام لے کر کہہ رہی تھی۔ اس کی دوست سکون کا سانس لی کتاب پر تھک لی تھیں تھیں چار دن سے پری قاضی کے حوالے سے بہت پریشان تھی کہ اسے اسے اسے اسے بھلائے وہ ہر وقت اسی موضوع کو لے کر بیٹھی رہتی تھی۔

☆☆☆

پری کے کالج اور ملک صاحب کے آفس سہارا کا جانے کے بعد سرملک نے ڈراما کو گاڑی ڈالنے کا حکم دیا۔ قاضی کے جانے میں بہت کم دن رہ گئے تھے اور وہ اس سے پہلے ہی سارے کا کوئی بچا بد دوست کرنا چاہتا تھا۔ میں سارا بچا کھنکھن کا سفر ان کی کیا یہ پریس کئے گئے تھے اور تھا۔

اسے جسے بعد پوریان کو دیکھ کر پائی تو خوشی سے بھری ہوئی تھی۔

”مئی آئی انوں..... ست ہم اللہ..... دیکھو تو سارے کے بابا! بھلا کون آیا ہے ہمارے گھر؟ بھائی کی فحش آئے اور سنے.....“ لڑکوں کو باہر مڑھو لگوانے کی غرض سے ٹھہرا گیا تھا ملازمہ کے ساتھ کہ یہ ابھی شروع ہی کیا تھا کہ کھن میں سخت سے اڑھ اور اڑھ دھکتی پوریان کو دیکھ کر خوشی سے بولے نہیں۔ سرا کی نرم کمر گھوم رہی تھی جو آگے میں پھانسا شروع ہی ہوئی تھی وہاں پہلے چچا جان بھی اٹھ بیٹھے گھر وہ ان دونوں کی گرم جوشی اور خوشی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دیکھے اسے بھی کھڑی رہیں۔

”دیکھو بھائی اور بھائی میں یہاں بیٹھے نہیں آئی اپنی امانت واپس لینے آئی ہوں جو آج سے کئی سال قبل میں نے آپ کے حوالے کی تھی مگر معلوم نہیں تھا کہ ان امانت دار ہی باک میں جا میں گئے۔“ ان کے روکے لہجے میں کی کی بات پر دونوں میاں بچی کا چہرہ پیکا پکا اور انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

”متم دونوں باہر جا کر باڈو کو لڑو..... کب سے تفصیل مٹانی ہی نہیں ہوئی۔“ چچا نے آستہ سے لڑائی کے ساتھ کی ملازمہ کو کہا جو بظاہر کام میں مصروف مگر کان میں بیٹھ گئے ہوئے تھے۔

”مجھے بھی ابھی آ رہا ہے بات کریں آپ کیا کہہ رہی ہیں.....“ پتا نہیں وہ مجھے نہیں تھے یا جان کر ایسا ہیام بن رہے تھے تاہم چچی کا چہرہ ضرور پتلا پڑ گیا تھا ان کی بات سن کر سرملک مذاک کے ساتھ ان کی بات پر بیٹھے نہیں چچی بھی کم کم کیفیت میں آ رہی تھیں۔

”مجھے بھائی صاحب..... میں اب ہاں تک کہ تیرے جڑواں بچوں کو سنبھالنا میرے لیے بے باکوں تھا میں بھی کی بھی نہ دھمکتی تھی کہ جو ابھی نہ ہو میں تو..... مگر اب خود فیصلہ کر کہ آپ کے بھائی کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔“ قاضی ڈاکڑ کی

کی مزید تعلیم کے لیے ملک سے باہر جانا چاہتا ہے..... بلکہ اگلے کچھ دنوں میں چلا جائے گا۔ آپ کے بھائی زبان سے نہیں کہتے مگر میں جانتی ہوں کہ وہ اگلے کچھ دنوں میں چلا جائے گا۔ آپ آگیا ہے جب سارے کو اپنے گھر لٹھ آنا چاہیے اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیں چاہیں اپنے باپ کا ساتھ دینا چاہیے۔ میں نے بہت کم گھر وہ آپ لوگوں کے خیال سے نہیں آتا چاہتا۔ اب وہ بچہ ہو کر آپ کا اتنا خیال کر رہا ہے تو آپ بھی اس کا خیال کریں گی..... میرے آئے کا تانے بھیرے سے کر رہی تھی میرا بیٹا جسے چند ہی دنوں میں اپنے گھر میں چاہیے۔ امید کریں ہوں میری آواز کا کہ آپ سارے اپنے بھائی سے کہیں کریں گے چچی ہوں.....“ جیسے آئی میں دیکھ رہی تھی چچی میں۔

چچی تو چچی کو مدد کے کیفیت میں ہی بیٹھی تھیں حالانکہ سرملک کو چند ہی منٹ تو گزر ہی چکے تھے۔ آتسوواتر سے چچی کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

”میں تو بھول ہی گئی تھی سارے کے ابا کو کہیں تو اللہ نے اولاد دی تھی نہیں تھی۔ پرانی امانت کو کہنے سے لگا کر میں نے بھول دیوں اور بھول کر امانت کا اہم بن جانا ہے کیا نہیں۔ اس کی شادی تک کا سوچ لیا نہیں کہ نام بھی سوچ لیے۔ قصور ہمارا ہے بھائی کا نہیں..... اس کی تو شاہانہ سے کہہ سکتے ساری تک اسے جگر کا گڑا ہمارے حوالے کیے کہہ سکتے ہیں تاہم تک نہیں لیا ہمارا فرض بننا تھا ان پرانے بچے کو جسے حق میں اب سے بد دوست کر دے۔“

سادہ دل وہ عورت اسے دل کا درد دواتے چچا کو لے لگی۔ دوسری کی جوانی بھی کے جانے کے بعد سے چھلک رکتی وہ ان آنکھیں لیے باہر چپ بیٹھے تھے۔ کچھ بھی نہ کیا تھا وہ جانتی تھیں کہ سارے چچا کو ان کی ان سے زیادہ یاد تھا سارے سے اور چچی خوش غصے سے لکڑی دینا چاہ رہی تھیں وہی ہو گیا تھا۔ چچی کے بیٹھے شہید سر میں درد ہوا

”یہ کیا ہے چاچا..... چاچی ایسے کہہ کر کیوں

”وہ ٹھیک کہہ رہی ہے ساربا! خد نہ کرو اور جاؤ اپنے گھر..... مجھے ذرا ناؤ میں آرام کرنا چاہتا

☆ ☆ ☆

پھر جیسے ہی ساراب نے ملازمہ سے دریافت کیا تھا کہ کل اور پہلوں کے دن میں کمر میں کون کیا آیا تھا فوراً ہی چابی کے اصرار کے پیچھے چھپی کھائی سامنے آ گئی۔ سز ملک اگر اس کی سہلی ماں نہ ہوتیں تو وہ نمائے کیا کر ڈالنا کردہ رشتوں کا لحاظ

[illegible]

سے فخر نہیں کرتا جس سمجھا دیتا ہے ان کو کہ ایسی کوئی بات نہ ہو آئندہ..... میں اس حقیقت کو کہ کوئی نہیں بھولا کہ میں آپ دونوں کی اولاد ہوں۔ باشعور ہونے کے بعد میں نے ہر روز آپ دونوں کو فن کارانہ ہفتے میں دو بار شعر آپ تمام دن آپ لوگوں کے ساتھ

”میں جانتا ہوں میرے بیٹے! سب جانتا ہوں جنہیں کچھ تانے کی ضرورت نہیں ہے اور میں جنہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس سیدہ تمہاری ماں اس قسم کی کوئی بات نہیں کرے گی۔ میں کل یا پرسوں تک چکر لگاتا ہوں بھائی صاحب کے ہاں تم نے خود کال کر لی تھی تو میں ایک ضروری بات کہنا چاہ رہا تھا ختم ہے۔“

”جی ہا ہا جان! احکم سمجھئے۔“ وہ ہمیشہ کی طرح

”کیا بات ہے بابا آج کل سب کو میری
 شادی کا شوق چڑھا ہوا ہے۔ ابھی کچھ دنوں پہلے
 جاتی تھی ایسی بات کر دیتی تھی کہ میں نے
 کمال کچھ دن ان کو روک دیا ہے کہ آج کل ابھی
 ماسی مصروفیات میں گھبراہٹ میں... اور لڑکی کی
 کیا کیا باتیں... بابا آپ کو کیا لگتا
 ہے؟“ وہ ہنسی کے انداز میں بولا تو کمبل
 صاحب اس کی بات پر ہنس دے۔

”ہاں ہاں..... کیوں نہیں اور مجھے یقین ہے کہ
 میرے ہرے جیسے سارے لے پر ہی تو کیا کوئی
 بھی لڑکی ہاں کرتے ہوئے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں
 کرے گی۔ لے پر پھر تفصیل سے باتیں ہوں گی
 جیتے رہو۔“ ان کی کال ختم ہونے کے کئی دن بعد وہ
 سواہل ہاتھ میں لے کر اپنی خوش قسمت ریوگر کار میں

”بیٹیوں کو ایک نہ ایک دن اپنے گھر رخصت ہونا ہوتا ہے.....“ ان کی بات پر اس کے آنسو بے ساختہ بہا کر گئے۔

کے پاس آئی۔

”زندگی میں باتوں کو سامنے اور منوانے کا سلسلہ لگایا رہتا ہے مگر یہ خوب صورت روز در روز نہیں آتے۔ اس لیے رات والے دوپے کے لیے سو رہی۔“ اتار رہا انداز تھا کہ سارے گھر اندر کی ساری کشتیوں میں بھاپ بن کر اڑی مگر ہر انداز میں مسکراتے اس نے اس کے خوب صورت ہاتھوں کو قلم لیا۔

☆☆☆

زندگی اتنی حسین بھی ہو سکتی ہے اس نے بھی سوچا یہ نہیں تھا چاہا چاہی کی تو جان بیدگی میں اس سے خوش و غم کردہ دونوں کی آنکھیں نے کیا ان کی شادی ہوئے گیارہواں دن تھا مگر وہ بالادن قاجب پرورش آئی تھی مگر سے باہر آئی تھی مگر باہر کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

آئے سامنے پر جا کر پائوں پر مٹے سے ایک پر چاچی براجان مٹے جس جب ان کے بالکل پیچھے روز آتھی تھی مٹینان کے بالوں میں تھیل لگ رہی تھی مگر حیرت پرورش کے لیے سارے کا انداز اور کام تھا۔ چاہا چاہی پر چاہا پر چاہا مٹے کے پیچھے تھے جب کہ سارے ہاتھوں میں ان کے پاؤں لیے باقاعدہ جمائوں سے رکڑا تھا اس کے انداز میں بے حد عقیدت اور محبت تھی چاہی کی نظر اچانک اس پر پڑی تھی۔

”اسے میں صدقے..... وہیں اچھی تھی خیر سے منہ ہاتھ دھو کر اپنا چل تھینڈ ڈالیں کے لیے گراما گرم ناشتا کرنا۔“

”آ جاؤ پرورش یہاں ہی آ جاؤ باہر شینڈ تیارا ناشتا یہاں ہی لے آئے گی۔“ سارے نے اپنا کام چھوڑے بغیر اس سے کہا وہ اپنی ناگوار چھائی آہستہ آہستہ قدموں سے پھلتی آئی اور دوسری چارپائی پر سامنے بیٹھ کر اب وہ ان کے پاؤں تو لے کر دیکھ رہا تھا جس نے چارپائی پر ایک صاف کپڑا بچھا کر اس پر چاچا جی کے احتیاط سے

ناخن تراشے۔۔۔۔۔

”مٹی دھواں سے کہا ہے کہ کم از کم اپنے چاہا کے کام کو چھوڑنے کرنے دیا کرے اب تو تمہاری دوستی آگئی ہے۔ اس کے لڑا اٹھانے کے دن چلیو تو.....“ چاہی نے چٹائیں اس کی غامضی بھائی چٹائی یا آٹھوں میں ناگوار دیکھی تھی کہ بول نہیں کر اس کے جواب دینے سے پہلے ہی سارے بول اٹھا۔

”ارے چاہی ابیرے بے بیٹھی ہو جائیں گے میرے پیچھے جب بھی اپنے چاہا چاہی کے کام میں اپنے ہاتھوں سے ہی کر دیں گے۔ جائے پلاؤں چاہی اپنے ہاتھوں کی حیرت سے داری..... ہاتھ دھو کر بات چاہا کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

”اس بے وقت کو سارے سب اپٹ سے نکالے کے لیے بہت جلد کرنی پڑے گی۔ اور میرے مسکراتے ہوئے اس نے دل میں تھیل کر چاہی تو وہ اپنی درمیں پر چل رہی تھی۔ دن دیر تک سولی رفتی سو کر آئی تو تازہ ناشتا بنا کر دیا جاتا اس کے بعد وہ ہوتی یا اس کا تھیل فون۔ دیر سے ناشتا کرنے کی وجہ سے وہ دوپہر کو کھانا نہیں کھا سکی۔

دوپہر کے کھانے میں شامل ہونے کے لیے وہ زمینوں سے واپس آ تھا کہ چاہا چاہی اس کے بغیر کھانا کھا تے ہی نہ تھے۔ کھانے کے بعد وہ کچھ دیر دوپہر کو آرام کیا مگر تھاکا مگر اب پرورش کے ساتھ چلے گیا مگر تھاکا اور یہ بات تھی کہ ان دو ڈھائی گھنٹوں میں وہ ہی زیادہ تر بولتی اپنی پسندنا پسند اپنی اپنی کار فرما..... اس کی تنگدستی تھی کہ ہوتی۔ وہ کیا چاہتا ہے اس کی کیا پسندنا پسند ہے اس نے بھی اسے بولنے کا موقع ہی دیا۔

عصر کی نماز کے لیے جب وہ نکل رہا تھا پرورش کو اپنی وقت بھوک لگی وہ اپنی پسندنا پسند کھا کھا۔ اسے یہ بھی پسند تھا کہ مات کو دوسرے کرے میں آئے اسے نکل وہ چاہا چاہی دونوں کے ہی داتا۔ چاہا چاہی کو اپنے ہاتھوں سے وہاں سے کھانا تھا اور اپنی اسی بھر کے لیے دونوں کو پانی گرم

کر کے دھو کر ہاتھ پر نماز کے لیے نکلا تھا۔

اس دن اسے وہیں بیٹھے بیٹھے احساس ہوا کہ اسے سارے کی پوری زندگی کا تازہ لے کر اسے کچھ ایسا کرنا ہوگا کہ اس کی اپنے گھر والوں سے وابستگی کو کم کر کے زیادہ سے زیادہ خاموشی سے کرے۔ ایسے سارا دن سویرا کو درمیان ہاں پر تھم کر اور کر ڈو وہ اس سے دور دوری بھی چاہتے تھے اس نے برسوں نظروں سے چاہا چاہی سے نہیں لگاتے سارے کو دیکھا جو آج اپنے سارے خاندان کو ایک ساتھ بیٹھا دیکھ کر بے حد خوش تھا خصوصاً پرورش کو سب کے ساتھ چاہا چاہی دیکھ کر یہ جانتے بغیر کہ وہ اس کے لیے کیا چاہا کر رہی تھی۔

☆☆☆

”کیا کبیر ہے ہوا فاضل ایسے کسے کھلا ہو گیا“ نہیں جانتا نہ ہم سے پوچھا۔ میں اور تیار ہے پایا تو پہلے سے راسی تھے بیٹا مگر ہر کام کی لہر لہر کا دل وقت ہوتا ہے۔ ایسے تو نہیں جانتا ہاں کہ ایک کال کر کے اس باپ کو بتادیا جائے کہ ہاں بھی کچھ پر ابھر رہے تھے جن کی وجہ سے کھلا کر بنا پر گیا۔“ وہ اچھے خاصے ٹھے میں بول رہی تھیں جبکہ فاضل نے خجائے ان سے دوسری طرف لپکا تھا کہ انہوں نے موبائل سائیل پر رکھا اور لیے لیے سائیل لینے شروع کر دیئے۔

”ایسا تو ہونا ہی تھا جیکو صاحب! جب زندگی گزارنے کے کچھ اصول بچوں کو ایسے سکھائے جائیں کہ صرف اپنا مطلب دیکھو یا سب جانتے بھاڑ میں تو پھر وہ ان ہی اصولوں کو اپنی پوری زندگی پر ہر فیصلے پر لا کر کٹنے کو تیار نہ ہوں گے وہ اصل زندگی مند کی تھیں۔ یہ کیونکہ وہ آپ کا چاہا چاہی ہی یاد رکھ کر زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔“ ٹھے میں بولتے ہوئے سبز ملک کی احساس میں نہ تھا کہ جب وہ فون پر بات کر رہی تھیں تو ملک صاحب وہیں پر ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔

”آپ تو ہر معاملے میں مجھے ہی دوش دیں گے“

اینا فائدہ تو ہر انسان ہی سوچتا ہے۔ اس نے سوچ لیا تو کون سا بار کام کیا نہیں تو یہ گھر ہی کسی کا سے پہلے نہیں بتادیا چاہے تھا۔“ بچے کا دفاع کرتے کرتے آخراں میں ان کا کچھ پتہ ہو گیا مگر چدل میں فاضل پر ادراہی میں بہت سے محاشا خفا رہا تھا۔

☆☆☆

”اب اچھی تو نماز کی پڑھو پر کی“ صدی آٹھوں نے آٹھوں کھول کر وہ شاید لائند آف کرنے کا کہتے والی جب سارے نے زری سے کہا وہ نماز پڑھنے کے لیے نکلے والا ہی تھا۔

میری عمر ہے نماز پڑھنے کی۔ اس نے مجھے اپنے ان دینی بچڑے سے دور ہی رکھا کر۔“ ٹھے سے کہتے اس نے ٹھیک سے پوچھا۔

”نماز کا تعلق چاہے یا مجھے یا میرے ہرگز نہیں ہے یہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔“ افسوس کہ اتنی اہم بات ٹھے نہیں بار بار بتائی پڑ رہی ہے۔“ اسے مخصوص انداز میں کہا وہ کرے سے باہر چلا گیا۔ پرٹی نے ٹھے سے بیکہ منہ پر ہٹایا اور دروازے کو دے مارا۔ سونے کی بہت کوٹش کے باوجود بے خندہ کی گئی سواٹھ کر بالوں میں پھر لگی وہ باہر آئی تھی کہ چپان میں تھیں کل والا ہی متحرک تھا۔ ہاں سارے چارپائی کی اودائن کستا نظر آتا تھا۔

”مولوی کے سارے کام ہی غریبوں والے ہیں کوئی کھ سکتا ہے کہ یہ اتنا زیادہ زمین دار اور پڑھا لکھا شخص ہے۔“ نہ ہی منہ میں پڑائی وہ اس کے پاس آئی۔

”میرے خیال میں اس جسم کے کام ملازمین کرتے ہیں سب اس میں وہی کوئی توئی نہیں دیتا کہ چارپائی کی اودائن بھی خود ہی کسی جائے۔“ ایک پاؤں چارپائی پر دسے دونوں ہاتھوں سے دیکھتی سارے اس کی ہی آواز اور چہرہ دیکھ کر بڑبڑا۔

”میں کسکھائوں آ خر کو مستحکم میں تم نے ہی مگر کی باہم۔“ وہ دستہ بنائی ہے۔“

”صاف کرو مجھے ایسی باگ دوڑ سے۔۔۔۔۔“
 ٹھینے جانے بناو مجھے اچھی سی۔۔۔۔۔ وہیں پاس پڑی
 کرسی کچھ کر وہ اس پر بیٹھی اور سامنے سے گزرتی
 ٹھینے کو کہا جو جائے کاب کے کر شاید جا چائی کے
 پاس جاری بھی جوخوڑی دوری جا چائی کے ساتھ
 خاندان کی کسی شادی پر بحث چھیڑے تھے تھے۔

”ٹھینے ملازم نہیں ہے پردہ ہاری جا چائی کی
 محبت میں یہاں آئی ہے اور اس کے گھر سے ہی کام
 چنا جاتی ہے جا چائی کی بیٹیوں کی طرح ہے وہ اور
 میں تو ملازموں سے بھی اس طرح سے ہے بات کرنے
 کا قائل نہیں ہوں۔“

”ایسے ہی میں نہیں مولوی نہیں کہتا ہر بات
 اور ہر کام میں دوسرے پر اپنے نظریات ٹھونس دیتے
 ہوا اگلے کو پسند آئیں یا نہ آئیں۔ جائے یا ناگے
 تمہاری ٹھینے صاحب سے کوئی قرعہ غصہ ہی باغک لیا
 ہے۔“ وہ ناک چڑھا کر برقی سارپ نے جا پائی پر
 دونوں انھوں کے ذریعے اپنا پرواز دن ڈالا اور اس
 کی مضبوطی چیک کرنے کے بعد اس کے باگل
 سامنے ہی بیٹھا گیا۔

”دیکھو پردہ افلاطون بھی برسے یا ایسے نہیں
 ہوتے۔۔۔۔۔ اس کا استعمال اور انسان کا بھران میں کیا
 شریں پڑتا ہے۔ جا بہو افلاطون سے کیو کوڈ جہاں کی
 خوشی خوشی دو جا ہو تو ایسی افلاطون سے دل کو توڑ دو۔
 میرے نزدیک ہر دوسرے کی عزت نفس ہے ہدا
 ہے جا ہے وہ میری زمینوں پر کام کرنے والا حرازم
 کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔ یہ تاؤ کھار مار ڈالت یا یا نہیں۔ کلاسز

کب سے اشارتیں ہیں؟ میں جا پتا ہوں جب تم تعلیم
 کھل کر کے آؤ میں نہیں یہاں بیٹیوں کی تعلیم کے
 لیے اسکول، خواہے۔۔۔۔۔ آج کا دنیا جب ایک
 پرمصرف ایک جن کی تفتان ہے ہمارے علاقے جیسے ہی
 علاقے ہیں جہاں بیچوں کو تعلیم کے حصول کے لیے
 کوسوں دور کا سفر کرنا پڑتا۔۔۔۔۔ وہ اب اسے اپنے

جیس اپنی اولاد کے صانع ہونے کے لیے ہاتھ نہیں
 رگوں تارے گا۔ انھیں اللہ آپ کے حق میں خودی بہتر
 کر دے گا۔ میں نے اس بات کو اپنے لیے سے
 ہاندا لیا تھا۔ میں اب اگر اپنے ہاں باپ کی خدمت
 کرتا ہوں انھیں ہر لمبائی زندگی میں ان کی اہمیت کا
 یقین دلاتا ہوں تو میں ان پر کوئی احسان نہیں کر رہا
 میں اپنا مستقل نقطہ کر رہا ہوں۔

”اللہ انھیں باپ پر چلتا ہے تو چلو جھیں اپنی
 زمینوں اور باغات کا ہی چکر لگواتا ہوں۔“ وہ اٹھ کر
 ہاتھ جھانے ہوئے ہوا۔
 ”ایک تو یہ بات بھی اچھے سے اور آرام
 سے کرتا ہے کہ ہندو غصہ بھی نہیں کر سکتا۔“ جبر
 ہوتے اس نے سوچا اور کھڑی ہوئی۔
 ”میں تیار ہو کر آتی ہوں۔۔۔۔۔“ آہستہ سے کہہ
 کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆☆

”انتساب کچھ ہو گیا اور آپ نے مجھے بتایا ہی
 نہیں۔۔۔۔۔ اللہ اب کیا ہوگا۔“ ملک صاحب نے ان
 کے بے حد اصرار پر ان کو بتایا کہ ان کا برکس بائزر
 اور بے حد ترقی دوست ملاہوں کا نہیں کر کے ملک
 سے فرار ہو چکا تھا۔ کئی کے ڈسری آؤ رڈز کی ادائیگی
 واجب الاءا بھی کر چیک میں پھونکی کوڑی بیانی نہ
 پھونکی کی اس نے۔۔۔۔۔ جوائنٹ اکاؤنٹ تھا کبھی کا
 دونوں کے فنی فنی پر سند شیئر تھے۔ ملک
 صاحب کی غیر موجودگی میں وہ اور صدیقی صاحب کی
 عدم موجودگی میں ملک صاحب آرام سے سب
 سنبھال لیا کرتے تھے۔ کئی ٹیکسز در درجن کے گھر
 کا چھلوا اس کبھی کی نوکری سے چلن تھا اس ماہ نام کی
 تنخواہ دینے کے لیے بھی کچھ نہیں تھا۔

”مجھے دو ماہ پہلے اس کے انداز کچھ کھلے تھے“
 عجیب سا ملک تھا اس کا انداز پھر میں نے کبھی کے
 اکاؤنٹ سے ہماری رقم نگاہ نے راستہ کار تو اس
 نے مجھے مطمئن کر دیا تھا پھر میں بھی مصروف ہو گیا

قارض کے جانے میں سارپ کی شادی کے موقع
 پر۔۔۔۔۔ پھر کچھ سال کا ساتھ تھا ہمارا کبھی کے کئی
 طرح کے کراس میں ہم ساتھ رہے۔ ایسے دنوں
 میں تو یہ ساتھ اور مضبوط ہوا تھا۔ زیو سے ساتھ سڑکا
 آغا نکلیا تھا۔ اب اس نے اس کی جوت لگائی ہے
 کر دے تو کبھی جاری ہے نہ سنبھالی جاری ہے مجھے تو
 یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو ٹیک اسٹینٹ منٹس
 نگاروں میں تو چاکا کر پانی سر سے اوپر گزر چکا ہے۔“
 وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے جب کہ سڑ
 ملک ہاتھ پر کھینکے لیے کبھی ان رسی میں ان کا انداز
 نہیں تھا کہ مسئلہ اتنا بڑا اور پیچیدہ تھا تو جب سے ان
 کو اچھا ہوا اور کبھی بھی کبھی نہیں گھر کی برکس کی
 چھوٹی کھڑکی سے دیکھتی تھی اور جب قارض سے ہد
 کرنے کا کہا تو وہ ہچکچا گیا۔

”میں۔۔۔۔۔ میں کیسے کوئی سیپ کر سکتا ہوں
 ماما۔۔۔۔۔ میں یہاں خود بیٹھ کر ماما ڈھکے ہوں۔ بے حد تمکا
 دینے والے اخلاقی قائم کے بعد میں اور شینا جاب
 کرتے ہیں پھر جا کے کبھی ایک اچھی زندگی کا تصور
 میں سکتا ہے۔ اور اگلے کا اپنا ہسپتال بھی نہیں ہے یہاں
 آئی ہے غلط بیانی کی کسی سواب الائی جاب اور لیوچ
 کے لیے خیر خیر ہو کر کرنا ہو گا پھر آپ کے روز روز
 کا کرنے کی ڈیماڑ سے بگے ہوں۔ یہ پاکستان
 نہیں ہے جہاں سب لوگ ہاتھ پر ہاتھ مگر مگر
 فضل میں ہونے نہیں کرتے نظر آتے ہیں جہاں ایسا
 سوچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ میں تو صوبہ پر ہاتھ کرنا
 پایا ہے مجھے یہاں کچھ کرنا ہی چاہیے۔ مجھے ہی
 الحال آپ کی فاضل صورت (محاشی سہارے کی) کا
 احوال دہر دست ہے۔

بابا سے کئی کاؤں والی زمینیں بیچیں یا کچھ بھی
 کر میں مجھے ہر ماہ روپے چاہئیں کچھ خرچ کرنا۔ جب
 تک میں خود اطمینان نہیں ہو جاتا۔۔۔۔۔ سڑک لے کر تو
 اسے باپ کی مشکل بتانے کے لیے فون کیا تھا اس
 کے اسے پاس انھیں سامنے کے لیے مجھے جیروں کی لمبی

داستان کی اور جب انہوں نے اسے یاد دلایا کہ ملک صاحب کی گاڑی میں دیشیں تو وہ جب ہی بچ تھے تھے جب وہ سب کچھ سمیٹ کر شہر پہنچ گئے تھے اور بڑی اسٹارٹ کیا تھا۔

”تو مولوی سے کہیں ناں..... آخر کو بیٹا ہے وہ بھی آپ کا.....“ مجھے چند دنوں تک رگ رہا ہے ماما..... ”کہہ کر اس نے فوراً لائی کاٹ دی کی سسر ملک بس سوہاگل کو دیکھ کر بھی.....

☆☆☆

اس کی خواہش جان کر وہ اسے اس دن زمینوں پر لے گیا تھا اور اس سے اسے بچنے اس نے فارم ہاؤس کا پرگرام بنالیا تھا۔ چاہا جاتی کہ علاوہ ٹینس اور ایک اور ملازمہ بھی ہر ماہ کی جب کہ شہر میں کچھ وہ ملک صاحب اور سسر ملک کو فون کر کے آنے کی دعوت دے چکا تھا۔ پرورش اگرچہ دل میں ایستے لوگوں کے ساتھ جانے میں کوفت محسوس کر رہی تھی۔ شہر والوں کے آنے پر چاہا جاتی اور سارے خوشی سے مل اٹھے تھے کیونکہ وہ لوگ تو سالوں کرنے کے بعد بھی بہت ممت آپا آتے تھے۔ محض آدھے گھنٹے میں وہ لوگ فارم ہاؤس پر موجود تھے۔

وہاں پر موجود ملازمین کو شاید پہلے سے ہی بدایات میں اس لیے دیکھ کر مختلف بچاؤں کی خوشبوؤں نے ان کا اشتیاق کیا تھا۔ بہت خوب صورت فارم ہاؤس تھا وہ ایک ٹیکس ہاؤس کے تمام تقاضوں پر پورا اُڑتا تھا۔ پرورش کی دیکھ کے لیے وہاں بہت کچھ تھا۔ سوئنگ پول، مگھڑوں کا شادمانہ اسٹبل اور سب سے بڑھ کر پاکستان سے ہر کوئی سے منگوائے گئے گالوں کا ایک خوب صورت سائیکل قطعہ جس کو دیکھ کر وہ خوشی سے پاگل ہوئی تھی۔

جب سارے ملازمین کو کوئی درایت دے دیا تو سسر ملک غیر محسوس طریقے سے اٹھ کر اس کے پیچھے آ گئیں۔ اتنی خاموشی سے کہ ملک صاحب جوابی بھائی اور ماما بھی سے ہاؤس میں مصروف تھے کوئی نہ جانتا

چل سکا یا پھر وہ اسے دنوں بعد مل رہے تھے اس سے کہ اس وقت وہ اپنی ذہن کو اس خوف ناک پریشانی سے آزاد کر رہے تھے جس نے کچھ دنوں سے ان کے دماغ کو اس طرح بیکار رکھا تھا کہ ایسے لگتا تھا جیسے ان کے دماغ بچت جائے گا۔

”اماں! آپ دنوں اتنے دنوں سے یہ پریشانی برداشت کرتے رہے اور مجھے بتایا نہیں۔“ اولاد و انسان ایسے ہی موقعوں کے لیے آگیا ہے بابا اور آپ ایسی حالت میں اور فائن وہاں انگ پریشان..... میرے خدا میں اتنا غافل کیسے ہو گیا تھا؟“ سسر ملک کی زبانی حالات کی تکلیف سن کر وہ اپنے ہالوں کو مقبوض سے فوج کر رہ گیا۔

”ارے ارے..... بہت ممت ایسے پریشان ہو اور اپنے پیچھے کے سامنے اچھے ذکر کرتا ہے نہیں کہیں سے اور بچ چلا۔“ انہوں نے تم سے ذکر کرنے سے مجھے بھی سے منع کیا تھا۔“ اسے اندر پریشانی میں دیکھ کر خود اس کا ہنسنے ہو گئیں اور جلدی سے بولیں۔

”آپ سے فکر ہیں اماں اور ہمیشہ یاد رکھیے گا کہ آپ کا کوئی مسئلہ آپ کا نہیں میرا مسئلہ ہے اور اسے حل کرنا آپ میری ذمہ داری ہے اور ہاں.....“ فائن سے لیے لیے تم میں آپ کو آج کی وقت دے دوں گا آپ سے فوراً سمجھ جائیں اور جلدی مجھے اس کا کوئی نمبر اور ہائی کی نصیحتیں بھیج دیجیے گا اور اس کی طرف سے یہ لگ رہا ہے کہ.....“ اس کے اس طرح کہنے پر سسر ملک کو منوں بوجھ اپنے سر سے جتا محسوس ہوا۔

انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی روشن پیشانی پر چم کر اسے خوش ہونے کی دعا دی مگر ساتھ ساتھ وہ اپنی اس سوچ کو کھلی جامہ پہنانے کے منصوبے پر سوچنے سے باز نہ آئیں کہ کس بہت ہو گیا..... اب ہی تو جوان بیٹے کی کمانے سے فائدہ اٹھانے کا وقت

تھا۔ سوسے جلد اس شہر آ جانا چاہیے۔

”مجھ میرے کہنے پر عمل بھی کیا یا بچوں کی طرح ان دنوں پر ہی خوش ہو گئی ہو سسر ملک سارے کے دھوکے سے مطمئن ہو کر پرورش کے لیے آئی تھی جو پچھولوں بھری بیچ کے پاس لیے لیے جموے لینے میں تھی۔“ انہیں آتا دیکھ کر اس نے زمین پر پاؤں لگا کر جھول لگا کر دیا تھا۔

”مجھے تو خود آپ کے بیٹے کی بھینس آتی آ جا نہیں تھی سسر ملک! اس کے اندر.....“ چاہا چاہی اس کے والدین کی جگہ..... مجھ سے تو چلو محبت کرتا ہے کیونکہ ہوں اس کی سرکار سے جہاں کا درد اس کے دل میں آتا ہے۔ کیا جانور کیا ملازمین..... پیر پوروں سے بھی ایسا والدین محبت کے مگر جہاں وہ جانتے ہیں کہ اتنی محبت ایک انسان کے اندر کیسے آ سکتی ہے۔ اتنی خوشگلی ہوں کہ کوئی ایک بات ہو جس کا بہانہ بنا کر بھگوا کر کے خفا ہو جاؤں گے وہ سوچ و سبب ناں..... بہت بات پوری منہ سے لکھنے سے پہلے ہی پوری کرتا ہے اور مجھے نہیں لگا کہ وہ اس زمین اور اس کے لوگوں کو میرے لیے چھوڑے گا مگر بھی نہیں اور اب تو مجھے لگتا ہے کہ اسے کو اپنا عادی بناتے بناتے میں خود اس کی عادی ہوئی جارہی ہوں.....“ ”مجھ سے دیکھئے یہ چہرہ ہے وہ اپنی اپنی کیفیت کے بیان کر رہی تھی جو خود اس کی سمجھ سے باہر تھی۔

”دیکھو! گدا کی تو قوت ہے مگر کم ہے پر چرٹ لگانے کا.....“ انہوں نے جتنی آگے گھسے اس کے جھنگل کرتے چہرے کو دیکھ کر سوچا۔

”خبردار جو خود کو اس کا پاس جگہ کا عادی بنانے کی کوشش کی تو“ ”عجب حیرت کن ہے محبت اور یہی آپ نے اندر بٹھائی ہے؟“ سسر ملک نے کہا۔

”انسان کو..... اس کی اسیری میں آگئی تو اسے خواب بھی پڑے نہیں کہ پاؤں کی.....“ ”کسی چند ایک دن میرے سر“ اسے پوری طرح بھی میں گھر پر بیٹھے ہی میں ہوں چلی آتا میرے پاس۔ میں دیکھتی ہوں کہ کیسے نہیں

آئے گا وہ ہمارے پیچھے۔“

پرورش انہیں گھولنے کے لیے اس کا رنگ بدلتا چہرہ اور لہجہ دیکھتی چلی گئی اور محبت جس نے ابھی ڈرتے ڈرتے ہی ”لو کھڑا کر ہی بھی اس کا دامن تھا تھا“ خوف زدہ ہو کر ایک بار پھر اپنا پلہ چھڑائی غمازی دور کا لکڑی ہوئی۔

☆☆☆

”..... یہ کیا ہے سارے؟“ انہیں کس نے بتایا اور..... اور اٹھاؤ بیٹا..... یہ.....“ جب میں نے بحیثیت والد اپنے کوئی فرائض تمہارے حوالے سے پورے نہیں کیے تو میرا خیال کہ میں تم پر کوئی حق بھی رکھتا ہوں.....“ وہ انہیں اپناش فارم دکھانے کے بہانے بنا کر لے آیا تھا جو ابھی جھپٹے دنوں ہی یہاں بنایا گیا تھا۔ فائن نے اسے اسے ہماری قوم کے بچہ سامنے دکھا کر کہا تھا کہ اسے بچہ سمجھنے سے نہیں ایک لفظ کہے یہ قبول کر کے ٹیکسٹری ور کر گئی تھیں اور واجب الادا رقم جو آرڈر کے سلسلے میں تھی ادا کریں۔ ہائی کے مسائل بعد میں دیکھیں گے۔ ملک صاحب چوکی کسی بھی بات کا تصور نہیں کر سکتے تھے ان کی آنکھیں میں سادہ ہو گئی تھیں۔ انہوں نے آہستہ سے وہ تینوں چیک اس کی کی جانب دوبارہ کھسکا کر پھرانے ہوئے سب سے لگے کیا تھا۔

”اس کا مطلب میں بالکل ٹھیک سمجھتا ہوں کہ آپ نے جب مجھے چاہا گاؤں سے دھاتا تو مجھے اپنی زندگی کے نکلا ہی تھا۔“ ”آپ نے دل اور قوت سے اپنی باہر کر دیا تھا اور نہ والدین کریں یا نہ کریں..... اولاد کا تو فرض ہے کہ وہ والدین کی فرماں بردار ہو ہر صورت میں اور بڑھاپے میں تو والدین کی خدمت کا اصل اجر ہے۔ میں ویسے ہی شرمندہ ہوتا ہوں کہ میں آپ دونوں کو ویسے خدمت اطاعت اور جبر گیری نہیں کر پاؤں یا نہیں کرنی چاہیے۔ بحیثیت ایک بیٹا کہ آپ دونوں یہاں آنے کو تیار نہیں آپ کا اپنا ایک سوشل سیٹ ہے اور میں اتنی تالی کو اس عمر میں چھوڑ نہیں سکتا کہ میں طویل پر اگر تھوڑی سی پورٹ

کر رہا ہوں کہ ہو سکتا ہے گل والدین کے سلسلے میں
بیکر میرے لیے زادہوا بن جائے اور اللہ راضی
ہو جائے تو آپ اس سے بھی انکاری ہیں اس سے
بڑھ کر اللہ کی ناراضی اور کیا ہوگی۔۔۔ اس کی سہری
آنکھیں جھلکانے لگیں۔ ملک صاحب کچھ بولنے
کے قابل نہ رہے تھے انہوں نے سچ کر اسے سنے
سے لگا لیا۔

”تم بھی اولاد تو انعام ہے دنیا میں والدین
کے لیے خدا اس سلسلے سے پہلے بھی میرے اللہ نے
مجھے تمہاری طرف سے غضبناک رکھا تھا۔ اللہ چاہتا ہے کہ
جہاںوں کی کامیابیاں اور نصرتیں عطا فرمائے
آمین۔“

”اس تو پھر یہ چپک اٹھا کہ جب میں ڈالے
اور مجھے تفصیل سے بتا کر کیسے ہوا سب۔۔۔ کچھ
لے کر اس مظلومی کیفیت کے بعد وہ خود ان سے
الگ ہوا ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں صاف کر کے
اس نے پچک اٹھا کہ ان کے ہاتھ پر رکھے اور
مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

☆☆☆

دھوکوزی دہریلے ہی کر رہے میں آیا تھا جب
اس نے پرش کو حسب معمول باپ پر مصروف
دیکھا عواوہ قرآن پاک کی تلاوت جبری نماز کے
بعد ہمیں ہی کیا کرتا تھا نماز کا تاخیر سے آتے کھٹکتے
کے باعث نماز پڑھ کر ہی گھر آیا تھا کہ زمینوں پر
پانی کے مسئلے پر فوری بلاوے پر جا پڑا تھا۔
جب معمولی پرورش سے نماز کا پورا جماعت وہ نہ نہیں
آتی مصروف ہی جا جواب ہی نہیں دیا تھا۔ اسکرین پر
دوپٹی سے نظریں جمائے اس میں بری طرح منہبک
تھی تاسف سے ہر ملاوہ طراور قرآن پاک کو رطل
سیت لاکر بیٹھ کر رکھا ایک بار اسے مخاطب کر کے
آواز تم کرنے کو کہا۔

وہ جا بار دہریلے کرنے پر ہنسیا کر کچھ کہنے
والی تھی قرآن پاک کو دیکھ کر چپ چاپ لب باپ
بڑھ کر ہاتھ مائل اٹھایا اور پینٹری لگا کر بیٹھنا دے

سلسلہ دوبارہ جوڑ لیا تھا۔ گلوں میں ہی اس کی خوب
صورت آواز میں کی تلاوت میرے میں گونج رہی
تھی۔ سو فی اختتام پڑے ہو چکی تھی پرورش نے درواز
میں سے اپنا کھانا لے کر سامان نکالا اور بیٹھ کر ان کو
سے ایک لگا کر چپوں کو دھوئے گی تھانے کیسے اور کدو
بھلی آواز اس کی ساتوں میں اتر کر اس کے ہاتھ
ساکر گئی۔ شانوں پر ڈھلکا دو پٹا اٹھا کر سر پر رکھا
اور اسے دیکھنے میں اور کدو سے بے خبر تہہ کے
ساتھ اتر گیا تھا۔

”سنو ساراب تمہاری آواز تو بہت چارہ ہے
اگر تم سنسک کی دنیا میں آ جاؤ تو قیامت چاود۔ وہ
جب ادب سے قرآن پاک تلاوت میں لپٹ رہا تھا
اس کی بے پرواہیات پر طویل سانس لے کر رہ گیا۔
”اور تم یہ بھی تو کہہ سکتی ہو کہ اگر میں تحت
پڑنے کی کوشش کروں تو کیا کباب ہو سکتا ہوں کہ میں
خود کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ اس پاک ذات کی
تعریف کے قابل ہوں۔“ قرآن پاک جا کر اپنی
خصوص جگہ پر رکھا اور واپس آ کر اس کے برابر بیٹھ
گیا۔

”ہاں وہ لگا بات ہے لیکن ایک بات ہے کہ
تمہاری آواز بہت خوب صورت ہے دل پر اتر کر
والی۔“
”نہیں یہ اس کلام کا اثر تھا۔“ فوری جواب دیا
گیا۔

”تم بہت خوب صورت ہو ساراب امگر
تمہیں اس کا احساس ہی نہیں ہے پتا ہے میں تمہیں
تصور میں جب داڑھی کے بغیر اور اس عجیب سے طبع
سے منہ کر دیتی ہوں تو حس سے مراد دل خوش ہو جاتا
ہے۔ میں نے تو ایک تک تمہیں اپنی دوستو سے بھی
اسی وجہ سے اخروہ پوس (حشارف) کہیں کر دیا جب
ہی کر اؤں گی جب میرا گھانا گھانا گھانا گھانا گھانا
میں تبدیلی آگے۔ تمہاری عمر ہے ایسے بڑوں کی دلی
فضل تھانے کی اور ایسے کپڑے پہننے کی۔“
”استغفر اللہ۔۔۔ اور میں صرف اور صرف

تمہاری دیانت کے لیے دعا کرتا ہوں۔ کیونکہ جاننا
ہوں کہ تمہیں یہ قسم دیا گیا کہ کیا ہے کیا
غلط۔ کچھ کہیں میں نہیں اور کچھ کچھ کہیں
نظر ان کو پڑھ لیتا جو دیکھی کی دیکھی میں بندھی
نظر ان ہیں مجھے آج پردہ دن کے بعد۔۔۔ اس
کے کچھ میں ہے حد بندی کی نظر ان میں کمر پر دشا بھی
بھی اسے لے پڑا لی ہے بولی۔

”وہ۔۔۔ کس۔۔۔ میں نے خوش ہو کر کھولا تھا
ان بکس کو ساراب۔ کہ چلو چلو ہریت ختم کرنے کا
سامان تو ہوا مگر پتا نہیں کیا دوزخ ہے کہ احوال کھسے
تھے۔ خوف ناک مزا میں۔۔۔ کبھی بک کا پہلا بیج
پڑنے کی است ہوئی بس۔۔۔ ویسے یہ تمہیں خیالات
کے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی رحمت کا کبھی بھی نہیں
”اور تم یہ بھی تو کہہ سکتی ہو کہ اگر میں تحت
پڑنے کی کوشش کروں تو کیا کباب ہو سکتا ہوں کہ میں
خود کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ اس پاک ذات کی
تعریف کے قابل ہوں۔“ قرآن پاک جا کر اپنی
خصوص جگہ پر رکھا اور واپس آ کر اس کے برابر بیٹھ
گیا۔

”ماگل ہے مہربان۔۔۔ میرا سوچ ہے بڑھ
کر کمان کے زیادہ۔۔۔ مہربان لوگوں کے لیے جو اس
کی مہربانی اور رحمت کو ماننے کے لیے اسی کے
احکامات کی روشنی میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ہم سب
خیالات والے لوگ بہت برے لگتے ہیں تمہیں مگر
نہی سوچا کہ ہم صرف یہی کہتے ہیں کہ دنیا میں آنے
کے مقصد پر غور کیا کیا ہمیں صرف اس لیے بھیجا گیا
ہے کہ لاکھا۔۔۔ پو۔۔۔ میں کرواد رہے جاؤ۔۔۔

انسان کی یہ صراحت نہیں ہے اس کو دنیا میں بھیجے کا یہ
مطلب نہیں ہے۔۔۔ وہ چڑیائی ہو گیا اب کے طویل
سانس لینے کی باری پر دوش کی گئی۔
”تھمچا۔۔۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے
مولوی صاحب تمہیں پتا ہے اسکی باتوں سے مجھے
بہت خوف آتا ہے مجھے اتنا پتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
بہت مہربان ہے۔ اس نے ہمیں سلطان بنایا ہے اور
وہ ہمیں بارے ہی مسی اللہ علیہ وسلم کا اسی ہونے کی
وجہ سے بخش بھی دے گا۔“ وہ ایمینا سے بولی۔

”اور ہاں۔۔۔ آج سے ایک وعدہ کر کہ کدو
سامان تمہاری پسند کھانا کی کوشش کروں گی مگر تم
زیادہ بری پسند کھانا کدو کدو کدو کدو کدو کدو
فانی کی ریشو کدو رہے گی۔ اس کی بات سن کر
مجھلاہٹ کے باوجود اس کی آگئی۔

”اچھا تو میڈم چلاک صاحبہ! میری تمہاری
پسند میں بدلنے پر سچ کہیں اتنی زیادہ ہے؟“ اس
نے وہی سے چپیں کھان پر دھڑک دیا۔

”تم مجھ سے محبت جو زیادہ کرتے ہو ساراب!
اور تمہارے کب سے بقول تمہارے۔۔۔ میں تو سچ
بتاؤں تو تمہیں کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھی
فارزاد میں تمہاری باتیں اور اعزاز پاکر کہ بہت
جنا کر کرتے تھے بلکہ میں تو تمہیں اچھا خاصا اخی اور
بے خوف تھی۔۔۔ وہ تو تم سے شادی کے بعد پتا چلا
کہ میرے بہت سے اعزاز سے غلط تھے تمہارے
چالے سے تم بہت اچھے ہو۔ کیونکہ لوگ اور
انگل جٹ۔۔۔ کبھی تمہاری ان خوبیوں کو دیکھ کر ابھی
تم سے محبت تو نہیں ہوتی میرے وہ جٹو خیالات جو
تمہارے لیے ختم ہو گئے اور۔۔۔ وہ کہتے کہتے
دک۔

”مجھے لگ ہے کہ میں تمہیں پسند بھی کرنے لگی
ہوں۔“ پانی ساری تفصیل دواں میں بتاتے بتاتے
جیسے ہی خود کو پر خوش نظروں سے دیکھتے ساراب پر نظر
پڑا اس کی نظریں جھک گئیں اور لہجہ دھیمہ پڑ گیا۔
آج تو پر دھوکوزی کا مسانی بہت قریب نظر
آ رہی تھی کہ پہلے جن باتوں کو وہ شروع کرتے ہی ختم
کر دیا کرتا تھا اسے اب بھی جس کی کے نہیں کرنا
نہی گئیں اور جا کر رہتا ہے۔ آج کم از کم اس کی
پوری فریاض رعایاں سے سن لئی تھیں۔ ہاں یہ ضرور
جھولتی تھی کہ اگر اس کی باتیں غور سے سنی میں تو
بہت متاثر اور سنایا میں تھا جسے وہ جان کر ان سنا
کرتے پرتی تھی۔

جب کہ اس کی بے سرو پا سنتے اور اس کے
بالوں میں اٹھایا پھیرتا ساراب اب پر دوش کی

فرمانشوں پر کسی قدر تشویش کا شکار ہوا تھا کہ جن باتوں وہ اس کا بچپنا کچھ نہیں سمجھتا تھا یا کرنا تھا اس کی جڑیں یقیناً بہت دور تک پہنچی ہوئی یقیناً وہ ہے خبری میں اسے کی دفعتاً اپنی باتوں سے دو کھمچی دے جایا کرتی تھی مگر محبت کرنے والوں کے دل اسے ہی دستخیز ہوتے ہیں جسے چاہے جس کی ہر گواہی وسعت میں ہم کیے چلے جاتے ہیں۔

☆☆☆

”تم ایسا کرو جیکر ملازم میں کو ان کی تنخواہیں دے کر فرار کر دو میں نے تم دونوں کے لیے ایک چھوٹا سا مناسبت کھردھ لیا ہے گاڑی کی کوئی چھوٹی لے لیں گے۔ کل ایک پارٹی کھریچھے اسی ہے۔“
”فدا کے لیے چپ کر جائیں ملک صاحب“
کیا کہہ رہے ہیں..... اب تو سارے مسئلے حل کر دیے سارے بھگنیں اٹھ کر اٹھ کر دھکائے ادا کی باتیں کیے جا رہے ہیں..... تو یہ سیر سے تو ہول اٹھنے لگے انکی دیر میں ہی.....“ وہ جو چہرے پر نابت کریم لگا رہی تھیں تپ کر لٹک صاحب کے پاس آئیں۔
گاؤں سے آنے کے بعد نئی دن تو ملک

صاحب کے بعد مصروف گزارے تھے بہت سے مصروفی اور نینا نے واسلے امور تھے جو ٹیکسٹری سے متعلق تھے جب کہ وہ ادنیٰ دن میں ملٹین ہوئی تھیں کہ پلو ایک مسئلہ تھا جو ملٹین ہوا کر آج یہی بات سن کر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

”یہی حقیقت ہے اس کو جتنی جلدی حلیم کرلو تبیکر اچھا ہے۔ وہ طرف سے کسی خالی کر کے کیا ہے در کرزی اس کا ہاں تھا وہیں ادنیٰ ہی میں ٹیکسٹری سے جتنا روپے باہر نکالا گیا ہے اس سے اس کے دیوالیہ ہونے کے چانسز ہیں۔ اس لیے میں نے اس کو فروخت کرنے کا فیصلہ کیا ہے مگر جو مال ہم نے آڈر کیا تھا اس کی رقم ابھی مجھ پر واجب الادا ہے۔ میں بار بار بیٹنے کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مزید نیک نیاں ہو سکتا اس کھر کی بابت آئی ہے کہ میں وہ قرض بھی ادا کر سکتا ہوں اور کچھ سیوٹک بھی ہو جائے گی جب

تک کے لیے جب تک میں اپنا کوئی ذریعہ معاش نہیں تلاش کر لیتا۔ ساری ذمہ داری عورت کے کھاتی ہے اب اس عمر میں مجھے بے کار بیٹھ کر ادا دہرے نہیں بننا جو چیز ضرورت سے بڑھ کر ہو وہ اسراف دے رہے ہیں آئی ہے مگر تمہاری بھجھ میں یہ بات آئی ہوئی تو آج میں اس حالت میں یہاں بھٹاؤ نہ رہا ہوتا۔ لاکھوں اڑانے ہی تم نے اور تمہارے بیٹے نے نہیں سوچا کہ وقت پر ایک کے لیے سدا ایک سا نہیں رہتا۔“ وہ بولے تھے جب کہ مسز ملک ٹیکسٹری کی صورت دیکھ رہی تھیں۔
”ہاں..... اب کی بار کسی بھی بات کی بھٹک ساراب تک پہنچی تو جان لینا کہ میں تمہارے لیے مریگیا۔ میں اسے خودی ملٹین کروں گا بھی نہیں کچھ حالات کو اسے حق میں کروں پھر..... ابھی دینے ہی تم ازم چہرہ کو اٹھ کر اس کا چکر گھٹنے کے امکان کم ہی ہیں کہ فعل کی ہوائی کے دن ہیں اس وہ میں مصروف ہے۔“ انہوں نے سمجھ کی تو مسز ملک نے مرے مرے انداز میں سر ہلادیا کیا مگر ذہن تیزی سے کوئی تانے بانے بننے میں مصروف تھا۔

☆☆☆

گناہ کے فوراً بعد ہی دو میٹروں پر چلا گیا تھا پھر وہ تین کھٹے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ناشا کرنے کے لیے آیا تھا کھر میں شمیم ہی تھی پوچھنے پر پتا چلا کہ چاچا اور اجائی ساتھ والوں کے کھر جانجی کی ہوئے کی مبارک باد دینے گئے تھے۔ ناشے کا کہنا وہ اپنے کھر کے چاچا کی اجاب آ گیا وہ سب معمول کھر کی نیند کو نظر آئی ساتھ ہی بیڑا سا بیڑ پر موٹا لون زور و شور سے چلتا تھا آبا سر جھٹکتا ہوا وہ آیا اور موہاں اٹھایا۔

”اس کو نہیں پتا کیا کہ ان کی لاڈلی دیر تک سوئی ہیں جو اس ناگم لون کر رہی ہیں۔“ بڑا دتے اس نے تیس کا جھنڈا کر موہاں کاں سے لگا دیا اور خود بیڑ پر بیٹھا۔
”کچھ بھی بولے بغیر میری بات غور سے سنو

پر کیا میرے خیال میں اب وہ وقت آ گیا ہے جب ہمیں اپنی پانچ بھول کر لینا چاہیے۔“ انکی اس نے سلام کرنے کے لیے نہ کھولنے کی تھا کہ جلت اور ششی لے کر جوات گئی انکی اس نے ساراب کو چھوڑ دیا۔

”بس اب ساراب کا یہاں خیمہ آنا کر پھر پوچھا ہے پر کی اب تمہارے کل کرنے کا وقت ہے فوراً ہی کسی بات کا بھانہ کر کے اس سے بھگوا کر اور چل آؤ اور پھر اپنی تمام شرائط اس کے سامنے رکھ دیا کہ اگر وہ ان کو مانے تو ٹھیک دو مہینہ طلاق دے کیونکہ میں تو اپنے باول میں روکھی ہوتی ادنیٰ کی طرہ یقینوں کو برداشت کر سکتی ہوں۔ میں جانتی ہوں اپنے خاندان کے مردوں کو انکی بات کے سننے ہی اسے یہاں آنا ہی ہوگا پھر ایک دفعہ وہ کیا تو اسے اس باول کے مطابق دھانسا تمہارے لیے مشکل نہیں ہوگا مگر ہم کون سا سہ اسے یہاں نیک کر لیں گے۔“ آتا جاتا رہے گا سچے چاچا کیے پاس چند تھاکے بھول گئے کہ وہ کی اور کی اولاد ہے بھرے پرے گاؤں اور کھر میں پیٹھے ہیں۔ ہمیں اپنی اولاد کی ضرورت ہے ان دونوں تم آ جاؤ تو ساری باتیں پھر ہوں گی۔ بہت کچھ تانا بے ہمیں اور بہت کچھ بھجھانا ہے یہاں آؤ کی تو پھر تانوں کی کراب ساراب سے کیا اور کیسے کہنا ہے کہ وہ سب چھوڑ کر بھاگا چلا آئے۔“ وہ ابھی بھی کچھ کہہ رہی تھیں مگر اس سے زیادہ سننے کی بہت نہیں کی ساراب کے اندر سے تھارٹا سرخ ہوا چہرہ اور بیڈی شالی کی ابھری رہیں اس کے منہ میں کھسکے جاتے تھے قاصر میں انکی اس نے بے مدد پر دوش کو چھوڑ ڈالا۔

”گنگ“ کیا ہوا..... سوئے وہ مجھے نیند آئی ہے۔“
”غور۔ فوراً اٹھو۔ جنہیں ابھی شہر چانا ہے۔“ شمیم کو پتے اس نے اس کو بازو سے پکڑ کر زبردستی کھڑا کر دیا اب پر دوش کی آٹھیں اور حواس ٹھیک سے دار ہو گئے تھے۔

”کیوں خبر سے ساراب..... کیا ہوا؟“ انکل

آئی تو ٹھیک ہیں ناں.....؟“ اس کے پریشانی سے پوچھنے پر ساراب کچھ کے بغیر الماری کھول کر اس میں سے ٹیکشوں اور سفید چادر نکال کر بیڑ پر رکھی۔

”خورا باہر آؤ۔“ میں باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“ بے حد سنجیدی سے کہتا وہ باہر چلا گیا۔ کچھ مختار سے ہوئے اس نے جلدی سے چادر اور مٹی دراز کھول کر اپنا چٹا بیک اٹھا کر اس میں موہاں ڈالا اور کھر سے باہر نکل آئی۔

ناشتے کی فرسے لے کر تھے ہوئے شمیم چران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی کہ زندگی میں جیکل بار ساراب نے ابھیادہ کر لیا تھا اس کے کہنا تھا کہ ناشے کا کھینے پر وہ کوئی جواب دینے بغیر باہر چلا گیا تھا اور اب اس کے باکل پیچھے پریشانی میں تھی پر دوشہ کچھ کر اس نے اپنا سوال دہرایا کہ انکی ج ناشے کے بغیر وہ کہاں چلے ہیں اور پر دوشہ تو بے یے بلا زموں سے ہاتھ کرنا کچھ خاص بھند نہیں کرتی مگر ہی سو جواب دیے۔ بغیر کھٹ گئے سے باہر چل گئی۔ گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز پر شمیم ہوش میں آئی اور ناشے کی فرسے چادر پائی پر رگھی مہاسیوں کے کھر چاچا چاچا کو بلائے بھاگی تھی۔

☆☆☆

گاڑی کی اتنی زور دہار اور ساراب کا ایسا رویہ..... پر دوشہ بار پوچھنے کی کوشش کر چکی تھی کہ کیا ہوا..... وہ کیوں اسے کھر لے کر جا رہا ہے مگر ہر بار اس کے ایسے کی تشویشی سوال پر اس کا چہرہ مزید تن چاتا اور اسٹیرنگ پر ہاتھوں کی گرفت اتنی مضبوط پر جاتی کہ کہیں ابھری نہ گئی۔

”تمہاری خواہشات اور خواب جن کو میں تمہاری ساری ادنیٰ بچنا کچھ کھر نظر انداز کرنا رہا وہ معصیت نہیں کی تمہاری..... کار کی۔“ پلانک کی مجھے میری جڑوں سے اٹھنے کی جس میں بدعتی ہے میری کی ماں میں شریک کی۔ پتا نہیں کون سی معلومت پر دوشہ ہے اس آڑ میں کہ زندگی میں درد انتہائی قریبی رشتے جو قدرت نے مجھے دان کئے

دووں ہی غرض کی غلامدار تاروں سے بندھے ہوئے
 ملے۔ ”غیر کے قریب آتے ہی اس نے سنجیدگی سے
 کہا شروع کیا پرورش حیرت اور ناہمی سے اسے دیکھ
 کر کہہ گیا۔ اسے ابھی تک نہیں پتا چل پایا تھا کہ یہ کون
 کھڑا تھا۔

”اکیاں اور تمہاری خواہش کے پیچھے محبت ہی
 کارفرما ہوئی تو ہوسکتا ہے میں کوئی درمیان کاراستہ
 نکال ہی لیتا کہ چاہا جاتی اور میری زندگی متاثر
 ہونے بغیر میں بقیے میں دودن ہی سکا شہر میں گزار
 لیتا۔“ وہ ماییت سے بولا پرورش نے منہ پر ہاتھ رکھ
 لیا۔

”اسے کیسے پتا چلا؟“ پہلا خیال ذہن
 میں بھی آیا۔

”مگر انفسوس..... جنہیں میری شکل وصورت
 میں ایک ذی چاہنے کی جتنی پرمی کر سکی کی زبان کلاس
 اور انداز میں وحال کرتی اپنی دوستوں کے سامنے
 پیش کر کے اپنی اس احساس کمتری سے نجات پانا
 چاہتی تھی جو تب سے ہی تمہارے سے اندر گڑا تھا جب
 سے تم نے اپنی زندگی شہر کا شروع کی حالانکہ انسان
 کو اپنے اصل پر فخر نہ چاہیے شہر ماری نہیں

آپ چند یاد ہو..... سب سے پہلے کہ
 دلوں کو توڑنے والے نگاہ ہو..... اس پر تو چچھڑاؤ
 اس کو تو چھڑاؤ..... آپ بہانی ہو..... زندگی دینیے
 گزارنے کو جیسے آپ کے تخلیق کرنے والے نے
 علم دیا ہے۔ اس طرح نکل پر شرمنا بھی میرے نزدیک
 گناہ ہے۔ ایسے ہی میری اس بات اسے بیٹے کی کٹھ
 سے پوری کرنا چاہتی ہے اس کے لیے اس نے محبت
 سے ایک بار پکارا ہوتا میں قربان ہو جاتا مگر انہوں

نے سازشوں کے جال بچا دیے ایک کے بعد
 ایک..... میں کیا کروں کہ ان کو کچھ بھی نہیں کہوں گا
 کیونکہ میں اب کوڑا آف کیسے کی بھی اجازت نہیں
 مگر تم نے میرا بدل ہی طرح توڑا ہے پرورش!
 میرے جذبات سے علیحدہ اس پر ہی طرح سے کہ میں
 اپنے آپ تک بہت ناہوش و سرکوب ہوں۔“

”نہیں ساراب..... تم غلط تھے..... پتا نہیں
 کیوں پرورش کی انکھوں سے آنسو آ گئے۔

”اب ہی تو مجھ سمجھا ہوں..... بہت غلط کیا تم
 نے پرورش..... بخیر نام شادی سے انکار کر دیتیں مجھے
 دکھ نہ ہوتا کہ میں اس کے لیے تیار تھا۔ تم نے تو بہت
 برا کیا بہت برا..... میں جنہیں بھی صاف نہیں
 کر پاؤں گا۔ جاؤ..... میری طرف سے تم ابھی سے
 آزاد ہو.....“ اس کے ٹوٹے لہجے سے زیادہ پرورش کو
 اس کی بات نے ہلا دیا۔

اس نے بیش متنبہیں نکالتا اور اپنے لاڈ لٹا
 ساراب دیکھا تھا۔ یہ تو کوئی اور ساراب تھا۔ پٹ کھایا
 ہوا مگر بے حد مضبوط اس چٹان کی مانند جو بظاہر بہت
 سخت اور پتھر جی نظر آتی ہے مگر اندر ہزاروں آتش
 نشتاں سے ہوتے ہیں۔ وہ ہاتھوں میں منہ چمکا کر
 پھوٹ پھوٹ کر رو رہی۔ گاڑی اب ملک صاحب
 کے مگر کے ہاتھوں سامنے رکھی گئی۔

”تم اندر چلو ساراب..... میں..... جنہیں سب
 کچھ بتاتی ہوں یہ سب سچ ہے مگر ایسے نہیں جیسے تم سمجھ
 رہے ہو؟“ جیسے ہی اس نے پتھر لیے لیجے میں
 اسے اترنے کو کہا خواص باختہ ہو کر وہ اس کا بازو قاع
 مٹا۔

”اتر دو پرورش اس سے پہلے کہ میری زبان سے
 کچھ ایسا ادا ہو جائے جس پر ہم دونوں کو چھٹاؤ
 بڑے.....“ سیدی سڑک پر بالکل سامنے ٹھہر
 جاتے اس نے پہلے بھی کہا کہ پرورش نے اس کا
 بازو چھوڑ دیا اور اسے نوبہا لائی ہوئی گاڑی سے اتر کر اوہ
 کھلے کیٹ سے اندر چلی گئی۔ ساراب کے سنے
 اعضاء ڈھیلے پڑے اور اس نے طویل سانس لیٹے
 گاڑی اشارت کر دی۔

☆☆☆☆
 ”یہ وہ فلائی آئیے دینی ہوئی آئی کیجئے
 ڈرا دیا! اچھا ہی ہوا اسے پتا چل گیا اچھا ہی ہوا
 ناں..... اب دیکھائیے وہ پاتا ہے تمہارے پیٹھ“
 جیگیوں کے سچ اس نے جیسے ہی ساری رات دو سڑک

کوسائی دو الفاظ خوش ہو گئی تھیں۔

”آئیے آئیے وہ دھبے میں تھا“ اس کو بہت برا لگا
 تھا مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا ہو رہا۔ اس کی
 حالت اور الفاظ یاد کر کے وہ بے چین ہو گئی۔

”میرے میری جان بچی تو محبت کی زنجیر ہے
 جس نے تم دونوں کو باندھ لیا ہے جس کے ایک
 سر سے تم اور ایک پر وہ ہے۔ اب تم کسی ماہر کلاڑی
 کی طرح اپنے سرے پر مضبوطی سے قدم جماؤ اور
 پوری قوت سے اسے اپنی طرف کھینچ لو۔“ وہ کمر لائی
 جیگیوں جب کہ زنجیری میں پھنسا ہوا پرورش کو ان کی باتیں
 سبھی نہیں لگ رہی تھیں پھر وہ اس کے کان پر جھپٹتی یہ
 کہہ کر اٹھ گئی کہ وہ ناشتا بخجالی ہیں وہ آرام کرے
 پھر بات ہوگی۔

☆☆☆☆
 پھر ایک بیٹے کے اندر اندر ملک صاحب نے
 گھر اور گاڑی فروخت کر کے ایک چھوٹا سا دو کمر
 کا گھر خرید لیا تھا۔ تمام ملازمین کو جواب دے دیا گیا
 تھا۔ جیگیڑی کے واجبات ادا کر کے وہ بھی فریاد
 ہو چکی اور اب جو جیگیڑی کے مالک بنے تو وہ چونکہ
 ملک صاحب کے سامنے والے تھے اور کسی حد تک
 تمام حالات سے واقفیت بھی رکھتے تھے تو انہوں نے
 ملک صاحب کو درخواست کی کہ اپنی کڑی امانت وہ اس
 جیگیڑی کی سینیئر سپروائزر کے فرائض انجام دیں۔

ملک صاحب اسی جیگیں مطمئن تھے ان کا دباؤ اب پرورش
 کی طور پر مطمئن نہیں تھا۔ ملک صاحب نے پرورش
 پر بڑھ چکا تھا کہ کسی طرح ساراب کو یہاں آنے پر
 آمادہ کرے اور ان تمام مسائل کا ذکر کرے..... کیونکہ
 جیگیں وہ آرامی وہ زندگی جو بہت عرصہ سے وہ ڈروائی
 آئی تھیں اس سے کنارہ کش ہونا خاصا مشکل امر تھا
 پھر ساراب جیسا وہ در انسان کہ اس باپ کو کسی
 کسمپرسی میں دیکھ جائے اسے جلد اس کی آمد
 چاہتی تھی مگر پرورش بہت ڈری ہوئی تھی اس دن اس کے
 بعد اور شرمندہ بھی اس نے ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ
 کر کے انکس دال تھا۔

آج کل بپا نہیں چھتا ہے اس کے عقاب
 میں سے کہ ساراب کی یاد آتی رہا تو درجہ درجہ اس کو وہ ہر
 کام میں مصروف رہتی تھی ابھی اس کی کوئی زندگی بات
 یاد آ رہی تھی۔ تمام کر رہیے راستہ روٹی کر آ گئیں ہر
 آئیں۔

☆☆☆☆
 ”مگر عمل ہو گیا گاڑی کب گئی کیا کرتے
 پھر رہے ہیں یا پاپا! جیگیں اچھا ہی ہو گیا آپ ایسا کریں
 اب تو سارے برہنہ ہو گئے ہیں تو مجھے اس کے
 منہ میں سے آدھی سمجھو گئے۔ سن گاڑی میں
 لیے پیسے بک کر کے مر رہا ہوں۔ یہاں آپ لوگ
 عیش کر رہے ہیں حالانکہ وہاں تو آپ کا انجان چاہی
 نہیں ہے۔“ اس کی پوری بات سے بغیر وہ غی سے
 بولا تھا جب کہ سڑک کے زنجیری میں پھنسا ہوا اس کی
 بے بسی کو شہت سے محسوس کیا تھا۔

”جیگیں ہم ہمیش میں دکھائی دے رہے
 ہیں فارض! میں دوشتر کی زنجیری سے نکل کر ہم
 سڑکوں پر آ گئے بیٹا! بیٹے سے کوٹھری کا سطر لے
 ہے تمہارا باپ اس جیگیڑی میں ایک دوڑ کر حیثیت
 سے جاتا ہے جہاں اس کا وہ لگتا ہے کہ تمام کام کرتا
 تھا۔ بس سفید کپڑی کا ایک بھرم ہے جس میں کھجور
 بیٹھے ہیں۔“ وہ تو ساراب کی مدد سے جیگیں دوڑ کر
 کھینچا تھا وہاں وہیں دوڑ کر گھر اور گاڑی کی لٹائی گئی
 کوگی۔ تمہارا ماہیہ خرچ مجھے ہی ساراب ہی بخجور رہا ہے
 تمہارے لیے ہم سارے بے اختیار ورنہ وہ تو قیامت
 ڈھا دیں گے..... جنہیں میں تمہارے عیش لگ رہے ہیں۔
 مجھے تو تمہیں وہاں بیٹھنے کا اپنا فیصلی غلط لگ رہا ہے
 تمہارے چارہ نام میں تم اتنے بدل گئے ہو کہ اس باپ
 سے دکھ سے کہیں کوئی سر نہ لگائیں ہے۔ آگے جانے
 کیے حالات آئیں۔ تم تو بس امریکہ کے ہو گئے ان
 ہی لوگوں کو اپنا لاف خود کوئی ان ہی کے ہو گئے۔ میں
 تمہاری ضرورت سے فارض! مجھے پتا ہے کہ اتنی جلدی
 تمہارا آدھن میں کس طرح تو دے سکتے ہو اپنے الفاظ
 سے رابطہ ہی دوسروں کو یاد کر رہا ہے تو آپ ان کے

کہ یہ دو طاقت در چتر ہے جو بادشاہوں کا تختہ جیٹ
الٹ سکتی ہے۔ ابھی ڈیڑھ ماہ پہلے ہی وہ پورے
عسمرانی اور استحقاق کے ساتھ اس کرے میں اٹھی
بیٹھی، چٹائی کھائی اور سوئی تھی۔ چند الفاظ ہی تھے
جنہوں نے ان کی زندگی کو دورا رہے پر لا کھڑا کیا تھا
آج اس کے انداز میں استحقاق نہیں خوف تھا
شرمندگی بھی چھتاوے تھے۔

دورہ مٹنے کی آواز پر اس نے کانپتے ہاتھوں کو
ایک دروازے میں چھپ کر جھانکا وہ اندر آ گیا تھا۔
اس کو نہ دیکھ سکتی تھی اس کے معمولات ازبر تھے
یقیناً وہ اپنا کوٹ اتار کر اس کی مخصوص جگہ پر رکھ چکا
تھا! اس کے پاؤں پر دوش کی نظروں کی قید میں
تھے وہ اس کی جانب پیٹے کے کھڑاؤ پر دیکھ ٹیکل پر اپنی
کھڑی تار کر رہا تھا۔

”کچھ دن یہ پانچدہ ماہ ساتھ جیکر اور لوگ آپ
کو پھر برداشت کرتا نہیں گئے۔ حالات بدلے پر
قادر نہیں ہوں ورنہ ایک لمحہ بھی آپ کو اسکی جگہ پر نہ
رکھتے دیتا جس کے بارے میں اور جہاں کے لوگوں
کے لیے آپ کے دل میں کتنی نفرت ہمیشہ ہے جو
صرف میں جانتا ہوں۔“ سبقتو قدم بڑھاتا ہوا وہ
اس کے پاس بیٹھ کر اسی کے ہی ابراز میں آہیں
لگاتے پیٹے کھاتا پردوشے سے بیٹھی سے اس کی
طرف دیکھتا تھا۔

”مگر اگر یہ کہ بہت دن پہلے آپ کو اپنے
دل اور زندگی سے نکال چکا ہوں بس دائرہ زندگی سے
نکالنے کے لیے کجودت سے رہا ہوں تو اس لیے کہ
اس سے میرے بے حد پیاروں کو کھینچ کر اندر
سے لگیں میں کوئی ایسا راستہ بھی نکال ہی نہیں گا کہ
آپ جلد ہی اپنی ہی پسند زندگی گزار سکیں گی من
ساجی کے ساتھ جو آپ کی پسند کے تمام رنگوں میں
ڈھلا ہوگا۔“ کہتے کہتے دل کا سارا درد لے گئے میں سٹ
آیا یہ دیکھ بغیر کہ پردوش کا چہرہ آنسوؤں سے تر
ہو چکا تھا۔

”میری غلطی اتنی بڑی تو نہیں ہے ساراب کہ

اس کے لیے اتنی بڑی بڑی سزا کیوں منتخب کر لیں تم
نے.....“
”مظلمی کو سدھار مارا سکتا ہے پردوش لی لی اگر تم
نے غلطی نہیں کیا کناہ کیا ہے۔ میرے نزدیک دل تو توتا
گناہ کے برابر ہے اچانکے میں کیسے مجھے گناہ کی
معاف ہو جائے ہیں مگر جان کر ان کی غلطی کی کیا قابل
معاتی ہے۔ میں نے کہا ناں آپ کو گھر کرنے کی
ضرورت نہیں ہے آپ کے ادھر پر کوئی بات نہیں آئے
کی۔ باقی کیفیت تھوڑی سی سنبھلتی ہی آپ کو اس نا
جائے ہو مجھ سے چھٹکارا مل جائے گا جس کی بہت دور
تک پلاننگ کی گئی آپ نے.....“ کئی سے کہہ کر وہ
اٹھ گیا تھا مگر سالت ہو کر دکھ جانا پڑا جب وہ
ایک جاگ سے اس کے بازو کو تھام کر شدت سے روکی
تھی۔

”میں کرو ساراب! اعدا کے لیے کسی کرد و جن
کو خیر اور چھتاوے کی مارل جائے اسے نقصان سے
مارنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میں واقعی تمہاری
زندگی میں ایک عہد سے لڑائی کی فادش کے ٹکرائے
کا بدلہ اس کے دل میں کتنی نفرت ہمیشہ ہے جو
صرف میں جانتا ہوں۔“ سبقتو قدم بڑھاتا ہوا وہ
اس کے پاس بیٹھ کر اسی کے ہی ابراز میں آہیں
لگاتے پیٹے کھاتا پردوشے سے بیٹھی سے اس کی
طرف دیکھتا تھا۔

”مگر اگر یہ کہ بہت دن پہلے آپ کو اپنے
دل اور زندگی سے نکال چکا ہوں بس دائرہ زندگی سے
نکالنے کے لیے کجودت سے رہا ہوں تو اس لیے کہ
اس سے میرے بے حد پیاروں کو کھینچ کر اندر
سے لگیں میں کوئی ایسا راستہ بھی نکال ہی نہیں گا کہ
آپ جلد ہی اپنی ہی پسند زندگی گزار سکیں گی من
ساجی کے ساتھ جو آپ کی پسند کے تمام رنگوں میں
ڈھلا ہوگا۔“ کہتے کہتے دل کا سارا درد لے گئے میں سٹ
آیا یہ دیکھ بغیر کہ پردوش کا چہرہ آنسوؤں سے تر
ہو چکا تھا۔

”میری غلطی اتنی بڑی تو نہیں ہے ساراب کہ

”عبت“ نے تھا شامت نے مجھ پر ایسے شب خون مارا
کہ میں اپنا بچاؤ ہی نہ کر سکی۔ میں کبھی تم پر کسی بھی
اب خود پر خشنے کی گئی اپنی حالت پر ایسے دل کے
بدلتے پر جس نے مجھے ایک چاک دکھا دیا اور تمہارا
ہو گیا۔“ سسکیاں بھرتی ہو آئے یقین دلا رہی تھی
ساراب نے بغیر کچھ کے اپنا بازو دھیرے سے اس
کے ہاتھوں سے چھڑایا اور ایک طاقت بھری نظر اس
پر ڈال کر دو قدم دور کا کھڑا ہوا پردوش نے بے حد
حریت سے اس کی جانب دیکھا۔
”دیکھیں مجھ پر یقین نہیں آ رہا ناں..... میرے
الفاظ پر میرے آنسوؤں پر.....“ وہ بالکل اس کے
سامنے آ کھڑی ہوئی۔

”میں نے اپنی سب دوستوں کو تاراج کر میری
شادی تمہارے ساتھ ہوئی ہے میں جلد ہی ان کو
یہاں بلاؤں گی۔ خدا کی قسم ساراب! میں جرم کچھ
رنگ میں رکھنے چلی تھی اللہ نے تمہاری انکی عبت
میرے اندر اتاری کہ اب تم سے اچھا یہ کوئی نہیں
لگتا۔ تم ہو ہی اسی قابل ساراب کہ تمہارے ہی رنگ
میں خود کو رنگ لیا جائے جانتے ہو کیوں..... کیوں کہ
میری رنگ سچا ہے خالص ہے۔ مجھے اسے جیسا حال
ساراب! اس کے دلوں بازوؤں کو کھنکھو دے اور نام
سے اس کی بنا ہوں میں آئی اور اس کی گردن کے گرد
اپنے دونوں بازو جامل کر دیے۔ دوا کوساراب کی
سنہری آنکھوں سے نکلے اور اس کے سنہرے بالوں
میں جذب ہو گئے کچھ لمبے اس کی عبت کی سچائی
محسوس کرنے میں لگاتے۔

”تم سچ کہہ رہی ہو ناں پردوش! یہ بھراہی
فرمانیں پلاننگ کا کوئی حصہ نہیں ہیں بہت ٹوٹ
گیا تھا..... اسی تو خود کو پوری طرح سنبھال گئی تھیں
ایسا نہ ہو کہ اب کی بار انہوں تو پھر مجر ہی نہ
پاؤں۔“ جھکی آواز میں وہ اسے سینے سے دھکا دے
تھا۔

”پردوش عبت بول سکتی ہے“ فریب کر سکتی ہے
ساراب! ایک ماں نہیں جس نے اپنی اس احساس کو

یہاں بچوں کے لئے

سیرۃ نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم



حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں مشتمل
ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ
خود بھی پڑھا تھا جس کے اور
اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

یہ کتاب..... حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ
کا شجرہ وراثت نامہ ہے۔

قیمت - 250/- روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ - 50/- روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈاکسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 332216361



”دوسرے پرندوں کیوں فضا میں اُڑ رہے ہیں؟ تم سب کے دلوں میں بھی یہی حسرت ہوگی کہ ہم بھی آفاق و فلک کی بلندیوں میں پرواز کر سکیں۔“

پرندے بے چینی سے اس بڑے سے بچھرے کے اندر اڑتے ہوئے چال سے لگاتے رہے۔

”خیر میں بھی تمہاری طرح ایک قید پرندہ ہوں۔“ یہ کہہ کر ماہن ہارے ہوئے جواری کی طرح

”تم سب بھی میری طرح آزادی کے خواہاں ہو، ہے نا۔“ ماہین اپنے دونوں ہاتھ بچرے کی جال پہ رکھ کے ان سے مخاطب ہوئی۔ گویا وہ سب اس کی زبان سمجھ رہے ہو۔ اس کے ہاتھ بدستور جال پہ رکھے ہوئے تھے اور سر اٹھا کے فضا میں اڑتے ہوئے پرندوں کو پرشوق نظروں سے دیکھ کے بھر کینے لگی۔

”دیسے سارے کو چاہیے اپنے باپا کے لیے کسی بڑی کام بندوبست کر دے۔ کب تک ایسے باپ کے گھنٹھوں سے لگ کر بیٹھا رہے گا۔ کہیں اس کی اپنی طبیعت بگڑ نہ جائے۔“ بڑی احتیاط سے وہ ملک صاحب کو اس آدمی کے لیے لے کر چار جاہر تاجب سے لگنے کے لیے طرف دیکھتے ہوئے نکلا۔

”ارے نہیں بھائی! بھلا اولاد کس دن کے لیے لٹکتا ہے اسی دھکے دھکے کر دہوں میں ہمارے لیے کچھ مجھ پر محبت اور خیال ایک اچانک کھسکا ہے وہ

”اف کل رات تو میں بہت دیر سے سوئی۔“
جویریہ اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تمام کے مایہن سے کہنے لگی۔

”اُدسے بھی اکل رات لپٹا پے کو رہیں
 ڈرامہ دیکھ رہی تھی، ایک تو ڈرامے میں سٹینس اسٹا
 تھا کہ میری خیزو تو چھو ہو گئی تھی۔“ جویریہ کی سر کی
 پشت سے ٹپک لگائے جاہن کو خواب دینے کی اور
 جاہن دھبہ بھری نگاہوں سے جویریہ کو دیکھنے لگی۔
 جویریہ کا قہقہہ لگا اسی طرح کہانے سے تھا۔ جاہن اور
 جویریہ دونوں ہی ایک دوسرے کی کانچیں میں دھنچکھیں جبکہ
 جاہن ہلکی سی آوازوں میں اور ان کا قہقہہ غل
 گلاں کے ساتھ تھا۔

”موبائل پہ چیٹ کرنا اور اس کا تصور کرنا بھی دور کی بات تھی۔“

وہ ایف ایس سی کے فائنل میں تھی۔ کالج سے آ کے بھی وہ دل لگا کے پڑھتی تھی۔ بس اس کی حسرت یہ ہی تھی کہ اس کا اپنا موبائل ہوا اور کوئی روک

ٹوک نہ ہو، مگر بھائیوں کے آگے وہ سر تسلیم خم کر دیتی۔

”اماں ہمارا کھرب تیار ہوگا؟“ مہربن چاولوں کو دھو کر پانی میں بھگو کے رکھ دیا اور اپنی ماں ٹسرن سے پوچھنے لگی۔ ٹسرن بیچ کے دانے گرا نہ ہوئے منہ ہی منہ میں وظیفہ کو تیز حیر پڑھنے لگیں۔ اماں کی طرف سے جواب نہ پاس کے اس نے دوبارہ ڈھیٹ بن کے ماں سے سوال کر ڈالا۔

”اماں بتائے ناں اس چھوٹے سے کمر میں مزید وہ کمر میرا دم ہی اکل پہلے جائے گا۔“ مہر کن کمرچہ دو ٹوٹا ہوا تھا کہ کے چاروں اطراف سے اپنے کمر کو دیکھنے لگا۔

”اے جا، پہلے چاول پکا پھر موالات کرنا۔“
 تیزی سے صبح کے دانے گراتے ہوئے ماتے پہ ٹھٹھکیں
 لیے مہرین کو جواب دیں گئیں۔ کام کاس کے مہرین
 کافی روٹی سی ٹھکل بنا کے نسرین سے خالی ہوئی۔
 ”اف اماں! ہر روز کام ہی تو کرتی ہوں۔۔۔۔۔۔“

اس کا اندازہ دیکھ کے فرین نے پاؤں سے چھل اتار
کے اس کی عزت افزائی کے لیے روانہ کی جو کہ سیدھا
جا کے اس کے کمر پہ گیا۔

”ہائے اماں مرگئی۔“ مہربین زور زور سے اپنی کمر سہلاتے ہوئے اور ایک تنگ کرنے لگی اور چادروں کو پکانے کے لیے کچن میں آگئی۔

”کانچ ہے آ کے پڑھائی بھی کروں اور اوپر سونے پہ سہاگا گھر کے کام بھی کروں کیا میں لو کرانی ہوں.....“ وہ آہستہ آواز میں بوڑھے نے لگی۔ مبادا

☆ ☆ ☆
 مہربان و محریہ اور ماہین تینوں ہی کالج کے

لان میں بھی ہوئی تھیں۔ یہ تینوں ہی ایف ایس سی کے لاسٹ ایر میں تھیں۔ ماہانہ ہمیشہ جویر کی شان و شوکت سے جڑا ہوا تھا حالانکہ ماہانہ اسے کلاس کی ذہن لڑی تھی۔ جویر بے چہرے پر آتے لڑکوں کی طرح ہوتے تھے۔

ہے؟“ جویریہ کا سوال سنتے ہی مہرین اور مایین دونوں ہی دم بخود سے انداز میں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگیں۔

ماہین نے اک نظر جو یہ کودیکھ کے سر جھکا لیا اور ”جی نہیں“ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

”اوہ! کیسے لوگ ہو اس ماڈرن دقت میں تم لوگوں کے گھر.....“ اس کی بات کاٹ کر مہربان نے جلدی سے جواب دے کر جویریہ کو خاموش کرادیا۔

”جویریہ! یہ ضروری تو نہیں کہ ہر گھر کا ماحول تمہارے گھر کے ماحول جیسا ہی ہو جس طرح ایک انسان کا مزاج دوسرے انسان سے مختلف ہوتا ہے

اسی طرح کھر کے ماحول بھی مختلف ہوتے ہیں۔ یہ سن کر جو یہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش تو ہو گئی، مگر پھر کچھ سوچ کے لاپرواہی سے ہاتھ جھماکتے ہوئے کہنے لگی۔

”یار! اس دنیا میں آزادی کے ساتھ زندگی جیو،

اف روک ٹوک، بات بات پہ زور... آزادی دے دو، میری لائف فل آؤ ہے جیسا چاہوں وہی کروں۔“ یہ سن کر مہرین الخوسرو سے سر ہلاتے ہوئے جبکہ مایہن

کے ذہن میں اپنے لہر کا تخت ماحول ٹھونسنے لگا۔
لیپ ٹاپ تو دور کی بات دو تو ایسی ماں کے موبائل کو
بھی ڈرتے ڈرتے ہاتھ لگاتی تھی کہ کہیں سے اس کا

بھائی نہ آجائے۔ مہرین کے کھر کا ماحول بھی تقریباً سخت جراثیم تھا۔

کھل آئی اپنی اسی کا۔ موبائل اٹھا کے مہرین کا نمبر

ماتنے لگی کہ حاد کو کمرے سے نکل آ جا۔ حاد کو دیکھتے ہی ماہین نے لرزرتے ہاتھوں سے موبائل واپس رکھ دیا۔
 ”تیرے کیا کر رہی تھیں تم؟“ حاد موبائل ہاتھ میں لے چیک کرنے لگا اور ماہین انتہائی عجزاً اس کے عالم میں بیٹھ کر حاد کو جواب دینے لگی۔

”بھائی..... وہ..... مہرین کا نمبر ملا رہی تھی
 نو..... نوٹس کی ضرورت تھی مجھے۔“ یہ سن کر حماد ماتھے
 پہ تیوری چڑھا کے ماہرین سے کہنے لگا۔
 ”آئندہ وہ مہرین کی مت اٹھانا اور جسے کال کرنا

ہو تو مجھے بتایا کرو۔ میرے موبائل سے کال کر سکتی ہو۔“

”جی بھائی۔“ ماہن سر جھکائے بڑے ادب سے عہد کو جواب دے کر خاموش ہو گئی۔ حماد کے جاتے ہی ماہن تیزی سے کمرے کی جانب چل دی جہاں اس کی ماں ترتیب کے ساتھ الماریوں کی دروازوں میں چیزیں رکھ رہی تھیں۔

ہوئے ناں کو کپکارا۔
 ”مٹی مٹا لیا چین کیا بات ہے؟“ عالیہ پیار سے
 چین کو بیٹھائی کئی محس اور وہ اسی لفظ پتو نہال ہو جاتی
 تھی۔
 وہاں! دیکھیے ناں انسا کیا ہے۔ مجھ میں جو

ہر بھائی مجھ پہ شک کرتا ہے، کیا میں واقعی بری ہوں جو یہ لوگ کہتے ہیں یہ موبائل مت اٹھانا، ایسا کرتا، دیا کرتا، یہاں جاؤ، وہاں مت جاؤ.....“ یہ کہہ کر

کے عالیہ بیگم سے شکایت لگا دی یہ سن کر عالیہ مسکرائیں۔

یہی ماہین اے میوں کم سے بے حد پیار کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر آپ کا ہاؤس چسپل نہ جائے۔“ یہ سن کر ماہین منہ کھولے

ماں کی ذہنی توازن پہ شک ہو۔ "یقیناً میری باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں، مگر وقت آنے پہ تمہیں

اسے بھائیوں کی محبت ظاہر ہو جائے گی۔" عالیہ یہ کہہ کر دو درہ کام میں مصروف ہو گئیں اور مایا جین خاموش سے کھل آئی۔

☆☆☆

مایا جین ایف ایس کی کے ایگزیمز دے کے فارغ تھی۔ ایگزیمز دے کے چھپے اس کے سر سے اک بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ رزلٹ آنے میں پچھون ہائی تھیں۔ رزلٹ جب آؤٹ ہوا تو مایا جین A+ کر لی۔ لے چکی تھی۔ جو یہ B کر لی اور مہرین کی B کر لی۔ لے چکی تھی۔ بیشک کی طرح مایا جین نے آج بھی تھیں کبیرہ میں نمایاں پوزیشن حاصل کی تھی۔ اس کا رزلٹ دیکھ کر تینوں بھائی بے انتہا خوش تھے۔ عابد، مجید اور حماد تینوں اچھے آکے مایا جین کے ساتھ واپی چار باگی بیٹھ گئے۔ عابد اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے مسکراتے لوں سے کہہ رہا تھا۔

"وہ مایا جین آج تو کمال ہی کر ڈالا۔" یہ سن کر مایا جین ادب کی وجہ سے سر جھکا کر مسکراتے لگی اور اپنے بھائیوں کے بدلے ہوئے دے پھیل دیں۔ مایا جین سخت حیران ہوئی۔

"کیا خیال ہے عابد! مغلش تیار ہیں اس خوشی میں۔" حماد، عابد کی طرف دیکھ کر گرایا۔

"ہاں کیوں نہیں آخر مایا جین اتنا اچھا کر لیے ہیں ہے حق تو بتانا ہے نا۔" عابد یہ کہہ کر مہرین کی طرف ہل دیا جہاں مغلش تیار کر کے رکھے گئے تھے۔ مایا جین حیرت و شامی کے طے چلے اثرات کے ساتھ ان تینوں کی طرف دیکھنے لگی۔ مہرین نے عابد کے آگے تو ان کے ہاتھ میں چمک مغلش تھے۔ عابد کے ہاتھ میں اک چمک سا تھا اور مایا جین کو اپنے پاس بٹھا کے چمک دے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مایا جین! یہ میری طرف سے گفت ہے اور وہ بھی لیپ ٹاپ۔" لیپ ٹاپ کا سن کر وہ بے حد مہرین سے ہوئے اغاز میں عابد کو کیٹے لگی کہیں وہ لٹاؤ نہ تھیں کہ مہرین وہاں مسکراہٹ کے آثار دیکھ کر خاموشی و خوشی کے عالم میں لیپ ٹاپ ٹیک کر رکھنے لگی۔

"اور یہ میری طرف سے گفت۔" اس میں زبردست قسم کا موہاں ہے۔" مجید مغلش اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہنے لگا اور حماد جلدی سے کہنے لگا۔

"بھئی! میری طرف سے تو انٹرنیٹ کا اطلاع ہے۔" یہ سب سننے ہی مایا جین کی زبان گھبرائی اس کے پاس چھپے کہنے کے لیے الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ وہ ابھی تک شام کی سی کیفیت میں اپنے بھائیوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ سب کچھ ایک خواب سا لگتا رہا۔

"بھائی! یہ میں خواب دیکھ رہی ہوں یا پھر یہ واقعی حقیقت ہے؟" مایا جین مشکل آٹائی کہہ لگی۔

"حقیقت ہے، سر! حقیقت۔" عابد جو دیر رکا اور مہرین ہوا۔

"مایا جین اس سے پہلے ہم نے تم پر اتنی پابندیاں لگائی تھیں کہ تم کو اس کی بڑھائی سے غافل نہ ہو جاؤ، دوسرے تمہارا ذہن ابھی گھما تھا، ہمیں اور تمہا کہ کہیں تمہارے قدم بیک نہ چائیں۔ اور اب ہم تینوں کو تم پر مہرین پر اعتماد ہے کہ تم ہمارے یقین اور ان پر آزاد تکی۔"

تینوں اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے۔ وہ انتہائی خوشی کے عالم میں مغلش اٹھاتے ہوئے کر کے کی جانب ہل دی۔ مغلش کھولتے ہوئے اس کے ہاتھ تیزی کے ساتھ لرز رہے تھے۔

"واؤ۔" عابد اس کے منہ سے انتہائی لگلا۔

"مختی یاداری ہوئی ہے ناں آزاد زندگی۔"

☆☆☆

آئے روز مایا جین لیپ ٹاپ کھولے خود کو مصروف رکھتی وہ بھی کیا بھی نہ سمجھتی تھی۔ لیپ ٹاپ آئی ڈی بنانا اس نے سیکھ لیا تھا۔ اس نے کیبٹ سے اپنے لیے ٹیس کے ایک آئی ڈی بنائی، وہ، تین دن بعد اس نے فریڈ ریکسٹ پہنچتی شروع کر دی۔ اس کی فریڈ ریکسٹ میں تو لکڑی کی تعداد زیادہ تھی۔ مایا جین کو

فیس بک چٹ کرنا بھال گئی۔

اک دن تیس بک آئی ڈی کھولی دیکھا تو ایک شاہان نام کے لڑکے کی ریکسٹ آئی ہوئی تھی۔ پہلے تو مایا جین گھبرا گئی، مگر پھر اپنے اندر ہمت جمع کر کے اس نے ریکسٹ کھول کر لی۔ ریکسٹ کھول ہوتے ہی یکدم اس کا سچا کچا۔

"ہیلو کرل! مجھ سے دوستی کر دو گی۔" میرا نام شاہان ہے۔" یہ پڑھ کر مایا جین کو اپنے دل کی دھک دھک کانوں میں صاف سنائی دینے لگی۔ پہلے تو وہ جواب نہیں دینا چاہتی تھی، مگر پھر دل سے آواز آئی۔

"کیا ہوتا ہے مایا جین۔" وہ جواب کون سا نہیں میرے سامنے کھڑا مجھ سے بات کر رہا ہے۔" دل کی آواز سننے ہی اس نے سچا کچا۔ "ہاں کر دوں گی۔"

سچا بھیجتے ہی اس کی ہلوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☆☆☆

مایا جین لیپ ایس ٹار جی میں اینٹریٹ لے چکی تھی، مگر اس کو جیسے اپنے تعلیم کی کوئی پرواہی نہ ہو۔ روز شاہان کے ساتھ فیس بک پہ چمک شپ لگا اس کا مضمون بن چکا تھا۔ لیپ ٹاپ میں تین دن دیکھ کے اس کے تینوں بھائی بھی مجھ سے کہنے لگے کہ اپنے لیے انٹرنیٹ سے ضروری انفارمیشن لے رہی ہے اور پڑھائی کے لیے ٹیوشن ڈاؤن لوڈ کر رہی ہے اور وہ اسی انفارمیشن کا جائزہ اٹھانے لگی۔ اس بات سے بے خبر کر اس کے بھائیوں کو اس پختہ فکر و اعتماد سے اک دن جب وہ فیس بک پہ آن لائن تھی۔

"جو یہ کہ جانتی ہو ظاہر چہرہ کی بنی کر۔" شاہان کا سچا کچا۔ سچا چہرہ کے مایا جین کو کو اک لمحے کے لیے حیرت کے پھٹنے لگے مگر پھر اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے سچا کچا کر کے گئی۔

"تمی! ہاں۔" وہ میری کلاس ٹیچر ہے۔"

"اور اچھا! اتنا کہہ کر شاہان تیس بک سے لاگ آؤٹ ہو گیا۔ اس کے بعد مایا جین بے چینی سے شاہان کے سچا آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ پتہ تک

اس کا سچا کچا نہیں آیا۔

"مایا جین! آکے یہ سبزی کاٹ لو۔" عالیہ برآمدے میں کڑی مایا جین کو آواز دیں دے رہی تھیں۔ وہ سبزی کاٹنے میں مصروف ہو گئی۔ کمرے کے باہر دیوار کے ساتھ ہی چادر پائی۔ وہ بیٹھ گئی، جہاں کمرے میں حماد، مجید اور عابد کے باتوں کی آوازیں صاف سنائے دے رہی تھیں۔ وہ بظاہر تو سبزی کاٹنے میں مصروف تھی، مگر حیران سلسل میں بیک کی طرف تھا۔

"حماد! شاہان کو تو جانتے ہو نا۔" اسی کے ساتھ ظاہر چہرہ کی بنی جاتی تھی۔ وہ تو بے سارے کھٹے والے آسوس سے روہلائے رہ گئے۔

حماد، عابد سے مخاطب تھا۔ یہ سن کر مایا جین کا کاسی بیٹھ گئی۔ چھری اس کے ہاتھ سے کڑی اور چہرہ خطرناک دھک دھک زرد ہوا۔ "ناراد! پہلے اس پہ پابندی لگائی جاتی تو آج وہ ہماری مایا جین جیسے ہی ہوئی جو آزادی لے لے کے بعد کی میں اس رہتی ہے۔" عابد کی باتیں جاری تھیں اور مایا جین اپنے آپ سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہی تھی۔ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سا جائے، وہ اپنے آپ سے نظریں چراتے لگی۔

اس کو تو آزادی مل گئی تھی مگر اس نے آزادی کا جائزہ نہ اٹھا لیا۔ اعتبار احمد کے روپ میں وہ اپنے بھائیوں کے مان کو مات دے چکی تھی۔ "اب بھی کہیں نہیں بگڑا۔" خود سے کہہ کر عزم اٹھانے سے لیپ ٹاپ کھولا اور فیس بک آئی ڈی بلاک کر دی۔ وہ مزید خود کو دھوکا نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ دل میں شہر بھائی کی کہ برقت اسے شاہان کی اصلیت کا چل گیا۔

"اگر خدا ناخواست کہیں میں۔" اتنا سوچ کر اس کے دونگے کھڑے ہو گئے۔ آزادی اور اس کا استعمال کیا ہوتا ہے۔ پابندی ڈاؤن لوڈوں کا مضمون اس کے ذہن میں چمکی طرح آچکا تھا۔

☆☆☆



دوست اور آخری حصہ

یہ صورت حال اس کے لیے اس قدر حیران اور پریشان کن تھی کہ وہ کچھ نہیں بارہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ مطلقاً کے منہ سے جھاک نکل رہی تھی اور کورباہن خرقہ کر رہا تھا۔ کچھ گھنٹوں کے لیے تو وہ بالکل ٹھنڈ ہو کر رہ گیا تھا۔ یہاں تک کہ منہ وہ اسی حالت میں رہی اور پھر اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ ان تین منٹوں میں مطلقاً کے وجود نے اذیت کے وہ پہاڑ سے نئے کہ عبدالہادی کی دلچسپی سے اس کا کپکپا کر رہ گیا تھا۔ عبدالہادی ابھی بھی آنکھیں میچا کر رہا تھا۔ کھڑا تھا۔ بھاری قدموں سے وہ اس کے پاس آیا اور اسے گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لے گیا۔ وہ کئی گھنٹے بے ہوش رہی۔ اس کا چہرہ خزاں کے پتے کی مانند زرد تھا اور زبان دانتوں سے آنے کی وجہ سے زخمی ہو گئی تھی۔ تقریباً تین گھنٹے بعد وہ ہوش میں آئی۔

وہ اس کے پاس بیٹھا اس کا زرد چہرہ دیکھ رہا تھا۔ مطلقاً نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔
”تم نے مجھے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟“
”تم کیا کر لیتے؟“ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

”میری بے وفائی کی وجہ سے تمہاری یہ حالت ہو گئی۔ کہ میں تمہیں زبردستی ریسٹورنٹ لے کر

جاتا تھا۔“ وہ شدید آنکھوں میں جھٹکا تھا۔
”تو تمہیں اس حقیقت کا علم تھی اور دن ہو جاتا۔“ وہ بے لگاری سے بولی۔
”جب تم جانتی تھیں کہ یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تو مجھے اندازہ میرے میں کیوں رکھا؟“ اس کے کچے میں کھوکھو مٹتی تھی اس کے بارش چہرے کی طرف دیکھا۔

”تو تمہیں الفاظ ضائع کرنے پر انکس اور ہا ہے؟“ اس کے کچے میں خطر تھا۔ عبدالہادی کے دل پر چیسے کی نئے پھریاں چا دیں۔
”میری سوچ میں اب اتنی بھی مادیت پرستی نہیں ہے کہ میں ایک بیماری کا سن کر تم سے دور ہو جاؤں۔“ اسے غصا گیا تھا۔

”لیکن میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں، یہ سن کر تو تمہیں ضرور دھج سے دور ہو جانا چاہیے۔“ بستر پر لیٹی ہوئی لڑکی کی ذمیت تھی۔
”میں ابھی طرح سے تمہارے جھوٹ سے واقف ہوں۔“ اسے رتی برابر بھی اس کے جھوٹ پر یقین نہ آیا۔
”اسے میں تمہاری خوش فہمی سمجھوں گی۔ میں جس سے محبت کرتی ہوں اس سے میرا کائنات بچا ہے۔“ اس نے اعلان نہیں دی اس کے سر پر ہم پھوڑا تھا۔ اور پھر عبدالہادی کی طرف دیکھے بیچ اس نے آنکھیں موند لیں۔ وہ کمر دھڑکن پڑنا چاہتی تھی۔ بڑی مشکل سے وہ اپنے دل کو سمجھا پاتی تھی۔

☆☆☆

تاریخی آسمان پر لگا ہوا جمائے وہ گہری سوچ میں ڈوبی گئی۔ دماغ جھیلے چند ماہ کے واقعات کو سوچنے میں مصروف تھا۔ ساتھ ہی ساتھ بے دلی کی حالت پر بھی غور و فکر کر رہا تھا۔ مطلقاً نے اپنی اور عبدالہادی کی پہلی ملاقات سوچی۔

وہ ملاقات جو بالکل کسی رومانک کہانی کے ابتدائی منظر جیسی تھی۔ لیکن اسے یہ سب بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔ اسے وہ منظر بھی یاد آیا جب اس کی

ناک کی ٹوٹک کالاک عبدالہادی کی شرٹ کے ساتھ ہوئے وہ کسی کا بھی ساتھ کیسے چاہ سکتی تھی؟ یہ بے چینی بے قراری اس کی سخت اور بے رحم زبان کی صورت ظاہر ہونے لگی۔ وہ کبھی بھٹتا رہا بلکہ اب تک وہ کبھی بھٹتا ہے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی۔ ایسے ہی بھلا نہیں ہے۔ کوئی خیر و خراب ٹیک دل



مرد کی عورت کے دل پر اپنی تمام تر سچائی اور نیک دلی کے ساتھ دھک دے اور وہ دل کا دروازہ بند ہی رکھے۔ ایسا کی صورت ممکن نہیں۔ اس نے تو اس دھک سے پہلے ہی اسے دل میں جکڑنا شروع کر دیا تھا۔ یہ سب سوچ سمجھ کر نہیں کیا جاتا۔ ازخود ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں بھی وہ ہی گیا۔ وہ اس کی زندگی میں کی مثال ہو جاتا تھا تاہم سب سے بڑی رکاوٹ وہ خود تھی۔

وہ کیسے اس کی زندگی میں تکیلیں محول دے؟ کیوں اسے اذیت دے اور خود کی بڑی اذیت میں مبتلا رہے؟ ایسے ٹھوڑی سی نہ ہوتا ہے۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا وہ مجھ کی ہر سحر سے کی عورت کے ساتھ ان کنڈیشنل محبت نہیں کی ہوگی۔ عبدالباری بھی مرد سے جذبات کے طوفان میں بہہ رہا ہے اس لیے اس سے سب سے بڑی معمولی گتہ ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد اسے اندازہ ہوا کہ اس نے کیا تکیلی کی۔ اس سے پہلے کہ اس کے دل سے میری محبت ختم ہو کر بے زاری اور نفرت میں بدلے تھے اسی وقت سادہ بنا چاہے۔ لیکن اسے کچھ بھی بتانے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اسی سبب عبدالباری کا مہتر کا کچھ بھی تھا۔ اسے ایک بھٹے پڑا تھا تاہم وہ ان موہو ہوا۔

پچھلے دو مہینوں سے اس کی خبر موجودگی نے ملتی کہ بہت ڈسٹر ب کا تھا۔ جب تک دل پر اس نے کسی بھی تکیہ نہیں کیا تھا تاہم اس کے گھبراہٹ کے بعد سے سارے بند ہوئے چلے گئے۔ پہلے تو تنہائی میں ہی دھک دے اس کے بارے میں سوچتے ہوئے گھبرا جاتی تھی کہ کبھی کوئی گھبراہٹ نہ لے۔ لیکن اب اس نے خود کو ٹھوڑی سی آزادی دے دی تھی۔ اور یہی اس سے غلطی ہوئی۔ عبدالباری کی غیر متوجہ آمد پر وہ جس طرح خوش ہوئی کی ذمہ دار بلیک مومن بھی چونک کر رہے۔ وہ اسے بھائی کے دل کی حالت سے تو واقف بھی نہ تھی کہ حوالے سے اسے بھی لگتا تھا کہ وہ عبدالباری میں بالکل بھی وہی نہیں تھی بلکہ

اسے کسی حد تک پائیند کرتی ہے، لیکن آج اس کی آنکھوں کی چمک سے مومن کو جی بھرا کر دیا تھا۔ اس کی سچائی کا اس طرح خوش ہونا بہت اچھا لگتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان کی کھیر دھکی تو نہیں تھی لیکن اچھی اثر رائیڈنگ ضرور تھی۔ اس سے پہلے کہ سلیقہ اس کے دل کی بات کرتا، رات ہوئے ہی وہ ان کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ سلیقہ نے انہیں بگڑنا ہی یا نہیں لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ انہیں ساگر کی تار لگا۔

”آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟ اسی تاریکی جیسا کہ آپ کو روز بخار ہو جاتا ہے۔“ اس نے تشویش سے پوچھا۔

”روز تو کبھی جس دن آنکھوں لگتا ہے اس رات بہت تشویش ہوتی ہے۔ لیکن سلیقہ میرا بہت خیال رکھتی ہے۔“ انہوں نے محبت سے اس کا ذکر کیا۔

”وہ آپ کا خیال رکھتی ہے اور میں اس کا خیال رکھنا چاہتا ہوں۔“ انہوں نے اب بھی سے اس کی جانب دیکھا۔

”میں سلیقہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے بغیر کسی جھجک کے کہہ دیا۔ کچھ دیر تو وہ بول ہی نہ پائیں۔

”تجربہ سلیقہ نے بتایا نہیں کہ اس کا نکاح ہو چکا ہے؟“ انہوں نے انکار کے بجائے جھوٹ سہارا لیا۔

”اس بات کو بغیر دہا کہ ہم زندگی کی خوشیوں سے مستغرق ہیں؟“ سلیقہ نے کھری سانس بھرے ہوئے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چڑھایا۔

”میں سلیقہ سے بیکار ہوں؟“ وہ ہنسی کی سے پوچھ رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں اس وقت صرف سوالوں کے جواب جاننے کی خواہش تھی۔

”میں اس بیماری کو مومن کی کہہ نہیں سکتا۔ میں نے سلیقہ کو اس اذیت اور تشویش میں دھکا ہے جو درد بڑھانے پر اس نے اٹھائی۔“ کچھ بھٹے پہلے کا منظر اس کی نظر میں نمودار ہوا۔

”یہ بیماری اس کے لیے جان لیوا بھی بن سکتی ہے۔“

”کیا مطلب؟“ اس نے پریشانی سے پوچھا۔

”اس کی زندگی میں یہ مشکلات آئیں لیکن آپ ایک بات بتائیں کیا بھی آپ نے ان سے دور ہو کر زندگی گزارنے کا سوچا؟“ انہوں نے غمی میں سر ہلایا۔

”کیا آپ نے کبھی یہ سوچا کہ میں اس شخص کو ہی چھوڑ دوں جس سے شادی کے بعد آپ نے ان کی زندگی گزار دی؟“ ایک بار پھر انہوں نے انکار کیا۔

عبدالباری نے پھر سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

”میں آپ کا سمجھتا ہوں، آپ کی رکوں میں جو خون کے ساتھ دھکا دوڑتی ہے مجھ میں بھی وہی ہے پھر آپ ایسا کیسے سوچ سکتی ہیں کہ میں اس سے وفا کی کروں؟“ اگر بھی محکم ہو گیا تو آپ میں اسے بھری ہمت بڑھانے کے لیے۔ لیکن اگر سلیقہ مجھے نہ ملی تو میری ساری طاقت چڑ جائے گی۔ میں نہیں ہو سکتا اس کے بغیر۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے ان کے ہاتھ پر اپنا سر رکھ دیا۔ سلیقہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”عبدالباری۔“ مجھے کی کوشش کرو۔ یہ صرف میری تمہاری رضا کی بات نہیں، تمہاری اہی، بھائی صاحب، کوئی بھی نہیں چاہے گا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کو اپنی بیوی بن جائے جس کا ایک صحت مند سلیقہ نہیں ہو سکتی۔“ گوئی اس کے دل سے پوچھا کہ اپنی ہی بیوی کے لیے ایسے جی کا اظہار کہ قدر تشویش رہتا ہے۔ عبدالباری نے اس پہلو کو بھی ذہن میں رکھا تھا۔

”پچھو۔ کیا ہماری نسل میں سے کسی ایک کو بھی مرگی کا مرض ہے؟“ انہوں نے لیکن سلیقہ کے نصیب میں یہ بیماری تھی، ایک کیڈنٹ کے ذریعے ہی سہی لیکن وہ اس مرض کا شکار ہو گئی۔ اب کل کو اگر میرا ایک کیڈنٹ ہو جائے میرے داماد کو بھی بڑے لگ جائے، مجھے بھی ایسی مرض لاحق ہو جائے تو؟“

”اسے بے اختیار پڑھ رہی تھی بالکل کر ہے۔ ہو۔ اللہ جیسا ہمیشہ خوش اور صحت مند رکھے۔“ انہوں نے اسے چومتے ہوئے دعا دی۔

”اگر آپ میری خوشی جانتی ہیں تو میری بات مان لیں۔ مجھے آپ کی رضامندی چاہیے باقی میں سنبھال لوں گا۔“ اس نے آہنی لہجے سے کہا کہ وہ مزید اذکار نہ کرنا۔

”مجھے تمہاری پسندیدگی کا علم ہی ہو گیا تھا جب ہم حیدر آباد میں تھے اور میں جانتی کی کہیں نہیں باز رکھوں، اسی لیے اس روز جب تم نے مجھ سے کہا کہ وہاں تم نے لڑے تو مجھے کاکڑ کا آج نہیں حقیقت معلوم ہو جانے کی یقین شاید تم نے پرچی پر لکھی دوا کے نام پر غوری نہیں کیا۔ میں سے حد پریشان رہی کی ان دنوں۔ پھر جب اچانک ملک کر آئی اے کے لیے راضی ہوئی تھی میرے دل میں یہی کھٹکا تھا کہ کہیں اس کے دل میں بھی تمہارے لیے کوئی نرم کردار نہ ہو گیا ہو۔ ایک ماں کے لیے یہ کلمات بڑے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ میں اسے مشکلات سے بچانا چاہتی ہوں۔ ابھی یہ بات صرف چند لوگوں کے علم میں ہے لیکن مجھے بڑے کاس بات کا سبب کو علم نہ ہو جائے۔ منتقلی لوگوں کے ہمدردی مجھے روئے کو بھی ترس گئی ہے۔ تم مجھ سے ہو؟“

”میرا یقین کریں پچھو۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ جہاں تک بات ہے منتقلی کی تو..... تو مجھے مند بھی نہیں لگتی لیکن اگر آپ اس سے بات کریں گی تو مجھے یقین ہے کہ اپنے دل پر باندھ بندھو کے لیے بعد وہ میرے ہی بارے میں سوئے گی۔ مجھے اپنی محبت کی سچائی اور اس کی طاقت کا اندازہ ہے۔ اور آپ دیکھیں کہ سب کچھ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ نہیں اساتھ دیں۔ میں کوئی ٹرپو نہیں ہوں گا۔ وہاں کا اور نہ ہی منتقلی کو کسی آزمائش میں دیکھوں گا۔“ اس کے لہجے کی سچائی پر ان کی آنکھیں نمک میں۔

”میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ انہوں نے خوش سے کہا۔

”تھک چوسچ پچھو۔“ ان کے گلے تک کر وہ یوں اذکار پھینکا ہوا کر سے نکل گیا۔ وہ منتقلی جس

کہ کہیں میں اس کے سامنے کزرد پڑ جائے کی لیکن وہ یہ بات سمجھ نہیں کہ کچھ اچھے پیارے اور دل کے قریب لوگوں کے سامنے ہی کزرد پڑتا ہے۔

☆☆☆

وہ بھولے والے کر کے نہیں بھیجتی تھی۔ چہرے پر پشیمانی چھائی تھی۔ مومن کی توفیق نظروں کو اس نے کئی بار محسوس کیا تھا۔ اور اسے یہ سمجھنے میں بالکل بھی وقت نہیں لگا کہ وہ کچھ مجھے کہے کے لیے بے اختیار خوش ہوئی تھی اس نے اطمینان سے کچھ لوگوں نے بڑی شدت سے محسوس کیا ہے۔ اور اب یہی بات اسے پریشان کر رہی تھی۔ اس کمرے میں دو ان کی کالی دیر تک بھیجتی رہتی۔ عبداللہ کی کوسوٹی، وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چل۔ اس کی کو بہت شدت سے محسوس کرتی لیکن جب وہ مائے آب و ہوا ایک بیڑی لڑائی کا روپ دھار گئی تھی جس کے کئی جذبات سے کوئی لینا دینا نہیں۔

کئی بار وہ خود کہے حد تک ہوا محسوس کرتی۔ اس دہرے روئے نے اسے آدھا کر دیا تھا۔ نہ تو وہ عبداللہ کی کو خود سے دور جاتا دیکھ سکتی تھی اور نہ ہی اس کے قریب آنے سے اسے خوش آمدید کہ سکتی۔ زندگی عجیب سی ہوئی جا رہی تھی۔ یہ سب تو اس نے بھی خواب میں دیکھا تھا۔

بہت پہلے ہی سے جب اس نے شعور کی پہلی منزل پر قدم رکھا جب ملتے سے اسے ابھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ کئی بھی شہزادے کے خواب نہ دیکھے کیونکہ وہ ابھی لڑکیوں کے حصے میں شہزادے نہیں آتے، اگر کوئی آئے گا تو یہ صرف بہرہ ہوا ہوگا۔ اس بات کو اس نے اپنے غلو سے باندھ لیا۔ جو بھی اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا اس نے اسے کسی بہرہ سے زیادہ کی اہت نہیں دی۔ لیکن اس بار سب الٹ ہو گیا۔ وہ آیا، اور اس کے دل کو اپنے قبضے میں کر کے لے گیا۔ وہ اسے شہزادہ لگتا، وہ شہزادہ جس کے سفیر دیکھنے کے بہت دیر میں اور وہاں منتقلی کے ہوتے ہیں اور وہ اپنی شہزادی کو ان دیکھی خوب

صورت دنیاؤں میں اسے تنگ لے جاتا ہے۔ تصور کی دنیا تو اس نے آباد کر لی تھی لیکن حقیقت کا خوف اسے کھائے جاتا تھا۔ زندگی کا یہ صطحہ بڑی ہی تکلیف سوجن میں بنا رہی، جھولتا جھولتا وہ سفید گھرنے پر اس کے مرہرہ سواری کی انجان دیکھ کا ستر کر رہی تھی کہ کھٹکے پر وہ بڑھ پڑا تھی۔ سامنے ہی وہ نہیں ٹھوکر میں لیوں کھڑا تھا۔ لیکن مجھ کے لیے وہ اسے اپنا دیکھ بھی نہیں پھر ایک دم ہوش میں آئی۔

”تم۔“ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”ہاں میں۔“ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”تم تو دو بیٹے بعد آنے والے تھے۔“ پھر اچانک کہے۔ ”اس نے بات کا آغاز کیا۔ وہ بے تکلفی سے ذرا سا فاصلہ رکھ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ دوزن بڑھ جانے پر مجھ کے لیے تیزی نہ تھی۔ ”اتنا دوزن بڑھا کر آئے ہو تم۔ دیکھو دیکھو کیسے دک گیا۔“ اسے جے جے لکھی آگئی تھی۔ عبداللہ کی اسے غور سے دیکھا۔

”میرا دوزن نہیں بڑھا، میں پہلی بار یہاں جہاد سے قریب بیٹھا ہوں۔“ وہ تنبیہ کی بولا۔ ”منتقلی نے راز مجھ کو سنا دیا۔“

”تم تو نے کیا سوچا؟“

”میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے فحش ذہن کا اندیشہ گا۔“

”میرے اندر جو ٹینٹ ہے، وہ وہاں نہ ہو بلکہ ایک اچھی سمت لی جائے اسے اسے کیا کہتے ہو؟“ وہ اس سے یوں مشورہ لینے کی جیسے اس نے یہی موضوع چھیڑا تھا۔

”جنت! اچھی بات ہے، بہت اچھا سوچا ہے تم نے۔ لیکن تم نے میرے بارے میں کیا سوچا؟ میری اور اپنی شادی کے بارے میں؟“ وہ اس کی آنکھوں میں بڑی ہی سے خوشی سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

”میں نے تم سے پہلے ہی سب کچھ کہہ چکی ہوں۔“

پھر اچانک کہیں کہیں پتہ رہے ہو؟“ اس کا ایک لمحہ ہی دم

بے لپک ہو گیا تھا۔

”وہ سب جوت تھا، بکواس تھا، میں جے سنا چاہتا ہوں۔“ وہ ہنسی سے بولا۔

”جہاں سے تم ان سب باتوں کے جھوٹے ہونے کی تصدیق کر کے آئے ہو، وہاں سے جے جی جان لو۔“ وہ اطمینان سے بولی اور جھوٹے سے نیچے اترنے کی ٹیکس اس نے منتقلی کی کلائی پکڑ لی۔

”تم حد سے بڑھ رہے ہو عبداللہ!۔“ اس کا لہجہ کسی خوش خوبرو شیرینی جیسا ہو گیا، اس نے ایک دم ہی کلائی چھوڑ دی۔

”تم میری بات نہ منو، مجھ حد میں کر دو۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”اور کیا سنوں میں؟“ اسے جے جے فضا پڑھ گیا۔

”یہی کہیں پچھو سے بات کر چکا ہوں۔“ وہ میرے اور تمہارے رشتے سے خوش ہیں۔ میں نے انہیں یہ بھی بتا دیا کہ میں تمہیں پوچھنا پوچھنا چکا ہوں۔“ یہ بات اس کے لیے جے جے حد پر نہ لائی اور اس نے اپنی جہت پھیلانے کی کوشش بھی نہیں کی۔

”تمہارے اور اس کے درمیان جو کئی بات ہوئی ہیں اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس بات کو اپنے ذہن میں رکھنا لو۔“ اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔

”تم صرف اس ایک وجہ سے ہی اذکار کر رہی ہو؟“ منتقلی نے گہری سانس بھرے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا۔

”مجھے اس ایک وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”لیکن مجھے اس ایک وجہ سے ہی فرق نہیں پڑتا۔“

”میں اس وقت اپنی ماں کے ساتھ ہوں، اس کی محال نہیں کہ کوئی مجھے کچھ کہے۔ تمہارے علاوہ میری بیماری کے بارے میں کوئی نہیں۔ اور یہ پردہ صرف اس وقت تک رہے گا جب تک کہ میں سنگل ہوں۔“

”مجھے یہ تمہاری امی سے میرا ذکر کرو کہ اور وہ میرا کچھ مائیں کی میں انہی وقت سے بات نہیں کرنا جائے

گی۔ ای انھیں بتا دی کہ میں کسی کی سرپرستہ ہوں، پہلے وہ نہیں دیکھ کر کہیں کی کہیں لڑکی سے شادی کی خواہش پالی اور پھر وہ سارے خاندان میں اس بیماری کا ڈھنڈورا پیسن کی کران کے موصوم بننے کو ایک قابل نفرت بیماری میں چلا کر لے آئے اپنے حال میں پھنسا لیا۔ وہ مستقبل کی منظر کشی کرنے لگی، عبدالباری کی شہ پر غصہ آیا۔

”تم میری جی کے بارے میں اتنی بدگمانی رکھتی ہو؟“ اس نے سچے سچ دکھ بولا تھا۔
”اسے بدگمانی نہیں حقیقت پسندی کہتے ہیں۔“

”وہ دودھ بول دی۔“
”میں وعدہ کرتا ہوں تم سے۔ ایرا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اگر ایرا بیمار ہو تو مجھے چھوڑ دینا۔ وہ لجا جت سے بولا۔

”میں اسکاتلنڈ کی بنیاد پر اپنی زندگی خراب نہیں کر سکتی۔ میں اس بیماری کا اشتہار نہیں لگوانا چاہتی۔ معاف کرو مجھے۔“ اس نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”ممنی۔۔ اگر میں اس بیماری میں مبتلا ہوتا تب تم کیا کر سکتی یا کسی بھی اسپیکلٹنٹ میں میرے ساتھ آیا ہو جاتا تو؟“ وہ بدلتی بلیک بلیک براؤز آیا۔ اسے یہ ضرورت تمنی کے منہ سے ہان بھولانی تھی۔

”تو میں تمہیں چھوڑ دوں گی۔ بلکہ میں تمہیں مرد کے ساتھ لوں گی نہ لگائی۔ بھلا جو خود کو نہیں سنبھال سکا وہ کچھ کیا سنبھالے گا۔ ایک بیمار آدمی کو شادی کی خواہش رکھتی ہی نہیں چاہیے۔ تم اپنی بے ڈھنگی لڑکی پولی انڈیا اور جا کر شاز سے کہہ دوں میں تم کو دور وہ بیٹیا بہت متاثر ہوگی۔“ عبدالباری کا داغ محوم گیا۔ وہ جا چکی تھی جبکہ عبدالباری سر پر لڑکہ بٹھارہ گیا۔

☆☆☆

اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ یہ ضرورت تمنی کو ماننے کا لیکن اس رات کے بعد سے وہ اس کے

سامنے آنے سے بھی کھڑے نہ کی تھی۔ کھانے کی میز پر بھی وہ اس کی طرف دیکھنے سے اجتناب برتی۔ شاز نے آتی تب وہ اس کے پاس پہنچ جاتی لیکن جیسے ہی عبدالباری کی آمد ہوتی وہ فرار کی راہ اختیار کرتی۔ ایک روز شاز نے اور ممتاز دونوں ہی ایک ساتھ ان کے گھر آئیں۔ تمنی کی دست دہی دی دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس کے لیے بال بٹلے ہوئے تھے اور وہ نا حسب عادت اس پر اڑھائی لی دی پر کوئی بہت ہی ڈرڈانسا نہیں چل رہا تھا۔ وہ اتنی جلدی کران دونوں کو آتے ہوئے بھی نہ دیکھ پائی۔ دوسری جانب عبدالباری بیڑ چلیاں اتر رہا تھا۔ اس نے جب صورت حال دیکھی تو ان دونوں کو اشارہ کر کے خاموش بننے کا کہا۔ شاز نے بھابھی کی بھی کلاب وہ تمنی کے ساتھ کوئی شرارت کرنے کا اور در رہا۔

اس نے صوفے سے پچھلے کمرے ہو کر اتنی بھابھی آواز لگائی کہ جلدی کران کے قریب سے بھی ایک دلہن چل گئی اور وہ بری طرح اچھلی۔ پیچھے دیکھا تو وہ اس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ تمنی زور چہرہ لے کر پہلے کمرے سے دیکھتی رہی اور پھر اچانک ہی میز پر رکھا جو کچھ اس پر رکھا تھا۔ اس پر اہٹ دیا۔ عبدالباری اسے جواب دے گا کہ نہ پاپا تمنی کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ مگر وہ وہاں سے اٹھ کر کئی نہیں بلکہ بھر سے گھر دیکھنے لگی۔ شاز نے سنے جب سے سہیں دیکھا تب اس کی ہنسی کی مینونک پورے گھر میں گونج گئی۔ وہ ان دونوں کی موجودگی سے بالکل ہی انجان تھی۔ سب میں جب ممتاز کو دیکھا تو اپنی حرکت پر خست خستہ ہوئی۔

”اسلام علیکم۔ آپ لوگ کب آئے؟“ اس نے ایک دم گھبرائے ہوئے لی دی بند کر لیا۔

”جی ابھی ابھی۔“ شاز نے سنے بٹے ہوئے کہا۔ عبدالباری جوں کا توں کھڑا تھا۔ اسے بالکل شک تھا۔ ابھی نہیں کسی کہہ دوں سے اس کی تو اسٹیک کر کے گئی۔

”تم کیا ایسی حالت میں رہنے والے ہو؟ جاؤ جا

کر چیخ کر دو۔“ شاز نے اسے اپنے پیچھے کھڑے دیکھ کر کہا۔

”میں ایسی اور کیا کوئی کرتا ہوں۔“ عبدالباری کے کمرے پر وہ پریشان ہو کر بھاگی۔ وہ اس کے پیچھے گیا۔

”مجھے تو ان دونوں کے تہہ بالکل ٹھیک نہیں لگ رہے۔“ ممتاز کو ایک دم غصہ آ گیا تھا۔ ان کے جاتے ہی وہ بول اٹھیں۔

”ای سب بھابھی کے سامنے ہی تو ہوا تھا۔“ تمنی کو ایسی شرارتیں بالکل پسینہ نہیں، وہ عبدالباری سے چڑتی ہے۔ ”اس نے انھیں گولی ملی۔“

”عبدالباری تو نہیں چڑتا۔“ ممتاز نے ایک اور نقطہ نکالا۔ شاز نے بھلا کیا کہی۔ وہ اس کی دھجکی محسوس کر چکی تھی لیکن پھر بھی وہ قہار کا اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ اسے یقین نہیں تھا صرف ٹھیک تھا اور ٹھیک ہی اس کے دل کی حالت بالکل بدل دیتا تھا۔ عینش اور گھبراہٹ اس کی دم خلد اور ہوجاتی۔ ابھی یہی ہوا تھا لیکن ملکہ کے آجانے سے وہ اپنی توجہ کا محور بدلے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن وہ عبدالباری کی غیر موجودگی محسوس کر رہی تھی جو کہ اور تمنی کا داغ خراب کر رہا تھا۔

”جس سے مجھ کو زیادہ پتا تھا تمہیں۔ تم نے مجھ پر پورا دیا۔“ تمنی نے جھجکا اور لپٹا دیا۔ ایسا کرتے نہیں جو میری شرم نہ آتی؟“ اس نے جہر سے پھر جہر۔

”تم اتنے بڑے ہو چکے ہو، زہر سے جیسے قد اور اتنی جتنا وزن رکھ کر بھی یہ چار پانچ سال کے بچوں کی طرح نہیں خرم نہیں آتی۔ اور

یہاں آکر تم مجھے غصہ دکھا رہے ہو؟“ تمنی اس سے جی زیادہ غصے سے بولی۔

”مردوں کا ایسی حرکتیں کیا کر لونی؟“ وہ ڈھٹائی سے بولا۔ کپڑے ایک ایک جوں سے بھرے تھے اور بال بھی کچھ اور بے تھے، تمنی نے خست خستہ منہ بنا کر اسے دیکھا۔

”تم کچھ زیادہ فری ہونے لگے ہو۔ جاؤ جا کر نہاؤ۔“ وہ بول کر کہا کہ چائے لگی۔

”میں جا رہا، نہیں نہاؤں گا۔ اور جہاں تک فری ہونے کی بات ہے تو اس میں دن بدن اضافہ ہی ہوگا آفریں! تم میری ہونے والی ہوگی۔“ اس کی ڈھٹائی کوئی گجرت ہو رہی تھی ساتھ ساتھ اس کی یہ خوشحال بھی نا قابلِ محسوس اس کے لیے۔

”تم اپنی بھابی بندھو۔“ دو ایک دم تب گئی۔ ”یہ کیوں نہیں۔“ اس میں جتنی جا بجا ایرا تھا سنا ہوا ہو گیا تھا۔ اس کی بات کو اس کا من سے۔ ”وہ ہاؤ نہ آئے اس کا اور دیکھ چکا تھا۔

”اب نہیں آؤ گے تو اپنے دانت تو داؤ گے۔“ وہ بھڑک کر بولی۔

”کھڑا ہوں تمہارے سامنے۔ تو ڈر دانت۔“ تمنی نے اسے خون خروشوں سے دیکھا۔

”دھمکیاں میرے حوالے سے اتنی خوش نہیں ہیں کیوں؟“ تمہیں کیا لگتا ہے تم ڈھٹائی کی ساری حدیں پار کرتے جاؤ گے اور میں۔ جواب میں خالی خالی دھمکیاں دی دی کی؟ میں جو کہتی ہوں میں وہ کرنے کی ہمت بھی رکھتی ہوں۔ مجری جوتلی میں ملی دانت لگوانے پڑ جائیں گے تمہیں اس لیے حد میں رہو۔“ اس نے اپنی اٹھا کر وارنگ دی۔ عبدالباری نے اس کی اپنی پلائی۔

”میں اب حد میں نہیں رہوں گا تمنی۔ میں تم سے شادی کر کے رہوں گا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ تمنی نے اپنی جھڑانے کی کوشش کی لیکن ناکام ہو گئی۔ اپنی بے بسی پر اسے اتنے غصہ آیا کہ اس نے چٹخا اسے غور کرانے کا سوچ لیا۔ جو کہ اس نے اس کے دانتوں پر مکا دانے کی کوشش کی، عبدالباری نے اس کا دھرم ہاتھ بھی تھا لیا۔

”تم جو چاہے تم کو تو تمنی لیکن پلیز میرا دل مت توڑو۔ بہت یادگار کتابوں میں تم سے بہت زیادہ۔“ تمہیں ابھی اور بھی سے محاذوں پر لڑنا ہے۔ تم ساتھ دے سکتیں تو کم از کم راہ کے پھروں میں

اضافہ دے مت کر دو۔" اس نے کچھ اس انداز سے کہا
مصلحت کی نظر میں جنگ نہیں۔ اس کی آنکھوں میں
پانی بھر نے لگا تھا۔ اس نے تیزی سے اپنے ہاتھ
چھڑا دیے اور وہاں سے نکل گئی۔ عبدالہادی وہیں کھڑا
رہ گیا۔

☆☆☆

اگلے روز مٹاز پھر سے آن موجود تھیں۔ آج
ان کا رویہ جد سے زیادہ دوستانہ تھا۔ مصلحت کو دیکھ
کر عمو اس کے چہرے پر ناگوارائی نہیں لگتی تھی
لیکن آج وہ اس سے بہت ہی خوش اخلاقی سے ملے۔ اب
ابھی وہ حیران ہو رہی تھی کہ مٹاز نے بات شروع
کی۔ اس وقت وہاں ملکہ، سلیٹر اور مومنا بھی موجود
تھیں۔ ملکہ نے مومنا کو دو سے تین بار اس کی کاس بھی
کرا سے اپنے دوپٹے میں لپیٹ دکھائی ہی پڑی تھی۔
پھر جرب سے سلیٹر کی اس میں مومنا اپنے وقت کا کچھ
حصہ ان کے ساتھ گزار کر ان کے ہاتھ کے بارے
میں کچھ نہ کچھ پوچھتی رہتی تھی، جنہیں سننے کے بعد
سے مومنا کے مزاج میں ٹھنڈا آتا جا رہا تھا۔ ملکہ اب
پھر سے اس کی شادی کا سوچ رہی تھیں۔ سلیٹر کے
آنے سے پہلے وہ بھی پریشان تھیں۔ اب اتنا ہی
خوش تھیں۔ اور جو جائیداد کے حوالے سے ان کے دل
میں یہ ایمانی پیدا ہوئی تھی وہ عمل طور پر ختم ہو گئی تھی
پانی مرگ ضرور ہو گئی تھی۔

مٹاز نے اپنی آدھ کا مقصد ان کے سامنے رکھا تو
سب سے پہلے مومنا نے بے کشمائی کی۔
"خدا۔ اگر یہ رشتہ اتنا ہی اچھا ہے تو آپ
شانزے کی بات وہاں کیوں نہیں جانتے؟ شانزے
مصلحت سے عمریں پڑی تھی ہے اور اپنی تعلیم بھی
کر چکی ہے۔ مجھے کچھ کو بھی تعلیم مل کر ہی ہے۔"
اس نے نہایت بڑی اور کینسر سے اپنی بات کا اظہار کیا۔
بات اتنی مستحق کی کہ سننے کی بات تو ناگوار تھی
نہ سمجھا۔ البتہ مٹاز کو دل کھول کر رہ گیا۔
"میں سے پہلے شانزے سے کسی سوچا جا سکتا تھا
فی الحال شادی کے لیے راضی نہیں۔ ابھی کچھ وقت

بڑاں کے اسرار و رموز سمجھنا چاہتی ہے۔ میری بچی
بہت ٹیٹھڑے ہے، اپنے گھر گھر کے حوالے سے بہت
سنجیدہ ہے۔ لوگوں کو بھی نہیں کر تعلیم ادھوری چھوڑ کر
شادی کے لیے اتلا کلا پن کرے۔" مٹاز بھی اپنی
خالہ تھیں۔ چھٹ سے اسے طعنہ مار دیا۔ مومنا کو
شدید برا لگا، اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا
کہ پاس بیٹھی سلیٹر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دیا۔ اس
نے ایک نظر نہیں دیکھا اور پھر مٹاز کو۔
"ملکہ کہہ رہی ہیں آپ مجھے شادی کا بہت
شرق تھا، شادی کے شوق پر ہوا کر لیا میں۔ اب
پھر سے اپنی ادھوری تعلیم مکمل کر رہی ہوں۔ لیکن
ہماری مصلحت کو فحش و برا بھلا نہ بنائے۔ اور اسے شادی
جیسی خرافات میں وقت سے پہلے بچھی لینے کا شوق
نہیں۔ اس لیے آپ کو بھی ان کی اور لڑکی
دکھا دیں۔" وہ خور سے بولی۔

"تجربہ کر مومنا! مٹاز مصلحت کا تو ابھی
رزلت بھی نہیں آیا اور میرے بھی اسنے سال ہی نہ ہے
دور رہی ہے۔ ہم نے تو اسے ابھی کی بھر کر دکھا بھی
نہیں۔ اپنی جلدی شادی و دھیرہ کو کسی بھی معاملے کو
ہم چھیڑنا نہیں چاہتے۔ اب اگر چاہو تو اسے مومنا کی
مرسی پر چل لو۔ اگر اسے لڑکا پسند آ جائے تو ہم باقی
محاملات کے حوالے سے سنجیدہ ہو جائیں۔"
مومنا نے شدید برا کھی۔ یہ بات کو دیکھا۔
مصلحت نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرائی۔ مٹاز کو اس کی
مسکراہٹ سے عجیب سی نفرت محسوس ہوئی۔ اس کی یہ
لڑکی دیاتی تو کبھی آسانی سے ان کی اپنی اس گھر کی بھو
بن جاتی۔ ایک بے حد اعیار اور خوب صورت داما
انہیں مل جاتا۔ اور جو مرضی چاہے مرضی سنوا سکتیں۔
ان کی بیٹی کی خواہش بھی پوری ہو جاتی اور ان کے
گھر سے بڑس کو بھی مربوط سہارا مل جاتا۔ انہوں نے
سوچ لیا تھا کہ وہ اپنے چکر میں ہی ان سے ایک بار
پھر شانزے اور عبدالہادی کی شادی کی بات کر دیں گی
لیکن یہاں مومنا کی پائی نہیں۔ اس سے پہلے ہی.....

☆☆☆

یہ لڑکی اس کی سوچ سے کہیں زیادہ لبریر تھی۔
اس کے اپنے حق سے انکار کے باوجود بھی
عبدالہادی کو کہیں نہ کہیں دل میں کچھ تو ایسا شے
اشامہ محسوس ہوتا تھا کہ اس کی بہت تھیں فوٹی۔
مومنا نے اسے رشتے والی بات سے بھی آگاہ کر دیا
تھا۔ اگلے ہی روز ان سے ان کے سامنے یہ بات
رکھ دی۔... منظور صاحب کی موجودگی کے باعث ملکہ
کو خاموش رہنا پڑا تھا۔ دو سے تین دفعہ انہوں نے
عبدالہادی کو شک کی نظر سے دیکھ لیا تھا۔ بھلا ایسا
کیسے ممکن ہے کہ دنیا جہاں کی حسین لڑکیاں چھوڑ کر وہ
ایک بھاری لڑکی کے عشق میں جلا ہو گیا؟ لڑکی بھی وہ جو
اسے گھاس بھی نہیں ڈالتی تھی اور وہاں ہمارا کس کے در پر
صاف انکار بھی کر چکی تھی، انہیں اپنے بیٹے کی دہائی
حالت پر بے چارے لگے۔ لیکن یہ معاملہ ایسا نہیں تھا
کہ وہ اس پر کھل افشانی کر سکتیں۔ منظور صاحب کو جب
سے اپنی چھڑی بہن اور بھانجی کی مصلحت سے وہ
بھٹوں کے دربار پر بارہا رہے تھے۔ اسنے سالوں کی کسر
وہ شاید ان لوگوں ہی پوری کرنا چاہتے تھے۔

مصلحت کی پیاری کاس کر تو ملکہ کو بھی اچھا خاصا
دکھ ہوا تھا۔ منظور صاحب کی آنکھیں پھرتی تھیں۔ ان
کی کہن نے کتنے تکلیف بھرے دن گزارے ہوں
گے۔ ایسے دن جن میں انہیں اپنے انکڑے رشتے کی
کی شدت سے محسوس ہوتی ہوگی لیکن وہ ناامنی میں
ڈوبے ہوئے چہرے سے لاپرواہ رہے۔ پلٹ کر بھی دیکھا تک
نہیں، اس بات کا خیال شاید ساری عمر ہی رہتا۔
عبدالہادی نے اپنا دل کھول کر ان کے سامنے دکھ دیا
تھا۔

"نو مصلحتی ان رشتے کے لیے راضی ہے اور نہ
ہی چھو چھیں۔ لیکن میں نے پچھو کر دہائی کر لیا
ہے۔ آپ بس کسی بھی طرح اسے مانیں
پاپا میرے لیے دنیا کی سب سے قیمتی لڑکی بس وہی
ہے۔ وہ دہائیت سے ہی مال باپ کے سامنے بہت تول
کر بات کرتا تھا لیکن دل کو ایسا دھڑکا تھا کہ وہ سب
کچھ بول گیا۔ منظور صاحب نے چہرے پر بے اختیار

ہی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"تم پریشان مت ہو۔ جب سب راضی ہیں تو
وہ بھی مان جائے گی۔ میں بات کروں گا اس
سے۔" انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
ملکہ کو ان کی یہ بات بالکل پسند نہیں آئی تھی۔ ان کے
ہاتھ کی ہتھکڑیوں کو منظور صاحب نے ہرگز بغیر انداز
نہیں کیا۔
"انہیں کیا اعتراض ہے اور کس بات پر ہے؟"
انہوں نے بتائی گئی کھنی رکھے بغیر ان سے براہ
راست پوچھا۔

"اگر ہاں صرف عبدالہادی کی ہو تو اس
بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کی آنے والی
نسل اس کا تو کچھ سوچیں۔ بھانجی کی محبت میں ایسا
فیصلہ ہرگز مت کریں جو مستقبل کے لیے مستقل
غلاب بنے۔ پہلے پوری کو سمجھنا کہ بعد میں مرکی
جیل جلا بچھو کو گئی۔" ان کی بات پر عبدالہادی نے
ترک کر اپنی ماں کو دیکھا۔

"مجی بوے بول ہو تے ہیں جو آگے ہماری
زندگی کو مشکلات میں دھکیل دیتے ہیں۔ جنہیں باپ دھوکا
جب سلیٹر نے مجھ سے اپنے کیے کی معافی مانگی اور مجھ
سے یہ کہا کہ کہن نہیں ہیں۔ کچھ کر معاف کر دیں
میں نے کتنا اذیت کرا اس سے یہ کہا تھا کہ اگر میری بیٹی
سے بھی کسی ذلت کی تو میں اسے زندہ دفن کر دوں گا،
اگر اس وقت میں یہ نہ کہتا تو شاید یہ بھی نہ ہوتا۔
خدا نے مجھے اس شادی مجھے ڈال دیا تھا کہ دن کو دکھا دیا۔
کو کتنی مجھ سے اس کے آکھو مجھ سے نہ دیکھے گئے۔ اور
میں نے اسے معاف کر دیا۔ مجی وہ فرق ہے جس
نے مجھے اس تک شرمندگی میں مبتلا کر کے رکھا ہے۔"
منظور صاحب نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کر کے
پولٹا شروع کیا۔
"وہ معاملہ بالکل الگ ہے۔ اور یہ مسئلہ قطعاً
غلط ہے۔"
"بیک وقت بات نہ کرو۔ کمال کے بیٹے جیہ ہیں
چھیں؟ وہی کمال جو تمہارا زخمیاں رشتہ دار ہے۔... ان

کے خاندان میں کس کے گھر معذور بچے پیدا ہوئے تھے سوائے اس کے؟ کیا اس نے ان معذور بچوں کی پیدائش کے جرم میں بیوی کو قتل دے دی یا ان کی پیدائش میں کسی خدا نے ایک پناہ دی ہے تو اس کا علاج بھی بچتا ہے... اگر کوئی ایسا پناہ میں مبتلا ہے جو موروثی بھی ہو سکتی ہے تب بھی نہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم ان کی فکر بھی اپنے سر سے لیں جراثیم اس دنیا میں آئے ہی نہیں؟ ایک ایک صورت جس کے وجود میں کیسے رہے، وہ بھی ایک سخت تندہ بچہ پیدا کر سکتی ہے جو پھر خدا کی رحمت سے انکار کیوں؟ میں نے خود کو ایسے جوڑے دیکھیں ہیں جو عمر کے مرض میں مبتلا ہیں لیکن خدا نے انہیں سخت مند اولاد سے نوازا ہے... کیا تم اپنے داغ میں آئے والی سوچوں اور خوف کو خدا کی رحمت سے بھی بڑا سمجھو؟" ملکہ نے وہ راز متناظر بناتے ہوئے خاتون کا ہاتھ لگا لیا۔

"بہت محبت ہے تمہیں اپنے بچے اور اس کی آنے والی نسل سے؟ تو اس محبت کا ثبوت اسے سپرد کر کے دو... ان کی خوش حالی اور تکلیفوں سے پاک زندگی کے لیے دو چہرہ دل دعا میں کرو... اور خیر باد اس بارے میں تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی... اپنی بہن سے بھی نہیں... نہ ہی شازنہ سے... کوئی ملتی کو حق طلب نکالوں سے دیکھتے مجھ سے یہ بالکل برداشت نہیں ہوگا"

ملکہ جنہوں نے چند سیکڑز میں ہی سوچ لیا تھا کہ وہ ہر جہاد پارک کے کئی اس رشتے کی مخالفت کریں گی... وہ خبر لیا ہاتھ کی قائل ہو گئیں... دل اب بھی راضی نہیں تھا لیکن زندگی میں بہت کچھ ایسا بھی ہوتا ہے جس کے لیے دل راضی نہ ہو تب بھی اس کام کے ہونے کی دعا کرنا سود مند ہوتا ہے۔ اور ابھی کچھ عرصے پہلے ہی تو سونہ کا مسئلہ ہوا تھا۔ اس واقعے کو منظور صاحب نے اپنی بات سے جوڑ دیا تھا اس چیز نے انہیں بالکل ہی خاموش کر دیا۔

کچھ دن تو خاموشی چھائی رہی... ملکہ خود کو راضی نہ تھی یہ مصروف رہیں... جی تو تھا کہ سلیقہ

نے کبھی بھی ان کے کسی بھی معاملے میں دخل نہیں دیا تھا... اور اب دلیاں آجاتے کے بعد کسی وہم کی ہی معاملے میں کچھ نہیں سمجھیں... ملتی کی شکل تو اب بھی اسی تھی لیکن مزاج اور انہیں سخت کی لکین بدیزہ وہ بالکل نہیں تھی... اس خاتون کے بعد بھی انہوں نے اسے مصروف ہی پایا۔

وہ اپنے پندہ میں مشغول ہی مصروف رہتی... نوکروں کے ساتھ بھی اس کا رویہ بہت اچھا تھا لیکن انہوں نے یہ بات بھی نوٹ کی تھی کہ وہ کسی بھی کامی دلی کو فری نہیں ہونے دیتی... ایک حد میں رہتی وہ خود جو عزت یا رعب کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ انہوں نے اسے اتنے عرصے میں جن کے قریب بچھٹے ہوئے نہیں دیکھا تھا... وہ اب معلوم ہوئی... وہ اس میں موجود خامیاں تلاش کر رہی تھیں لیکن ابھی بھی قابل گرفت باتیں انہیں نہ تھیں... اگر وہ اس پندہ کی بھول جائیں تو ملتی ان کے بیٹے کے لیے بہترین تھی... لیکن وہ دیکھی ایک بات بھول نہیں پارہی تھیں... یہ ایک بات ان سے نظر انداز بھی نہیں ہو رہی تھی... وہ شوہر کے سامنے اس بات کا اقرار کر چکی تھیں کہ وہ اس رشتے سے خوش نہیں تھیں یہ وہی تھی کہ وہ اس بارے سے معاملے میں کوئی بھی ملتی ہو نہیں سکتی تھی... وہ اس بات پر بے حد خوش ہو گئے تھے اور درجہ تک ان کا شکر بھی یاد کرتے رہے تھے۔

وہ دلی دل میں خوب شرمندہ بھی ہوئیں لیکن جیسے تو انسانی... منظور صاحب نے ان کی لاکھ منتوں کے بعد بھی سونہ کی شکل دیکھنے کی عادی ہو رہی تھی اور اس کا کردار چہرہ دیکھ کر وہ دل کو سخت نہیں کر پاتے تھے... شیک ایسی طرح اب وہ بھی دل کو سخت نہیں کر پاتی تھیں... ایک بات منظور صاحب نے مانی وہ ان کا دل تھا اب انہیں کسی بھی گرفت نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

ملتی اب کم ہی بیچے آتی... آتی بھی تو ایسے وقت جب عہد البراری غیر موجود ہوتا جتنا پانی بین سے دو بار ہوا تھا... کی خواہش میں میں لیکن جب

بھی وہ گھر آتیں سونہ بہرہ رفت وہیں موجود رہتی اور ساتھ ہی زبردستی سلیقہ کو بٹھانے لگتی... وہ بات کر ہی نہ پاتیں سونہ نے ان کے ارادے کو حجاب کے تحت ہی لیے تو سائے کی طرح باس سے چپکی رہتی کہ کبھی وہ بدل نہ جائیں... اسے شازنہ سے اب کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن وہ اپنی چھوٹی محبت میں مبتلا ہو چکی تھی... شازنہ اور سلیقہ کے رویے کا فرق تھا... بہت محسوس ہوتا... وہ آخر خود سلیقہ کی جانب مچھتی چلی جاتی تھیں... اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ عہد البراری کتنی کے عشق میں ڈوب چکا ہے... اسے ممتاز کا ہر انداز ہی مشکوک لگتا۔

منظور صاحب نے اب تک اپنی بہن سے کوئی بات نہیں کی تھی... وہ چاہتے تھے کہ ملکہ پہلے خود کو راضی کر لیں پھر ہی وہ اس بارے میں سلیقہ سے بات کریں گے... فیصلہ جو ہو چکا تھا وہی رہتا تھا لیکن وہ انہیں وقت دے رہے تھے تاکہ وہ خود کو تیار کر لیں۔

یہ بھی اچھا ہے... بہتر ہے... انہوں نے دل ہی دل میں خود کو دلی... ان کے لیے اس بات کے لیے خاموشی اختیار کرنا ہی بہت مشکل کام تھا... وہ بغیر کچھ سوچے ہی اوپر آ گئیں... ان کا رشتہ ملتی کے کرے کی جانب تھا... دروازہ کھلا تھا لیکن وہ غیر موجود تھی... ایک کونے میں بڑی میز پر ڈیجر سارا سامان بڑا تھا... وہ کمرے کو گور سے دیکھی اس میز کے قریب آ گئیں... سامنے ہی دو بار پر موجود ایک بڑی فٹلی گھاس پر دو چھوٹے چھوٹے خوش موجود تھے... یہ بھی ان کے سونے دھماکے سے بڑے تھے لیکن انہیں بنا نہیں گیا... انہیں بنانے کے لیے وہ اس طریقہ استعمال کیا گیا تھا... ایک کونے میں سونہ میں کسی کارڈ تھا... انہوں نے بہت دیر تک ہر کسی اس سونہ کو دیکھا... غور سے دیکھ کر انہیں علم ہوا کہ یہ تو سفید جراب سے بنایا گیا ہے... انہیں کسی آگئی... اسی وقت ملتی کمرے میں داخل ہوئی... انہیں اپنے کمرے میں موجود چیزوں کی

طرف متوجہ دیکھ کر وہ حیران ہو گئی... اسے لگا کہ وہ ضرور اس سے کوئی بات کرنے آئی ہیں... اس کے داغ میں کچھما کا ہوا... ناپندہ یہ بہو کہیئے سے دور کرنے کے لیے بہو کے باس جا کر ہی اسے دو چار دھکیلوں سے نواز کر اس مسئلے سے جان چھڑانے تو نہیں آئیں؟

شہر سے کوئی بھی آپ کی سوچیں پڑنے پر قادر نہیں... اور صرف سوچوں کو بنانا کرنا ضرور ہوتا ہے... ان میں کو موجودی کھس کر کے انہوں نے اس کی طرف دیکھا... ان کے کچھنے میں ملتی مسکرائی... "آپ کب آئیں؟" وہ حیران تھی۔

"بس ابھی کچھ ہی دیر ہوئی ہے... جہاں سے مشاغل بہت اچھے اور کثرت ہیں... ان چارے پیارے خرگوں کو دیکھ کر تو ایک بار میرا دل چاہا کہ میں ان کو گدیں میں لے لوں... ان دونوں کی کوئی دوسری نہیں لیکن لیکن ملکہ نے بھی اسی طرح عمل کر کر تفریق نہیں کی تھی... اسی لیے ملتی کو حیرت ہوئی...

"یہ تو بہت ہی آسانی سے بن جاتے ہیں اور جلدی بھی... وہاں حیدر آباد میں جب میں چھوٹی تھی تب میری طبیعت بڑے بڑے دھتے بعد خراب ہو جاتی... کبھی باہر لگی کے بچوں کے ساتھ کھیلنے کھیلنے دور در پڑ جاتا تھی اسکول جاتے ہوئے... اس مسئلے کی وجہ سے بہت سے بچے جو میرے دوست تھے... دوست نہ رہے... کھانا کی وجہ سے میں اوس رات ہی اس سے میری طبیعت مزید خراب ہو جاتی... پھر ایک دن ہمارے محلے کی ایک بڑی خاتون نے ہم سب ماٹی لگی کچھتے تھے وہ آئیں... وہ میرے لیے ایک چڑا سلوا جاتی تھیں... انہوں نے میرے لیے سفید قمیص پر ایسے ہاتھوں سے بہت خوب صورت کڑھائی کی تھی... اس جوڑے کو دیکھ کر میرا دل چاہا میں بھی کسی کو اپنے ہاتھ سے چڑ بنا کر کھنے میں دوں... کیا وہ بھی اتنی خوش ہوگا جیسی کہ میں ہوئی؟ اس دن کے بعد سے میں روز ماٹی لگی کے گھر جانے لگی... ٹھوڑی عرصہ بعد وہ کوئی تو انہوں نے اپنا سارا ہنر میری

ان انگلیوں میں پرویا۔ لیکن بے باقی چیزیں تو میں
 ان سے بیعت سے دیکھ کر ہانا بھی ہیں۔۔۔" اس نے
 اس بوڑھی کو یاد کرتے ہوئے داستان سنا۔ "مالی اسی
 کا وہ جہیزوں سے بھرا کھڑے نقش واولا حسین چہرہ
 اس کی نظر ہوں میں کھم کیا۔" میں آج تک بے بات
 جان نہیں پائی کہ اس مصروفیت کی بدولت میری
 طبیعت میں بھڑکی آئی یا پھر وہ جو درپردہ مجھ پر کچھ
 نہ کچھ پرادر کھینچ رہی تھی اس سے یہ دور سے کم
 ہوئے۔ "وہ ان سے پہلی بار یہ ساری باتیں شہر کے
 برقی کی پیلے کی وہ اس کے پاس اکیلے کھینچ رہی تھیں
 تھیں۔۔۔ بیشک کوئی نہ کوئی لگا ہوتا تھا۔ آج کیلئے میں
 وہ پہلی بار ان سے مخاطب تھا۔
 "خدا کے کام میں بہت طاقت ہوتی ہے۔" انہوں

نے زنی سے کہا۔
 "واقعی ایسا تو ہے۔ اس نے بھی تائید کی۔
 پھر انہوں نے اس سے کافی دیر باتیں کیں
 جاتے ہوئے انہوں نے اس کے کال کو چھوٹے
 ہوئے۔
 "مجھے تمہیں اپنی بات پر بہت خوشی ملے
 گی۔" یہ جملے اس کے لیے بالکل غیر متوقع کمر
 خوشی سے پھر پڑے۔
 وہ کتنی ہی دیر ان کی طرف ناقابل یقین
 لگا ہوں سے دستبردار رہی۔۔۔ وہ پچھلے میں۔۔۔ جبکہ ملتی
 آپس کی کیفیت کے ذریعہ اس کی تھیں۔۔۔ اس سے پہلے اس
 نے بھی محسوس نہیں کیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا
 بدن دلی کو کولا ہے اور وہ اس تیری تیری پھرتی ہے۔۔
 اس نے خوشی کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے گول
 واڑے میں پھر لگاؤ۔ "کھلائی، کھلی، کھڑکی
 کھول کر ہوا کی تازگی محسوس کرتے ہوئے اس نے
 اسے خوشبوؤں سے مغلط کیا۔۔۔ جب دل خوش ہوئے
 ہر چیز میں مکمل بھیگ گئی ہے۔ تو ثابت ہو کر اسے
 عبدالہاری سے شادی کرنے میں کوئی سبب نہیں تھا۔
 اسے ریمینکٹ ہونے کا خوف تھا اور جب آج اسے
 پسندیدگی کی سہل کی تو وہ ہرچیز بھول گئی۔۔۔ اور اسے

میں کھڑی سلیقہ اسے اس قدر خوش دیکھ کر حیران
 تھیں۔۔۔ کیا اس کے دل میں بھی عبدالہاری کی محبت
 نے گھر کر لیا تھا؟ کیا وہ بھی اسی شدت سے جانتی
 تھی شدت انہیں عبدالہاری کے لب و لہجے اور انداز
 میں محسوس ہوتی؟
 وہ وہاں سے چلی آئیں۔ ان کا دل بونے لگا
 تھا۔ اگر کھلے اسے قبول نہ کرتی تو ان کی اپنی اپنی
 ساری زندگی دل پر کر رہتی۔
 اس رات وہ جاگتی رہیں اور ملتی کی خوشبو بھری
 زندگی کے لیے دعا میں باقی رہیں۔۔۔ جبکہ ملتی۔۔۔ وہ ایک
 بہت ہی رکھون بند ہو گئی۔ "وہاں خوشی کی کہ وہ لگا بھی
 بھول گئی لیکن حیرت انگیز طور پر اس کی طبیعت بالکل
 خراب نہیں ہوئی۔۔۔

☆☆☆

ایک بڑے بھدان کا رشتہ ملے ہو جانے کا اعلان
 کر دیا گیا۔ ملکی نہیں ممتاز نے سخت غصے کا اظہار
 کیا۔ وہ انتہائی غصے سے ان کے گھر آئی تھیں۔
 "تم ایسی طرح جانتی ہو کہ میری شازنہ سے
 تمہارے بچے کو کچھ نہ ہے۔ پسند کرتی ہے۔ پھر بھی تم
 اسے ان کا رشتہ اپنے شوہر کی بھانجی سے ملے کر دیا؟
 میری بیٹی سے زیادہ عزیز ہوئی ہے وہ نہیں؟" وہ
 سخت دکھ اور تکلیف میں تھیں۔ ملکہ جانتی تھیں کہ کیا
 موقع آئے گا کہ انہیں اپنی منگائیاں دینی پڑیں گی۔
 شازنہ سے ان کو کوئی گالبن کیا تھا۔
 "مجھے آج بھی شازنہ سے زیادہ کوئی بھی
 عزیز نہیں لیکن میں عبدالہاری کی مرضی کے لیے اپنی
 خواہش نہیں روک سکتی۔" ملتی جب یہاں نہیں گئی تب
 بھی میں نے تم سے یہی کہا تھا کہ اگر عبدالہاری کی مرضی
 ہوئی تو میں بھی رشتے کی بات بھجوروں گی۔ میں نے اس
 اس وقت بھی نہیں کہا کہ آسمان یا دلا سائیں
 دیا۔۔۔ جہاں تک شازنہ کے کیا بات ہے تو میں اس کے
 دل کی حالت سے واقف ہوں لیکن ایک اس کی
 خواہش کی نوبت نہیں۔ اس کی محبت کی طرف ہے
 جب کہ ملتی بھی عبدالہاری کو پسند کرتی ہے۔ مجھے

تمہارے غصے کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی۔ کیا
 عبدالہاری نے شازنہ سے محبت کا لامحک رکھا
 ہے؟ اس سے مجھ کو وعدہ کیا ہے؟ کیا آپریا ہے تو یوں
 میں آج ابھی اسی وقت اس کا نکاح شازنہ سے
 کرواؤں گی۔ لیکن اگر کیا نہیں ہے تو میں اپنا دل
 بڑا کرنا ہوگا۔ اس حقیقت کو سمجھنا ہوگا کہ بیشک ہماری
 مرضی اور خواہش کے مطابق ہی ہر کام نہیں ہوتا۔
 کچھ چیزیں ہماری مشاکفہ الٹ بھی ہوتی ہیں۔
 عبدالہاری صرف میرا بیٹا نہیں تھا بلکہ ہمارا بھی
 بچہ تھا۔ شازنہ سے کا وہ ہوگا کیا۔ اپنے بھانجے
 کی خوشی کو بھی نظر میں رکھنا ہے۔ کیونکہ تمہاری محبت
 صرف شازنہ کے لیے نہیں ہے۔ میرے عبدالہاری
 کا بھی حق ہے اس میں۔۔۔

ممتاز جب روٹی نہیں۔۔۔ وہ سزا دے کچھ کہنے کے
 قابل نہیں ہیں لیکن وہ دہاں رہی ہیں۔۔۔ ملتی کو
 دیکھ کر جو ان کے دل میں فطرت الہی تھی وہ انتہا کو
 پہنچ گئی۔ انہوں نے اسے ایک نگاہ دیکھا اور دوسری
 نگاہ ڈالے بھائی وہاں سے چلی گئیں۔
 اب تمہارے دل ہی دل میں مجھے وہ کتنی بد
 دعا تھی۔ دے کر گئی ہوں لی۔ اس نے بے دلی سے
 سوچا اور بچے آگئی جہاں ملکہ کی گہری سوچ میں کم
 جیتی تھیں۔ ان دونوں کی تمام گفتگو وہ بھانجی اور
 واقعی بات بھی درست تھی، اسے حیرت ہوئی کسی کوئی
 اپنی محبت کا یوں بھی لگا تھا کہ اسے کیا؟
 شازنہ سے اس بات کا احساس کرنا چاہیے کہ وہ
 لڑکی ذات ہے۔۔۔ کہ عبدالہاری کو اس میں وہ نہیں
 ہوتی تو مجھ سے شادی کے لیے منہ کیوں کرتا؟ اسی
 کا تھا کہ کیوں نہ تھا؟ اس کی ماں اور اسے ان
 بار کیوں کا احساس کیوں نہیں یا پھر ان کی سوسائٹی
 میں یہ باتیں اپنی عام حرام کر کے کی بھی عزت کس
 بجز دیکھ ہوتی۔
 وہ یہ ہی سب سمجھتی ہوئی باہر لائے
 ۔۔۔ ملتی۔۔۔ لان میں کوئی بھی نہیں تھا۔ عبدالہاری ان
 دونوں کے بعد مصروف تھا اور اس نے کھڑا کیا کہ وہ

مصروف ہے۔۔۔ وہ نہ وہ اسے اچھا خاصا پریشان
 کر دیتا۔
 اسے یاد کرتے ہوئے ملتی کے چہرے پر بڑی
 چارویں مسکراہٹ چمک اٹھی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں
 تھی کہ عبدالہاری، اس کی زندگی کا سب سے بڑا
 خواب، خدا کی آتی آسانی سے پورا کرے گا۔
 یہ سچ ہونے والا تھا، اس خواب کو بچے ہونے میں محض
 چند ماہ کی بات تھی۔ ہرگز رات دن ملتی کی طبیعت میں
 بھڑکی کی نوید نہ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے حسن میں
 کچھ تھا شازنہ ہوا تھا۔ عبدالہاری کو تو وہ پہلے بھی
 سب سے حسین لڑکی لگا کرتی تھی لیکن ان دنوں تو اس
 کا رویہ ہی الگ تھا۔
 اتفاقاً وہ اسی شام جلدی آ گیا۔ رشتہ ملے
 ہو جانے کے بعد ہی اس نے ملتی کے لیے بغیر ہی
 لان میں جھول لگوا دیا تھا۔ وہ جب بھی لان میں آتی
 اسی جھولے پر بیٹھتی۔ ہارنے لے آئے دیکھا اور فوراً
 ہی اس کے قریب بیٹھ گیا۔
 "یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" وہ اس کے برابر بیٹھے
 ہوئے بولا۔
 "سوچ رہی ہوں دل چاہ رہا تھا تو آگئی۔ آج تم
 جلدی آ گئے۔" اس سے بات کرتے ہوئے اس
 ملتی کا لہجہ اور خورم ہو جاتا تھا۔
 "ہاں، میں کافی دن سے مصروف تھا تم سے
 ٹھیک طرح بات بھی نہیں ہو پائی میری اس لیے
 میں نے سوچا کہ آج وقت نکال کر تمہارے ساتھ کچھ
 وقت گزارا جائے۔" وہ سر ہانکا۔
 "میں بیکر سے تبدیلی کر لوں، پھر باہر چلے
 ہیں۔ ٹھیک ہے؟" ملتی نے غصے ہوئی شکل بنائی۔
 "کیا ہوا؟ کیا نہیں جانا؟" اس نے پیار سے
 پوچھا۔ اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔
 "میں بھی تم کی اس طرح سے بات کرتے ہو
 جیسے میں لڑکی نہیں کوئی کچی پٹی ہوں۔" اس نے
 مسکراتے ہوئے کہا۔
 "لڑکیوں کا دل بھی بچوں جیسا ہی ہوتا ہے۔ پیار

سے مکمل جاتی ہیں۔ اس کی آکھیں جھنگنے لگیں۔
 "کیوں نہیں تو تمہارے پیار سے نہیں مکتی۔" وہ
 شرارت کر ادا ہوئی۔
 "مجھ سے یا میرے پیار متاثر ہوئے بغیر
 تمہیں مجھ سے محبت ہوئی۔ اس سے زیادہ کی ضرورت
 نہیں مجھے۔" وہ نرمی سے بولا۔ "مثنیٰ اس کا چہرہ بھی
 رہ گئی۔"

"اتنی جلدی کوئی کسی سے اتنی محبت کیسے کر سکتا
 ہے؟" اس نے سوال کیا۔
 "یہ تو تم خود سے پوچھو۔" وہ ہنسا۔ "مثنیٰ نے
 مجھ سے اس وقت سے سنا رکھا ہے۔ اسے بھی تو عبدالباری
 سے بے وجہ محبت ہوئی۔ محبت بے وجہ ہی ہوتی ہے
 ہاں اسے برقرار رکھنے کے لیے وجوہات بہت
 ضروری ہیں۔"

☆☆☆

اس شام کے بعد ہر شام وہ آفس سے جلدی
 آ جاتا۔
 اس کے ساتھ وہ جیں بیٹرک ہاتھیں کرتا۔ مثنیٰ
 جاتی تھی کہ وہ شادی سے پہلے باہر گھومنے پھرنے
 کے سلسلے کو بند نہیں۔

اس نے مثنیٰ کی بات مان لی۔... چھ مہینے میں
 سے صرف ایک مہینہ عبدالباری کے ساتھ تھا کیونکہ کارخانہ
 کے بعد تو اس نے پوری زندگی ہی اس کے نام کر دی تھی۔
 دن بچہ نہیں تھے۔ بہت خوب صورت۔ عبدالباری اس سے پہلے
 جیسے، رنگین، کھلے کھلے، جیسے... وہ ان کی خوشبو کو
 محسوس کرتے سرشار رہتی۔ وہ جھولے پتھر کی سی اس
 باتوں میں جھونے ہوئی تو اسے لگا اس سے جتنی کھسکی اس
 زندگی میں بھی آتی نہیں سکتا۔ رات کو کھانے کی پیمپل سے
 جب وہ صبح کے ساتھ مثنیٰ کو عبدالباری اسے پہلے
 چیکر چکنا چب، وہ خود کو عجیب سے احساس میں مبتلا پائی۔
 زندگی کی سب سے بڑی خوشی سے اس نے خود کو خرم
 سمجھا تھا لیکن خدا نے اسے ستر سال سے نواز دیا کیا اس
 دنیا میں اس سے بھی زیادہ کی خوش قسمت لڑکی موجود
 ہوگی؟ وہ اکثر سوچتی۔

جب سے اس کا رشتہ سے ہوا تھا شانز سے
 اس کی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس نے وہ بار بار
 دروازے سے اندر قدم بھی نہیں رکھا تھا نہ ہی ممتاز تک
 آئیں۔ یہ خود ساختہ ناراضگی اور ملکہ اس سے اس
 قدر برآم ہو گئی کہ انہوں نے ایک کام بھی نہیں
 کی۔ سلیقہ انہیں کیا بار بار کچل چکی تھیں کہ وہ ان سے ایک
 بار بات کر سکیں۔

"کیسی صورت فون نہیں کروں گی۔" بھلا یہ
 بھی کوئی بات ہوئی۔ انہیں اپنا ہی غم کھانے
 چاہا ہے۔ بچی کی بھانجی ہے کہ اس کا دل ٹوٹا ہے۔ وہ
 دیکھتی ہوئی اس لیے اس نے آنا جانا بند کر دیا۔ ممتاز کو
 کسی بات کا شمار کیا ہے؟ پہلے ہی جب میں نے
 صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر عبدالباری کی رضا ہوئی
 تو میں ضرور شانز سے ملے گا۔ ہاں کی۔ اس وقت ممتاز
 نے یہ بات کی کہ وہ جلد از جلد شانز سے کا رشتہ طے
 کرنا چاہتی ہیں اس لیے وہ انتظار نہیں کر سکی۔ بلکہ
 مجھ سے تو ریتیک کہا کہ ایک جگہ وہ بٹھنے کی بات چلا
 رہی ہیں۔ میں نے تو جب بھی کوئی خط لکھا یا ناراضی ظاہر
 نہیں کی کہ ایک جانب وہ یہ بات کہہ رہی ہیں اور
 دوسری طرف وہ کسی اور جگہ رشتہ طے طے کرنا چاہتی
 ہیں۔ میں نے بھی سوچا کہ شانز سے دہائی ہوئی۔

اب اگر عبدالباری جانتا ہی نہیں تو کیا میں
 زبردستی اسے شانز سے کے ساتھ ہانڈ دوں؟ اسے
 اپنی بچی مزید ہے۔ میرا چاہنا کہ میرا سواٹا ہے۔ ناؤ
 بہت عجیب ہے اور ہی میں۔ سلیقہ نے گل سے ان کی
 بات نہ تھی۔

"اب کیا خبر کہ شانز سے گھر میں بہت دور
 ہو۔ آخر پچھن سے وہ اسے پسند کرتی ہے۔ ماں کا دل
 ہے، وہ کہتا ہوا کہ تو انہوں نے یہ سب کہہ دیا۔ آپ کم
 از کم ایک فون تو کر سکیں۔" وہ سمجھاتے ہوئے
 بولیں۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ اس موقع پر کسی قسم کی
 کی کوئی بدکرتی ہو۔
 "شانز بے جی سے لیکن ممتاز کو تو مصل کرتی
 چاہیے۔... کم از کم بچی کو سمجھانے کے یہ سب قسمت کا

کھیل ہے۔ ماں کو ہی مصل نہیں، بیٹے کیا ان
 پارکیوں کو سمجھیں گے۔ وہ واقعی شدید فتنے میں
 تھیں۔ سلیقہ جب وہ لیکن پھر بعد انہوں نے
 پھر سے ذکر پچھرا اور انہیں کال کرنے پر راضی کیا
 لیکن سلیقہ کو کئی عرصہ وہ دونوں ایک دوسرے کی
 کلک نہ تھی۔ وہ نہیں۔

سلیقہ کے کہنے پر ہی انہوں نے ممتاز کو فون کیا
 تھا۔ بہت بار کال کر فون کرنے کے بعد جانے کیا سوچ
 کر انہوں نے چوتھی کال پر فون نہ لیا۔
 "بیٹو۔" بہت ہی دکھا انداز تھا ان کا، گلہ کا
 دل کچھ اور خراب ہوا۔

"کیسی ہو ممتاز؟ شانز سے کا کیا حال ہے؟
 بہت دن ہو گئے تم دونوں نے پکڑ ہی نہیں لگایا۔"
 انہوں نے بات شروع کی۔

"گلہ ہو تو تم میری بڑی بہن لیکن مجھے تمہاری
 بے کسی پر بڑی حیرت ہوتی ہے، کیسی صورت ہو تم؟
 میرے بچے پر تک چمک رہی ہو؟" وہ گڑ گڑا۔
 "میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔ جو تمہیں طے پر تک
 چمک رہا تھا؟" انہیں تو کچھ بھی نہیں آتا تھا۔
 "عبدالباری اچھی طرح جانتا تھا کہ شانز سے

اسے پسند کرتی ہے، پھر بھی اس نے یہ سب کیا اور
 اگر تمہاری بدورت ہوئی تو وہ بھی اس کی کئی آئی
 لڑکی سے شادی کی خواہش نہ کرنا۔ میں جس ایک ہی
 صورت، ماں کی۔ اگر تم عبدالباری کی شادی سلیقہ
 کے بجائے میری بہن سے کرو۔ شانز سے نے مجھے
 خود بخود کی دھمکی دی ہے، اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں تم
 سب کا پچھتاوا کر دوں گی۔" ان کی ذیاباضن کر تو
 گلہ کا دماغ ہی گھوم گیا۔

"تم اس بچی کو شرم ہے کہ نہیں؟" شانز سے اسے
 پسند کرتی ہے تو یہ اس کا مسئلہ ہے۔ میرا چاہنا مثنیٰ سے
 چاہا کرتا ہے۔ یاد اور میرا بیٹا، گلہ بڑے کچھوڑا میری
 ہی میں نہیں کی کہ میں شانز سے ملے گا۔ ہاں کی۔ تو کیا تم
 دونوں میں اتنی ہی بھی عزت نہیں کہ اس بات کو
 محسوس کر کے ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤ؟ اگر میں نہیں

جانتی تو بھی تم اپنی بچی کو میرے سر پر مسلک کر دو گی؟ اسکی
 کیا کی ہے تمہاری بیٹی جس جو تم اس ایک گھر کے سوا کہیں
 اور اسے جانے سے ہونے ڈرتی ہو؟ اور زبردستی ہمارے
 حوالے کرنے کے؟ تمہارا بیٹا کرشمی ہو؟ ہاں۔۔۔
 جواب دو۔" انہوں نے مجھے میں وہ سب بھی کہہ دیا جو
 نہیں کہنا چاہتے تھا۔ سلیقہ ایک طرف پشیمان ہو کر بیٹھ
 گئیں۔ اب انہیں افسوس ہوا تھا کہ کیوں انہوں نے
 ممتاز کو فون کرنے پر زور دیا۔ دوسری طرف یہ کہہ گیا تھا
 کہ لیکن گلہ نے مجھے سے فون بند کر دیا۔ ان کا کالی بلی
 ہونے لگا تھا اور چہرہ سرخ۔ سلیقہ بھی نہیں باہر کی
 کردہ گلہ کا دل کیسے کریں۔ کچھ دیر بعد انہوں نے خود

ہی فون شروع کر لیا۔
 "میں تو بھی ممتاز کی خود غرضی محسوس ہی نہیں کر
 سکتی تھی، وہ کچھ دیر ہو گیا۔ اسکی ذلتاں برا بھلا آتی ہے۔ دل
 تو چاہتا ہے کہ اس سے ہمیشہ کے لیے رشتہ توڑ
 دوں۔" انہوں نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔
 انھوں میں کی دورانی۔ لیکن ایک بات تو تھی، اور وہ
 یہ کہ جب سے انہوں نے مثنیٰ کو فون سے قبول کیا تھا
 تب سے ایک بار بھی انہوں نے روز بروز کچھ
 حالات کا مثنیٰ کی عبدالباری کے سر ڈال کر مزید کشش
 نہیں بنائی۔ بلکہ انہوں نے عبدالباری سے ذکر بھی
 نہیں کیا تھا۔

"اگر وہ اس وقت ہوش کو کھینچتی ہو تو آپ کم از
 کم ہوش کو کھینچو گے۔ اس وقت لڑنے جھگڑنے سے
 سناں نہیں ہوں گے۔ گلہ انداز ہوتا کہ یہ سب
 کہیں کی میں بھی جی ان سے بات کرنے کے لیے
 زور نہ دیتی، مجھ سے مثنیٰ کو فون لیکن ان کے اس
 رویے کو باطن میں مجھ کو نظر انداز کر دیتے۔ جوابی
 کارروائی کا کوئی فائدہ نہیں۔ میری تو بس اتنی ہی
 خواہش تھی کہ سنے رشتوں کے بننے سے پرانے
 رشتے خراب نہ ہوں۔" وہ دھڑکنے سے بولیں۔ گلہ
 کے چہرے کا تناؤ کم ہو گیا۔

"تمہیں شاید پتہ نہیں کہ پہلے میں مثنیٰ کو کہو
 بنانے کے لیے باطن بھی راضی نہیں تھی، اور میرے
 ساتھ بھی۔"

دل میں جو جذبات تھے، انہیں میں نے تمہارے
بہائی کے سامنے دکھ دیا، انہوں نے مجھے سمجھایا بلکہ
میرے راضی ہونے کا بھی انتظار کیا۔
پھر میں نے دل سے اسے اپنی بہن بنا لیا۔
مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ میری صرف ایک ہاں سے
اسنے سارے لوگوں کی پرتی جڑی ہے، اگر پہلے علم
ہوتا تو مجھے انکار نہ کرتی۔ اور انکار کی ایک وجہ یہ
بھی تھی کہ مجھے لگا تھا کہ متحی عبدالباری کو بالکل پسند
نہیں کرتی لیکن یہ بات تو مجھ کو دل رشتہ سے
ہوجانے کے بعد معلوم ہوئی کہ وہ بھی اس کی محبت
میں مبتلا ہے۔ متحی بھی تو لڑکی ہے، اسے بھی
عبدالباری سے عشق تھا لیکن اس کی وجہ سے
عبدالباری کی ذرات مسائل میں نہانے، اس لیے اس
نے اپنے دل کی کمی کو بھی نہیں، صرف دماغ سے کام
لیا۔ اور ایسا تمہاری آنکھیں بہت سے ممکن ہوا۔
جبکہ دوسری طرف میری بہن ہے۔ شازنہ کو
بجائے سمجھانے کے وہ اس کی ذات کو تماشاً بنا رہی
ہے۔ بجائے کسی کس کے سامنے اس کے بعد عبدالباری
اور شازنہ کی جھوٹی دھڑکن محبت اور پھر دوسرے
فیسے سامنے ہوں گے وہ متحی کے ہارے
میں کیا کیا کھیل اٹھائیں کرتی پھر رہی ہوگی۔ ان کی
پریشانی بجا تھی۔

☆☆☆

اس کے بعد میرا دور اس کی کھیتی سے ملکہ نے
قطع تھا مگر کاٹاں کر دیا تھا۔
ملکہ کو درد ہر شازنہ سے یاد آتی۔ سننے میں آیا تھا
کہ وہ سادات کرہ بندہ کے پڑی رہتی ہیں۔ ممتاز
اس پر پہنچ جاتی رہتی ہیں۔ ان کا دل عجیب سی
پریشانی محسوس کرتا رہتا۔ اور ہر ایک روز انہوں نے
دل بڑا کر کے ان کے گھر کی راہ لی۔ عبدالباری کو بھی
زبردستی ساتھ لیا۔ حدش کو ممتاز خبر نہ ہو سکی۔ ملکہ
سیدھا اس کے گھر سے نہیں گئیں جہاں وہ اندر چرایکے
بیٹے پر پڑی کی۔ درد اور ملکہ نے اس نے اپنی آنکھوں
پر ہار دیا کر لیا۔

”کون ہے؟ میں نے منع کیا ہے کہ باکرے
کمرے میں کوئی نہ آئے۔ تم لوگوں کو بات سمجھ
میں کیوں نہیں آتی؟“ وہ چلا کر بولی اور سامنے ٹھیل پر
بڑے گلاس کو اٹھا کر مارا۔ ملکہ کے دل کو جیسے کسی
فحشی میں جکڑ لیا۔ انہوں نے لائٹ آن کر دی۔ ان
دووں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں
میں تیرت تھی۔ شازنہ نے ان کی آنچ پر حیران کی جبکہ وہ
شازنہ کی حالت دیکھ کر حیران میں، ان آنکھوں سے
نیچے دیکھنے لگے، جبے ترتیب ہال، کلایا باہر چلا اس
کے خوب صورت ہونٹ سوکھ کے عجیب سے دور ہے
تھے۔ اس کی آنکھیں بھی دیران میں۔ پہلے تو انہیں
لگا کہ وہ شازنہ ان کے لئے پہنچے گی، ملائے گی لیکن
انہیں درد دیکھ کر وہ درد کران کے سینے سے لگی، گردی، گردی
رہی جیسے کوئی کسی مرگ پر رہا ہے۔ اس کے ہونٹوں
کی اوڑھنا پور سے گھر میں گھونک رہی تھی۔ عبدالباری
نیچے بیٹھا تھا۔ آوازوں سے گھر کا دروازہ دروازہ
دووں خالہ ماجھی ایک دوسرے سے ملنے لگ کر آکھو
بہاری نہیں۔

”کیا یہ حال بنا دیا ہے تم نے؟ کیا ہو گیا ہے
جہیں؟“ انہوں نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے
کہا۔

”مجھے یہاں سے لے جائیں۔ پلیز خالہ۔ میں
یہاں رہوں گی تو کھٹ کھٹ کر مچا جاؤں گی۔“ اس نے
تڑپ کر روئے ہوئے کہا۔

”میں نے کہا کہ آؤں گی، اپنی بیٹی کو، لیکن پہلے تم
ریٹیکس ہو جاؤ اور بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟“ انہوں نے
اس کے آنسوؤں کو دیکھ کر ہونٹے پیارے پوچھا۔
”ایسی بالکل باکل ہو گئی ہیں۔ ایک دن آج مجھ سے
کہا کہ میں یہ فائل لے کر آؤں صاحب کے پاس
جاؤں۔ وہی آؤں جنہوں نے انکھ کے آنسو میں بھی
مجھے چھونے کی کوشش کی تھی۔ میں نے جانے سے منع
کیا تو وہی نے کہا کہ یہ کاترکیت ایک صورت انہیں
لے گا جب میں آؤں صاحب کے پاس فائل لے کر
جاؤں گی۔ میں کوئی بیٹی تو نہیں ہوں کہ میں ان

پارکیوں کو سمجھ نہ پائی، اس لیے میں نے سختی سے انکار
کر دیا۔
”تم جی نے مجھ سے کہا کہ آؤں صاحب مجھ سے
شادی کی خواہش رکھتے ہیں اور اسی سلسلے میں مجھ سے
ملنا چاہتے ہیں۔

میں جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ میں نے سوچ
لیا تھا کہ میں ان سے شادی کے لیے ہاں کر دوں گی۔
لیکن جب میں وہاں پہنچی تو انہوں نے مجھ سے
دست درازائی کی کوشش کی اور۔۔۔ اور میرے بتایا کہ اس
کے ہارے میں کی کوسب کچھ معلوم ہے۔ انہوں نے
مجھے کی ریکاڈ آؤں کال کی مانی۔ یہ کیسے ہی وہ
پھوٹ پھوٹ کر روئے گی یہ سب کچھ آؤں شازنہ کا
کر دوں گا میں بتایا لیکن یہ تین کر وہ تھے۔
”ممتاز اتنا کھیل کر کسی نہیں۔“ یہ سب ان کی
سمجھ سے بالاتر تھا۔

”بھرم۔ بھرم وہاں سے کیسے واپس آئیں؟“
انہوں نے کانپتے لیچے میں سوال کیا۔
”بہت مشکل ہے۔“ وہ ایک بار پھر روئے گی۔
”ایفا۔ اللہ۔ یہ سب دیکھنا دیکھنا کر لیا
تھا۔“ ان کا دل جیسے بند ہونے لگا۔

”بیویں کی اتنی خوش باقی لاؤ۔“ ممتاز راہی تو
رہی تھی۔ ”وہ بھی روئے گئیں۔ جبکہ عبدالباری کی
آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔
”ممتاز خالہ کہاں ہیں؟“ اس نے سخت غصے
سے پوچھا۔
”وہ آؤں میں ہیں۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔
”اور تمہارے پاپا؟“ ان کے سوال پر اس نے
گہری سانس مہری۔
”ان دووں کا کئی ماہ سے مجازاً چل رہا تھا۔
کچھ وقت پہلے ہی ہاپا نے اپنے آپ کو بوسے
الک کر دیا اور وہ باہر جا چکے ہیں۔ اور ان کا وہاں کا
کوئی ارادہ نہیں۔“ اس نے مزید تفصیل بتائی۔ ان کا
تو دماغ ہی گھوم گیا تھا۔ یہ سب اچانک۔ ان کی تو سمجھ
بجی جواب دے گئی تھی۔

انہوں نے پھر سے اسے گلے لگایا۔ کافی بردہ
اس کے پاس رہیں۔ عبدالباری کچھ پردہ ہاں رک کر
چاچکا تھا۔ جبکہ ملکہ نے اسے اپنے چلنے کا کہا وہ
تو جیسے اسی انتظار میں تھی۔ خورا تیار ہو گئی۔

☆☆☆

انہوں نے شادی کی تیاریاں تیز کر دی تھیں۔
دن بھی بہت جلدی جلدی کر رہے تھے۔ متحی بہت
خوش کی لیکن جب کسی اسے شازنہ سے یاد آئی وہ دو
ہوجاں۔ اس کے پاپا سے بات کر کے وہ اسے ان
کے پاس بھجوا دیے تھے۔ عبدالباری البتہ کی دن کر
جانے کے بعد بھی چپ چپ تھا۔ اسے ممتاز سے
ان سب چیزوں کی قطعاً امید نہیں تھی۔

وہ اس کی بہت قریبی دوست تھی۔ بچپن کی
ساتھی، لیکن اب وہ سارے دھڑکنے ٹوٹ
تھے۔ اس نے بھی دل کو سمجھایا، اور خود کو پھر سے متحی
کی ذات میں لے کر دیا۔ متحی تو اس کے لیے ایسا
پر سکون گوشہ تھی جس پر نگاہ پڑے ہی اس کی آنکھیں
غضبی ہو جاتی تھیں۔ وہ دو دوں بہت دن بعد اس
کریم کھانے گئے تھے۔ تقریباً تین گھنٹے باہر گزار کر
جب وہ گھر آئے تو چہرے اطمینان سے، دیکر رہے
تھے۔ ملکہ ان دووں کو پھر سے مارل ہوتا دیکھ کر خود کو
پر سکون محسوس کرتی تھیں۔ جب وہ وہ دیندار
تھے یہاں ان کی محبت سے اب تک ان کی طبیعت
معلی طور پر کم ہی ٹھیک رہی تھی۔ ایک تو ان کا
چاہا تھی کا علاج چل رہا تھا، اس وجہ سے جب بھی
انہیں انکشتور لگتے تھے انہیں تیز بخار ہو جاتا۔ رات بھر وہ
درد سے تڑپتی رہتیں۔ دوا دخت ہونے کی وجہ سے ان
کا ذل ان کا خالص کام ہو گیا تھا، لیکن اب سترے کی ان
پریشانیوں اور پھر شادی کی تیاریوں میں ان کا بھروسہ
وجہ سے کم ہی ہو چکا ہے۔ پھر وہ دن بھی آیا
جب ان کی آنکھوں نے اس خواب کو چھوٹا کر لیا۔
متحی کو سر پر بیٹھے میں دھن بنے دیکھنے کی خواہش
بھی پوری ہوئی۔

☆☆☆

عبدالباری منظور صاحب کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس صاحب سے وہ جتنے شاندار اخلاقیات کر دیتے تھے، انہوں نے کر دیتے، یہ ایک ایسی شادی مہمی جو کئی سال یاد رہنے والی تھی۔ وہ دونوں شادی کے دن بے حد حسین لگ رہے تھے۔ ان دونوں کی جوڑی ایسی تھی کہ جو دیکھتا ہے اقتدار ہی تعریف پر مجبور ہو جاتا۔ دولہا بیٹا عبدالباری سب کی نظر بچا کر اسے دیکھ کر قہقہے لگاتے بیٹھے۔ اسے خاصی شادمانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ فوراً ہی بے جگہ خالی ہو جائے اور وہ شرمیلی لڑکی سی ملتی، کچھ بھر کر دیکھے، وہ آج تک بھی اتنا خوش نہیں ہوا، زندگی میں بہت مکھاس حاصل کیا تھا لیکن ملتی کو بیوی کے روپ میں دیکھ کر اس نے دل سے جو حسین اور خوشیوں کے دریا بہتے محسوس کیے تھے ان کا بیان ناممکن تھا۔

رات کے آخری پہر ہی وہ کمرے میں آسکا۔ ملتی دکن بنی اس کا انتظار کر کے سوتی گئی۔ وہ بھی بے حد محکم گیا تھا لیکن خود سے بھی بے خبر ملتی کو دیکھتے ہی اس کی ساری محنت ہوا ہوئی۔ کئی پارہا پارہا کر تار تھیں ہوئی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ وہ مصروفی رنگ و روپ پر تعجب کر دہانی اصل محض چھپاتا نہیں چاہتی۔ سو نہ نے ہی اسے تیار کیا۔ پاتل سے میک اپ میں بھی وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی۔ شاید وہ اس بات سے واقف تھی کہ اگر اندرونی خوشی کا باعث ہوا تو اس میں اس کے چہرے پر ہر محراب سے دب مصروفی لوازمات کے انتہائی استعمال سے دب جانے کا۔ کائی درمیک وہ اس کے چہرے پر لگا رہا جسے ہنسا رہا۔ اسے وہ سارے منظر یاد آئے جب جب وہ اس سے دور بھاگی تھی اور وہ تمام چہن بھی جو اس نے اپنے ہی دل کی خواہش کا گامو گشت کیے لیے کیے۔ اس نے سوئی۔ ہوئی ملتی کا ہاتھ تھا کہ بے حد خوب صورت کی انگوٹھی پہنائی۔ وہ ایک دم جا مکی اور اٹھ کر بیٹھی۔

”تم کب آئے؟“ اسے سامنے بیٹھا دیکھ کر

اس نے جھک کر پرچا۔ وہ بہت گہری نیند سے جاگی۔ وہ انکھیں کھلی تھیں لیکن طرح سے کھول پانے سے تھک رہی تھی۔

”میں ابھی سو رہی تھی۔ تم آرام سے لیٹو، میں بیچ کر آتا ہوں۔ بلکہ کوئی دوا دھا اور فریج میں سے آکس کریم نکال کر لے آئے۔“

”تم یہ کساؤ۔ پچھو بتا رہی تھیں کہ تم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔“ اسے بالکل تھا کہ وہ کچھ کرنے چلا گیا۔ جب وہ کھانا آیا تو وہ بھی کچھ سے تبدیل ہو چکی تھی۔ لیکن چہرہ نہیں دھویا تھا۔ کھلے بال دونوں اطراف بکھرے تھے۔ وہ اس کے بے حد صریح بیٹھ گیا۔ ملتی ایک دم سٹیگ اور فوراً بال اس کے سامنے کر دی۔ اس کی بولی نظروں کی تاب لاتا نہیں تھیں اس لیے جس طرح عبدالباری نے اس کا ہاتھ تمام کر لیا وہی اس کے گرد پھیلا۔

شادی کے ایک مہینے بعد ہی وہ دونوں اپنی مومن کے لیے شادی علاقہ جات کی سیر کو نکل کھڑے ہوئے۔ وہ کئی بار ان حسین جگہاں جا کر، خوب صورت پہنے دریاؤں اور بلند پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے یہی گمان ہوتا تھا کہ وہ شہزادے کے ساتھ اس کے گھوڑے پر سوار ہے۔ ٹیری میڈلز کو دیکھ کر تو اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ یہیں اپنی تینوں بچی اپنا گھر بسائے۔ زندگی بڑی حسین ہوئی تھی۔ کئی انوکھے خواب تھیں۔ وہ اس کا یوں خیال رکھتا تھا جیسے وہ کوئی نازک گی ہو یا پھر پھل کا چھل۔ ان دونوں کو اتنا خوش و خرم دیکھ کر سلیطہ کے سارے غم دور ہو گئے تھے۔ جو بھی ان دونوں کو ساتھ دیکھنا ان کی جوڑی کی تعریف کیے جانے لگا۔ کبھی روایتی لباس کی طرح نظر کھانے کے خوف میں جھٹکتا رہتا۔

ملتی کی طبیعت میں ہرگز تان نہ بہتری لے کر آ رہا تھا لیکن بڑی عادی تھی۔ بہت تھوڑے وقت کی

یہاں صبح کی بات ہے جب ملتی عبدالباری کو بچا کر بارہا سلیطہ کے کمرے میں آتی تھی۔ وہ بہت گہری نیند میں ہوتی تھیں۔ اس کے کچے ہاتھ ملتی پر پڑتے تھے۔ اس کے چپٹے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ سکرانیں۔ اس کی شادی کو تین ماہ ہو چکے تھے اور کچھ دن پہلے انہیں بے خبری کی کڑواہٹ میں دلایا۔ اسے خبر نہ تھی کہ خوش تو کیا تھا لیکن ڈر بھی سب کے دلوں میں جاگ رہا تھا۔ سب سے زیادہ خوف وہ ملتی کی جگہ عبدالباری اتنا ہی ریلیکس اور مطمئن، سلیطہ دن بھر دعا مانگ کر رہی تھیں کہ خدا اسے صحت مند لاو و سے نوازے۔ جبکہ مکمل دلوں میں ہی گھبراہٹ۔ وہ عجیب طرح خوش تھی۔ نہ ہو پانی تھیں۔ سلیطہ کی پریشانی سے واقف نہیں تھیں وہ اپنی کھلی تھیں وے سٹی تھیں۔ وہ صاف ملتی، نہ ملتی سے عبدالباری کی شادی ہوئی نہ ہی یہ پریشانی کل از وقت ان کی زندگی میں آئیں۔ تانے سے بعد وہ کھا کر وہ پھر سے کمرے میں لٹ گئیں۔ اوپر ملازمہ صفائی کی غرض سے آئی تھی لیکن وہی چلا دیکر وہیں بیٹھ گئی۔ سلیطہ کو طبیعت کچھ عجیب لگ رہی تھی۔ انہیں لگتا کہ لاو وہ بھی کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ ملتی کی شادی ہوئی کئی تین دن سے والے پریشانیوں نے سلیطہ کا پی لپی لپی کر دیا تھا۔ ہر وقت یہی سوچ ان کے دل و دماغ پر سوار رہی کہ اگر ملتی کی اولاد دیکھی اسی مرض میں مبتلا ہوئی تو اس تو اس کے آگے صرف اندر صبر تھا اور کچھ نہیں۔

دوا کے اثر کے باعث کچھ ہی دیر میں اس کی آنکھ لگ گئی۔ لی ڈی پر کوئی دوا مرسل نہ پا کر ہاتھ جس کی آواز میں ان کے کمرے سے نکل با آسانی کچھ رہی تھیں۔ ان کو آوازوں کے باعث ان کی خینہ بار بار ڈنبر ہو رہی تھی لیکن پھر کبھی وہ گہری نیند سو گئیں۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ انہیں کاکر جیسے ملتی دردی ہے۔ یہ روتے کی آواز جنوں میں بولنے لگی۔ وہ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھیں۔ ابھی وہ گہرے سانس سے رہی تھیں کہ

ایک بار پھر روتے کی آواز ان کے کانوں میں گونجی۔ وہ خوف سے ہوکڑا کر ڈر غور کے بغیر ہی باہر کی طرف دوڑیں۔ ان کا رخ سبز بیڑی کی طرف تھا۔ سوتے ہوئے ملتی عبدالباری کے ہونے والے بچے کے بارے میں عجیب عجیب خیالات نے ان کا دماغ بو مل کر رکھا تھا۔ پھر اس خواب نے رات بھی سکر پوری کر دی اور اس کی دہی پر چلنے والے ڈارے کی آوازوں نے انہیں سمجھ کر جتلا کر دیا تھا۔ غار سے اٹھتے دھوکے ساتھ جب وہ سبز صحن اترے تھیں تو پھر آجانے کے باعث ان کا تیر پھیلا۔ وہ آخری روز بھر کی سچائی جو ان کے لبوں سے نکلی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ بیٹے سے لیک لگائے خالی فرش کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دکنی دشت تھی کہ عبدالباری بھی اس کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھا۔ بچے چلے جا رہے تھے وہ ہسپتال میں تھی۔ کچھ ہی دیر پہلے سے وہ ہوتی آئی تھا اور عبدالباری اس کی حالت دیکھ کر پھر سے ڈر گیا۔ ان چاروںوں میں اسے کئی دور سے دیکھتے تھے اور دونوں کے بعد ٹوٹنے ہوئی تھیں۔ اس کی حالت بالکل ہی غیر کر دی تھی۔ اسے تو اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ اس حادثے کے بعد اس کی ذہنی اور جسمانی حالت کی خرابی کے باعث وہ اپنا بچہ نہیں کھو سکتی تھی۔

عبدالباری اس کے قریب آیا اور اس کے بالکل بائیں ہاتھ کی ملتی کی آنکھوں میں آسورہ لے لگے۔ وہ اس وقت لاڈلے ہی میں تھی جب اس نے اپنی ماں کی دل و دھڑ کچھ تھی۔ ان کے سر اور ناک سے نکلنے والے خون کو دیکھتے ہی اس کی حالت غیر ہو گئی۔ انہیں اسی وقت ہسپتال پہنچایا گیا لیکن وہ راستے میں ہی دم توڑ گئیں۔

ملتی کی زندگی کا سب سے بڑا دکھ جو اس کے لیے روگ بنے اٹھا تھا۔ یہی تو ایک رشتہ تھا جس نے اسے اپنی محاکوں میں رکھا۔ پیلا، ہوا، دشت کی تار کا۔ اس کی گہمی میں بچہ کی محسوس نہ ہو۔ اس

کی باری کسب سے چپا کر رکھا تا کہ وہ کسی کی بھی رحم یا بخاری بھری نظروں سے دور رہے، اس کی زندگی میں آسانیاں پیدا کرنا ہی تو تھیں ان کا مقصد تھا وہ پورا ہوا تو وہ مٹتی کچھوڑ کر چلی گئیں۔

عبدالباری نے اسے اپنی ہاتھوں میں لے لیا تا کہ وہ اپنے دل کا بوجھ کم کر سکے، اور نہ کہے، گھر کے قیام افراد ہی اس حادثہ کی وجہ سے شدید دکھ کی کیفیت میں تھے۔ انہی کو ٹھیک طرح سے انہوں نے سکھ کی شکل میں نہیں دیکھی تھی۔ انہوں نے قریب آئے انہیں بچہ ہی دقت ہو تھا۔ کئی خدا کی مرضی کے آگے بھی ہولناکی کی جلی ہے؟ جو ہوتا تھا ہو کر ہا۔

بچہ پر بعد منظور، ملکہ اور موت بھی ہسپتال کے کمرے میں آگئے۔ منظور صاحب نے اسے گھٹے لگا لیا تو وہ ہلک ہلک کر دوتے لگی۔ سب کا بھر سے تازہ ہو گیا ہے کمرے سے آئے والی رونے کی آواز میں سن کر ڈاکٹر دھڑکے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

”آپ جانتے ہیں کہ چھٹھ کی کنڈیشن اچھی نہیں۔ پھر بھی آپ کو۔۔۔“ وہ سخت برہم ہو کر بولے۔ منظور صاحب نے روٹی ہوئی مٹھی کو بڑی مشکوک سے چپ کر دیا۔ روتے روتے وہ بالکل ہی غم حال ہوئی۔ طبیعت میں بہتری تو کیا خاک آئی تھی لیکن اس نے شام ہوتے ہی گھر جانے کا مشعر شروع کر دی۔ عبدالباری نے اس کی کٹلی کو فون کے تار یا تھا کہ وہ گھر آگئے۔ فون پر پچھلے کئی دن سے کراہی میں تھی اور اس سے وہ دہاتے ہسپتال بھی آئی لیکن دونوں باہر بھی ہوتے ہی پایا۔

عبدالباری کی خواہش تھی کہ وہ مٹتی ہے، لے اس کا تم لگا کر لے۔ ایسے کی صدمہ سے بے لطف کے لیے اپنے مرضی لوگوں کی ہی ضرورت پڑتی ہے جن کے ساتھ ہم نے عمر کا بیشتر حصہ گزارا ہو۔ اس کا اعزاز وہ درست ثابت ہوا۔ فون پر سے کہ وہ ورنیک روٹی بن، گھنٹوں ان دونوں کی سسکیاں وہ کمرے سے باہر دستار باندھ لیکن دل کا بوجھ لگا جانے کے فوروز پر ہے کہ ہاتھوں اس نے خود آڑا بہت ہی سختی کھا

کھا ہی لیا۔ اس بات وہ عبدالباری کے چنے سے لگی سوائے گھر روٹی رہی۔ سچ عبدالباری کا پتا تو اسے قرآن پاک پڑھتے پایا۔ وہ ایک دم پرسکون ہو گیا اور اس کے قریب آکر بیٹھا قریب بیٹھے ہی اسے احساس ہوا کہ کتنی کا جان سکپا رہا ہے اور قرآن پاک کا صفحہ آنسوؤں سے تر ہو چکا ہے۔ اس نے مٹھی کا ہاتھ قیام کیا۔ مٹھی نے تکلیف کی شدت سے آنکھیں بند کر دیں۔ مٹی کو لگ رہا تھا کہ ہرگز رتادان ملتی ہے پھر نے گم گم تازہ کر رہا ہے۔ اسے صبر نہیں آ رہا تھا۔ پورا پورا درد وہ ان کی تصویر کو لے کر بھیجی رہتی۔ اس کی سانس اور تندہ سے جتنا ممکن تھا وہ اس کی دل جوتی کر رہا تھا۔ فون پر بھی اس سے تقریباً دوڑنے کی آواز آئی تھی۔ مٹی نہیں پاس تھی۔ اس کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ تقریباً پچھتے ہی اسے دور در در جاتا ہے۔ یورٹ حال شدید تشویش ناک تھی۔ سب سے زیادہ ذہن میں عبدالباری کی ذوات تھی۔ مٹھی کو اس حال میں دیکنا، اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

وہ شدید کمزور ہو رہی تھی، اس کا دماغ شدید غم کے حصار میں تھا۔ ماں کا صدمہ اس کے لیے اتنا بڑا تھا کہ بچے کی قبر میں کبھی اس نے صرف خانقاہوں سے اپنی سانس کو نکالیا۔ اس کے اندر جینے کی امید بالکل ہی دم توڑنے لگی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ سردی کی شدت میں دن و رات اضافہ ہو رہا تھا۔ مٹھی کی زندگی کے لیے یہ صورتحال کافی خطرناک تھی۔ سردی اور سردی کی دروزں میں اضافہ سے سب میں ہی تھی۔ ان میں کچھ دنوں کے اندر یہ دم توڑنے کی بات لگنے لگی۔

وہ مٹی پر ان کی آغوش میں ہوتا یا گھر پر جدوت اس کے ذہن پر بھی کی بیماری کا خوف چھایا رہتا۔ اس کی طبیعت بگڑ جاتے اسے دور نہ پڑ جاتے، وہ خوف زدہ سا رہتا۔ دیکھا۔ دوسری جانب مٹھی اپنی جگہ شرمندہ تھی۔ اس کی وجہ سے پورا گھر تکلیف میں تھا تھا۔ خصوصاً اس کا شوہر اس نے ایک سے ایک بیٹھا لڑکی کو کھوڑا بہت ہی شادی کی تھی۔ اور آج بھی وہ اسی

گھر میں بلکا تھا۔

طرح طرح کی سرچوں نے اسے جرم بے حال سا کر رکھا ہوتا۔ آکھیں سو گئی ریش، رہی سہی سر دروزں نے پوری کر دی تھی۔ ہونٹ کے نیچے سے گھٹتے۔ عبدالباری مرد تھا، مٹی کے سانسے اٹھتا تھا سسکا تھا لیکن جب وہ سو جاتی عبدالباری اس کے قریب چنکر کر اسے دیکھتا رہتا۔ اس کے بالوں میں الٹکان پھیرتے، اس کے سونگے ہونٹ اور بے رہتی چہرے کو دیکھتے ہوئے کتنے نئے باہر کی گھنٹیں چمک جڑے ہوئے۔ فون پھونکی موت کا بھی نہیں سنا پایا۔ اس خوف سے کہ کہیں اس کے حوصلے بہت دیکھ کر مٹھی بالکل ہی ہاتھ نہ پھوڑے۔

شادی کے بچہ ہی دن انہوں نے خوش و غم گزارا کرتے تھے۔ مٹھی اس کے اعزاز سے بھی نہیں زیادہ خوش تھی، اور وہ بے عہد اس کا اظہار بھی کر ڈاڑھی تھی۔ جب وہ اس کی طرف سرکاری نظروں سے دیکھتے ہوئے ڈھیر دن ہاتھ کرتی تب اسے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ وہ اس کے ہمراہ ہے، اس کے قریب ہے، اس کی ہو گئی ہے۔ لیکن یہ خوشی بہت عارضی تھی۔

ان کی دونوں شانزے سے اس کی بات ہوئی۔ جب سے وہ اپنے پایا کے پاس گئی تب سے ان دونوں کو کوئی رابطہ نہیں تھا۔ لٹکے منہ سے وہ اس کا ذکر سننا رہا تھا۔ شانزے سے اسے فون کیا۔ وہ ان دونوں کو اپنی تکلیف میں قمار کے اسے دل کا بوجھ رکھنے کے لیے ایک دوست کی ضرورت تھی۔ وہ مٹھی سے اس تکلیف کا ذکر نہیں کر سکتا تھا جو وہ اسے اس حال میں دیکھ کر محسوس ہو گئی تھی۔ وہ بلیک پھیو کے بارے میں بھی اس سے اظہار نہیں کر سکتا تھا کہ وہ پھر سے رونے لگ جاتی تھی اور یہ رونا کئی کئی گھنٹے جاری رہتا۔ پھر اس کی طبیعت پر مزید اثرات مرتب کرنا ایسی حالت میں شانزے سے اس کے کوئی محسوس کرنا عبدالباری کو کھوڑا سا پرسکون کر لیا۔ اس نے بات کر کے دل کو بوجھ پڑا کر کے اس کا دماغ بچھوڑنے کے

قابل ہوا۔ سب سے پہلے کھینچ کر اس نے مٹھی سے تھانے کا کہا۔ اس کے کہنے پر اس نے ہنہار کر چما سا جڑا ہنہار۔ وہ کوشش کرتی تھی کہ وہ نائل رویہ اپنائے لیکن اس سے یہ ممکن ہی نہیں ہو پاتا تھا۔ آج جب اسے دن عبدالباری سے اس سے ایسی کوئی فرمائش کی تو وہ بیخ زکری۔ صاف حقیرے لباس میں مٹھی کا تھا تھا کا جادو دیکھ کر وہ بڑی سرکرایا تھی آکھیں سے عبدالباری کے بیٹے سے لگ گئی۔

”جانی تھی ہوں کہ میری وجہ سے آپ کی اور اس گھر کے تمام لوگوں کی زندگی کا سکون و روم برہم ہو گیا ہے لیکن میں کیا کروں؟ یہ سب میرے روم برہم نہیں ہے۔“ وہ ہنسنے لگے جس سے ابوبی۔ عبدالباری نے اس کے گرد اپنے زانوؤں کا حصار مضبوط کیا۔

”میری زندگی کا سکون صرف تم ہی ہو۔ تمہارے ساتھ ہوں اس لیے زندہ ہوں۔ نہ تو کوئی تمہارے میرے دل کے گرد ہے۔ ایک دوسرے کی شگت میں ہم نے اب تک جیتنے دینے بھی گزارے ہیں، وہ خوشی سے پھر پھر ہوں یا تم سے غم حال۔ ان تمام دنوں کا ایک ایک میرے لیے قیمتی ہے اور ہمیشہ رہے گا کیونکہ اس ہر لمحے میں میرے ساتھ

پیش اور میں تھانے ساتھ تھا۔

تم وہ گورت ہو جو صرف میری محبت نہیں ہے میرا سب کچھ ہے۔ تم بھولی تو میرا خون ہو مجھے کا، تم روٹی کو تو تکلیف دینے لگی ہوئی۔ تمہاری حیات ہی میری زندگی ہے۔ مٹی مجھ سے دور مت ہونا۔ اور بھی یہ بات سوچنا تمہاری تکلیف سے میرا سکون برہم ہے۔ اب سکون ضرور دہم ہو، ہم سے لیکن تمہیں اپنی اذیت میں دیکھ کر اور اس لیے کسی سے شدید نفرت محسوس ہوتی ہے جو مجھے تمہیں اس تکلیف میں دیکھتے ہوئے بھی ایک خاموش تماشا بنی ہے۔ تم نے بے مجبور کر لی ہے۔

مٹی ان تمام معاملات میں سے بس ہو لیکن اپنا خیال رکھنے میں ہے بس نہیں۔ تمہارے پاس صرف آج کا ہی دن ہے۔ تم جتنا خدا جانتی ہو رو لینے لیکن

آج کے بعد میں جنہیں اس طرح بے قرار نہ دیکھوں۔" اتنا کہہ کر اس نے ملحقین کو خود سے الگ کیا اور اس ان گھوڑوں میں دھکا دیا، چال چلنا عجیب سا سکون تیر رہا تھا۔ یہ سکون ان گھوڑوں کا ربوب منت تھا جو ابھی ابھی اس نے ادا کیے تھے۔

عبدالباری نے اسے رو دیا لکھا اور سلا دیا۔ اس کے بعد وہ پلپ پلپ کے پر بیٹھ گیا۔

سکون کوئی تو ایسا نہیں ہوگا جس کی پادری کی کا باعث بنے گا۔ وہ سوچتے ہوئے کی دروازہ ٹپ کر کے سرخ کرنے لگا۔ اسے پہلے باطل ہوا تھا کہ سر کی صرف یہی ایک قسم تھی۔ اس کی اور بہت ہی اقسام ہیں۔ مگر وہ باتیں جنہیں ہم محبت پریت کے اثرات سے جڑ دیتے ہیں وہ بھی سر کی ایک وجہ سے ہیں مثال کے طور پر بیٹھے بیٹھے ناش پڑھتے ہیں۔ بات نہ کرنا نہ جواب دینا۔ چھ لوگ اس چیز کو بھی جانتا کا اثر سمجھتے ہیں۔ اچانک ہی عریض کو کسی خبیثہ کا لمس ہوتا، سوتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ لگتا۔ یا کسی چیز کا نظر آنا جو کہ سر سے سے غیر موجود ہوتی ہے۔ وہ پڑھتے ہوئے شدید جھانکنا تھا۔ ان اقسام میں عریض بے ہوش نہیں ہوتا جبکہ ملحق کی پیادری شدید سر کی بھی جو کہ پریشانی اور دکھ کے حالات میں بڑھ جاتی تھی۔ وہیں اسے علم ہوا کہ ان دوروں کو آپریشن کے ذریعے کالی حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔ اس نے ایک ہی دلت میں تمام تفصیلات نکال لیں۔ اب اسے مگر شبہات کی بات تھی۔

☆☆☆

عبدالباری آفس سے آنے کے بعد پہلا ڈیوڑھی میں ہی بیٹھ گیا۔ موند سے کہہ کر اس نے ملکہ اور ملحقین کو بھی بلوایا۔ منظور صاحب پہلے سے ہی وہاں موجود تھے۔

"کوئی خاص بات ہے جو ہم سب کو یہاں بلایا؟" ملکہ نے اس کے پاس بیٹھے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

"میری بات تو عام ہے۔" اس نے شبیہ کی سے کہا۔ سب کی نظر تیس اس کی جانب اٹھ گئیں۔

ملحق نے بھی اسے دیکھا، عبدالباری اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ دوپہانچ میں دور سے کے بعد کی گھنٹوں بعد ہوش میں آئی تھی۔ چہرہ بالکل زرد ہوا تھا اور ان گھنٹوں میں بے ہوش رہیں تھیں جیسے کسی کوئی خون نہ دیکھی ہو۔ عبدالباری نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ کیا سے کیا ہوئی تھی وہ۔

"پیشاب بولو بھی کیا بات ہے۔" منظور صاحب نے بیٹھنے سے پوچھا۔

"مجھے ملحق کے خوالے سے بات کرنی تھی۔" اس نے بات کا انکار کیا۔

"ہرگز نہ رہے، ہر دوسرے تیر سے دن تو بھی ملحقے بعد دروازے پر پڑے ہیں۔ اور یہ سب ملحق کی زندگی کے لیے شدید خطرہ ہے۔"

"یہی بات تو مجھے ہر دلت پریشان کرتی ہے۔" اچھی بھلی لڑکی، بھانے کسی کی نظر تک تھی۔ "منظور صاحب سخت مگرتے تھے۔"

"سب سے زیادہ مسئلہ کی بات تو یہ ہے کہ اس کی درمیں بھی اپڑ نہیں کر رہی ہیں پر۔" ملکہ نے لہجہ میں بھی پریشانی تھی۔ "اور جراثیم اٹھانے پڑتی ہے اسے، میں اس اذیت کو صرف محسوس کرتی ہوں تو میرے ردعملے گڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ معصوم تو اس تکلیف کو محسوس رہی ہے۔" انہوں نے ملحق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ نظریں جماتے ہی تھیں۔ وہ دکان کی کسی بی بی اس سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن ان سب کی محبت بھی اس مطالب کو کم نہیں کر سکتی تھی۔

"اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ ہے آپریشن۔" ملحق نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ تو وہ اس بات سے یہ ناواقف تھی کہ سر کی کا سرخ آپریشن سے ٹھیک ہو سکتا ہے۔

"ہاں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ملحق۔ یہ واحد حل ہے جو ہمیں اس اذیت سے نجات دلانے کا۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔

"مجھے آپ سب سے اسی بارے میں مشورہ

کہنا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب اپنی رائے دیں۔" اس نے ملکہ اور منظور صاحب کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے جاننے ہو کہ ملحق کی صحت بالی سے آگے کچھ بھی نہیں لیکن کیا یہ آپریشن کا سیلاب ہوگا اور ملحق بالکل ٹھیک ہو جائے گی؟" انہوں نے سوال کیا۔

"دلی میں سے سات لوگ اس آپریشن کے بعد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ستر فیصد لوگ اپنی زندگی بچھڑھڑھتے سے گوارے نہیں۔"

"ملحق کی کتنی ہے؟" موند نے اس کی رائے جاننے کی کوشش کی۔

"میں ٹھیک ہوا تھا تو ہیں۔ آپ کے لیے۔" اس نے زبردستی اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہم گھولنے لگا۔

☆☆☆

آپریشن سے پہلے اس کی طرح کے ٹیسٹ کیے گئے۔ ٹیسٹس کے بعد آپریشن کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ ملحق سے بعد بھی کوئی کسی مگر سے ہمارا فون آ رہے تھے۔

"کاش ہائی لوگ بھی یہاں ہوتے، میرا تو خوف سے دل بند ہو رہا ہے۔" اس نے رو دیا بھی کہہ کر کہا۔

"میں ہوں ان تمہارے ساتھ۔" پچرس چیز کا ڈر ہے جس سے سب ٹھیک ہو جائے گا اور اسے ہی بچنے ہم

پاکستان میں ہوں جس میں اور دم تک ایک ہمارے جیڑی سون کے لیے جا رہی ہیں۔ ان شاء اللہ۔ سب دل مجبوراً رکو

اور یہ ہر گھنٹہ میں تم سے جتنا شکر کرتا ہوں۔ اس نے ملحق کی پیادری چمکی۔ ملحق نے اس کے بازو پر ہر

دکھ کر ان گھنٹہ سوند میں۔ دل کی بے قراری میں آہستہ آہستہ کی آنے لگی۔

ہر دلت کوئی آیا جب آپریشن کے لیے لے جایا گیا۔ اس سے کچھ دیر پہلے ہی فون سے ملے کہ اس کی داوری تک سب نے اس سے بات کی اور

ڈیجیٹل دوا عین دہی۔ اس کے بعد موند، ملکہ اور منظور نے بھی باری باری فون کر کے اس کی دل بولی کی۔ عبدالباری تو تھا اس کے ساتھ، اس کے پاس۔

آپریشن ہو گیا۔ اس ایک بیٹے میں اسے ایک بار دور دراز، عبدالباری کو لگا جیسے ساری کوششیں ان گھنٹوں کی۔ ڈاکٹر کے ہجھانے پر اسے معلوم ہوا کہ ملحق کو شدید گردی اور صحت کا سامنا تھا اس لیے ایسا ہوا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ملحق کا آپریشن کامیاب نہیں ہوا۔

ایک بار کے اندر ہی دوا بیکل صحت مند ہو گئی اور ان کی زندگی میں دوا خوشی لوٹ آئی۔

☆☆☆

میں ملحق عبدالباری ہوں۔ دنیا کی سب سے خوش قسمت عورت۔ خدا نے مجھے ہر دلت دے دی جو

کر کے بھی عورت کا خواب ہو سکتا ہے۔ بے حد محبت کرنے والا شوہر، صحت مند بیٹے۔ مجھے آج بھی

دو دن یاد ہے جب ملکی کی پیدائش سے مل میں نے عبدالباری سے کہا تھا کہ یہ نہ ہو تمہاری سب سے بڑی

ہو جائے اور یہ بیٹے بھی امراض کشکار ہوں جس کا میں بھی۔ تب اس نے سسکراتے ہوئے جواب دیا کہ

تھیں پیادریوں سے خراب نہیں ہوتیں۔ بد اخلاقی، ہوں اور بدکاری سے خراب ہوتی ہیں۔ پیادری تو خدا

کی طرف سے آتی ہے لیکن اگر کسی کی زندگی کو یہ موزی امراض لگے جائیں تو موت ہی اس کا داد

علاج ہے۔ خدا مجھے مکمل اولاد دے یا نہ دے۔ میں اس کی رضا میں راضی ہوں۔ صرف تمہارا اچھا سوچو۔

ان باتوں کو سننے کے بعد میرا دل چاہنے لگا تھا کہ میں تمہارے سے سر نہ اٹھاؤں۔ اسی مرد خدا نے

میری زندگی کے ہر رنگ میں گھولنے کو گھولنے سے چھاننے کے لیے بیجا مجھ سے میرا ہمایاں بنایا۔

اور جب کوئی میرا ہوا جائے تو زندگی بھولوں کی سچ بن جاتی ہے۔

☆☆☆

وفا کے گہرے گہرائی میں

اپنی ہم عمر لڑکیوں کی طرح انتظار کی ادیت سنبھال رہی تھے تو کیا کبھی سے اس صابر لڑکیوں کی کوئی کمی ہے ایک چھوڑوں دل جاہل کی بس ان لوگوں کا دل آگیا ہے تو بھند ہیں۔

سارا قصور تو ان موئے رسالوں کا ہے جن میں منہ بے پیغمبری کی رشتی ہے بچانے کیا کیا خرافات نکلی ہوئی ہیں جو تیرا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا ہے۔ رونہ تو کبھی اس معقول رشتہ سے انکار نہ کرتی۔

”اس معقول رشتہ کے کہتے ہیں۔ چار پیروں سے ہی خوش ہو جاؤں۔ اور جو ساری عمر ان بیٹیوں کے کندھے کی گداری ہوگی۔ دم ٹھٹھا ہے میرا یہ سوچ کر کہ تمام عمر اچلوں میں لگے گی۔ محض زندہ جاوید اور آلودہ فضا۔“ شہر بانو کا سوچ کر ہی دم ٹھٹھا لگا تھا کہ اس کا عازلی خدا دودھ پیتے کمر کمر چایا کرے گا وہ کالج کے دوسرے سال میں ہی سیکینڈ ایئر کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کی خواہش مند تھی اس کا اپنی خوب صورتی کے حد زخم تھا اس میں زیادہ قصور اس کے ابا کا تھا قصوروں نے اسے ہمیشہ شہزادی کہہ کر نکالا تھا اس کا کاحا سننا دلایا تھا کہ وہ سب سے الگ ہے شہزادی شہزادی جیسے ان کا کوزہ پر ضرور کر گیا تھا جو بڑی ہی کسی کسر بھی وہ کالج جانے کے بعد اس کی ہم عصر لڑکیوں نے پوری کر دی تھی۔

”زیادہ بحث نہ کرو جاہل بچن میں اپنے ابا کے لیے جانتے بھانڈے۔“ اماں شاید اس سے مزید بحث کے لیے تیار نہ تھیں اس لیے اس کا کم پر لگا دیا تھا وہ بھی برا سامنے جا کر بچن میں آئی تھی۔ چلے پر چلے گا بانی چڑھا کر وہ کپڑے میں رہنے لگی تھی جب دروازے پر دروازہ دستک ہوئی تھی۔ ابا جو کمر کے کچے آئین میں جاہل پر پرہیز ورادخو اساحت تھے۔ انہوں نے ٹیپو کا ڈانڈی می کر جا کر دیکھے دروازے پر کھن۔ ہے۔ ٹیپو ہوم ورک کی کاپی رکھ کر لپک چمک

وہ در حسین تھی تو کیونکر ممکن تھا کہ حسن پرست نہ ہوتی۔ اس پر اٹھنے والی نگاہوں نے اسے بار بار یہ یاد کر دیا تھا کہ وہ خاص الفاظ سے اور شریک سفر کی مسند پر بیٹھن ہونے والی تھی کبھی خاص الفاظ ہوتی چاہے۔ یہاں آکر اس کے اندر کا معذرتی ہنسنے لگا تھا۔ مگر حالات کے پیچیدہوں اور وقت کے چابک نے پل بھر میں ہی شہر بانو کے بابا کر ڈالا تھا۔ صابر کے ساتھ اس کے رشتے کی بات چل گئی تھی اور اماں اس رشتے پر نہ صرف راضی تھیں بلکہ اس کو بھی راضی کرنے کے لیے پورا زور لگا رہی تھیں شہر بانو کے تو خابوں کا گھڑا ہی پختا چور ہو گیا تھا۔ وہ خابوں خیالوں میں رہنے والی بیٹیوں کے باڑے کے مالک سے کیسے بچے نازک جذبات جوڑ لیتی سوتی سے رشتہ کی تردید کر دی۔

”اماں میں اس صابر سے شادی نہیں کروں گی میں صاف صاف بتا رہی ہوں پھر نہ کہنا کہ میں نے بتا دیا تھا۔“

شہر بانو نے ابا کا وعدہ ناک بھوں چڑھا تے ہوئے کہا تو ندرت بیگم کو پتہ چلے بیگم کے گھٹے گھٹے انہوں نے دروازہ دھوکے سے کھلی کر بڑے تھے۔ ”اری بد بخت کہا کرتی ہے اس صابر میں نیگ“ دیکھا بھلا پوچھ ہے نیگے دارلی عزیز داری ہے اپنا بھینوں کا باڑہ ہے۔ کھلا دودھ کھین کی ہر نشے کی بہتا ہے۔ تو قسمت کی دھنی ہے جو کھرے نیگے اپنا رشتہ آگیا ہے۔ نہ انکار کی صلیب پر چڑھا پڑا نہ

دروازے پر کیا تھا اور ہنستا کھرا تا ہوا دل تھا۔ ”صابر بھائی آئے ہیں۔“ بچپنے نے اصلاح دی تھی صابر کے ساتھ میں گرم سوتے اور بیٹیوں کا شہر تھا۔ صابر نے عقیدت سے وہ شہر زارا بیگم کو بھیایا تھا۔

”اے بچا اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارا آنا ہی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔“ ندرت بیگم نے غلات سے کہا تھا۔

”بیٹا کبھی بھتی ہیں اور پھر تکلف کی بات بھی کرتی ہیں۔ یہ کہہ کر صابر نے ندرت بیگم کو حیران کر دیا۔ شہر بانو میں جن کھڑی صابر کی ساری بات سن رہی تھی۔

”ابھی اس طرح کی پختی چیزیں باتوں سے ہی تو سب کا دل مروا لیا ہے۔“ صمن لگا خوب آتا ہے بیٹیں جو وہیں قبضہ میں۔ اس کا موڈ آف ہو چکا تھا تب بھی ندرت بیگم بچن میں آئی تھیں۔ ”یہ پکڑو شہر طریقہ سے ساری چیزیں لڑے ہیں رکھ کر جانے کے ساتھ باہر لے آؤ اور ہاں اپنے سنا کا تھکر ڈاؤں درست کر کے آنا۔“ ندرت بیگم اس کے گریز یا کوٹھری جاتی تھیں۔

صابر ان کا نیگے دار تھا اور در پر سے کی مزیز دارلی بھی اس کی ندرت بیگم جاتی تھیں کہ یہ رشتہ صابر کے ہی ایما پر پران چڑھ رہا تھا۔ صابر کی ایک بڑی اور ایک چھوٹی بیگم دونوں کی اچھے رشتہ کے اعتبار میں ماں کی دلپذیر پریشانی ہوئی تھیں۔ ایسے میں صابر کی شادی کا ذکر کمر میں کی کوئی ایک آہ نہ نکلتی، آیا تھا۔ سعدیہ بیگم کو صابر کی یہ فرمائش سراسر خود غرضی لگی تھی جس سے بیگم کی ڈوڈی اٹھنے سے پہلے ہی اپنی شادی کا رگ الاپ دیا تھا مگر اسے باندھ دینا نہ زبانی رشتہ بانگ تھی نہیں۔ تاہم اس رشتے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا کھر بچانے کیوں صابر کو شہر بانو کی ناموسی پر مبراہی لگا کر تھی کبھی سعدیہ بیگم سے بھی



آکر کیا تھا کہ لڑکی زدھے ہیں سے بچی رہی تھی نہانے کیوں وہ مجھے خوش نہیں لگ رہی تھی اس کی خاموشی میں جیسے انکار تھا۔“

ابھی جب کہ صابر راج اس معاملے میں شہر بانو کے تاثرات جانتے آیا بیٹھا تھا شہر بانو کے عشق میں جلاؤہ ایک مہرے سے کالج آتے جاتے اس کی راہ کا تھکا تھا قہار ایک لگاتار ہے کہ شہر بانو اس کی اس حاضری کو کبھی بھی خاطر میں نہیں لاتا تھی۔

وہ ندرت بیگم کے کسی سوال کا جواب دے رہا تھا جب وہ دھن جاں دکھائی دے گئی تھی۔ سفید کھیر سے دار سرخ بھولوں والی بیگم میں وہ اسے پرستان کی کوئی شہزادی لگ رہی تھی۔ محبت پور سے

زوردار دیر پڑے اس پر حملہ آور ہوئی تھی۔ بیشکی طرح وہ اس حسن میں گھبراہٹ ایک ایک اس کو کچھ ہا قہقہے کر دے رکھ کر چاچی بگلی بھی اور وہ جو اس کے اثرات بھانپنے بیٹھا تھا اپنے ہی ہوش کو نا بیٹھا تھا۔

☆☆☆

”عدرت بیگم کے گھر میں شہنائی کی گونج تھی۔ آج ان کی لٹن جگر کی شادی کا دن تھا سارے گھر کو آرائشی پھولوں سے سنوارا گیا تھا۔ گھنوں سے ردشائی کی ٹکی کی چار سو سبز دا قارب کے گچھوں کی چلیزنگ بھری ہوئی تھی۔ گھر کے وسیع العریض آگین میں شادی کی تقریب منفقہ کی گئی تھی۔ دکن بنی شہر ہوا ہے حد حسین لگ رہی تھی۔ سرخ کادار لیٹے میں بلبوں اس کا سراپا دکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ ہر گاہ میں اس کے لیے سانس نہیں تھا۔ اس کی بڑی بکن ر پیداس کے قریب بیٹھ کر اس ہاتھ تھا تھی۔

”تھوڑی دیر بعد تم پرانی ہو جانے والی ہو۔ باہر بارش کی آند کی خبر آ جاتی ہے۔ تم پرانی گھر باہر ہو جاؤ۔ دل میں کسی کے لیے فکری کے رمت رخصت ہونا۔ نئے گھر کو اپنی عینوں سے مہکا دینا۔ گلے گلے یہاں ہی چھوڑ جانا۔

زیر پیدائی کی بات ہے اس نے لبالب آنسوؤں سے ہماری گلابیں اٹھائی تھیں۔ ”آئی آپ کو تمہارے گھر کی تھیں کہ آنسوؤں سے دلی دعا بھی روئیں ہوئی سراج کا روپ ہا پائی ہے پھر میری دعا کیوں روئیں ہوئی ہے میں نے بھی تو پورے غلوں بھری شدت سے دعا کی تھی کہ مجھے سلیمے ہوئے لوگیں۔ میرا بیٹوں سامی سن جا یا پورا سراج چار لوگوں میں صرافت کرنا سکوں تھی تو بھی میری آرزو کیا زاید کا ملک لیا تھا میں نے۔“

اس کی نگاہوں میں شکوے بھل رہے تھے

آنسوؤں چک رہے تھے۔ ”ابھی تم نا سمجھ ہو شادی شدہ زندگی کی باریکیوں سے واقف نہیں ہو۔ کئی زندگی میں قدم نہیں رکھا ہے۔ جب تک زندگی میں قدم رکھو گی تو گھرے اور گھونے کی بچکان ہوگی والدین کی اپنی اولاد کا بار نہیں سوتے ہیں۔ صابر میرا ہے۔ اس نے دل کی گتھیں لے لیں۔ میں نہیں چاہا ہے اور اپنا ہے وہ اپنی محبت کو یوں لے لیں دے گا۔ کون کس جان کا گم گتھی خدی اور خود سہو ہو۔ کون ہوتا جو تمہارے اس گھونڈی و چورو کو اپنا تار رختے تو بہت سوں کے کائے محرم تم نے کچھ کھارو اور کچھ تمہارے خود کچھ کر ہاگ گئے۔ اب میرا دستہ کھلو تو اچھا ہے۔ صرف ا شعل ہی سب کچھ سمجھتی ہوئی ہے۔ انسان مل کر درکار کی حکمت سے بلند ہوئے ہے فکل کی خوب مردنی محرم کردار کا پوتا محض کسی کے دل میں گھر نہیں کر سکتا ہے۔“

شاید یہ بحث و تجویس جاری رہتی مگر باہر سے شہر بانو کے نام کی صدا نہ گئی اسے اس کی سکھوں نے صابر کے پہلو میں جا کر غصا دیا تھا۔

☆☆☆

شہر بانو کو چوڑی پاؤں کے بازو کے سامنے سے گزر کر اندر دئی جسے میں داخل کیا گیا تھا بار بار کی بور کر کے کرے تھے پہلا کرہ ماس سر کا تھا اس کے ساتھ اولادوں بہنوں کا تھا پھر ایک بڑا گول کردار اس کے بعد کردار ان دونوں عینوں بیوی کے لیے شخص کیا گیا تھا۔ مکان صرف و دوج میں سیرایت کر جاتے تو قابل برداشت ہوا کرتی ہے مگر جو تھکاوٹ ذہنی طور پر مریگ دے میں سیرایت کر گئی تھی۔ جس کو اذیت دے دینا چنچہ۔ شہر بانو کا سوخت خراب تھا۔ دو مری سہاگ اس کا خلیج مردی میں بھی اپنے بھاری خدا کو آنا دیکھ رہی تھی۔ سالوئی رکھت دینے ہوئے نفوس دیکھ کر شہر بانو پر قوطیت طاری ہونے لگی تھی۔

دوسری جانب صابر اس کی جذباتی فلتگی سے خیر اس کے چوڑے آگنی خوشبو کی لپٹ میں اچکا تھا۔ شہر بانو تو اس کے دل کے پچے پچے پر قابل ہو چکی تھی۔ شہر بانو اتنا اور بے رخی کے درد خانے میں لفظ محبت کو ہمیشہ کے لیے تجھ کر بھیجی کی تھی۔ صابر کے احساس کی صوب بھی اس کو بکھلا نہیں سکتی تھی۔ صابر جتنا اس پر اپنی اولاد محبت بھار کر تارہ اتنی ہی عاجز آ جاتی تھی۔

”صابر اس کے گریہ کا بھنے کا تھا محرم اصل وجہ جاننے سے صاف صابر کا وجہ دوسرا ہوا کی ہے انتہائی کی کرد میں اٹ تھا۔ وہ اب چا کر بھی اپنی آنکھوں سے شہر بانو کا زلال عین سنا نہیں سکتا تھا یہ محبت انتہائی کب ہوا کرتی ہے۔ انسان کو چاروں خانے سے کر دیتی ہے۔

شادی کے اولین دن اختتام پذیر ہوئے تو اس نے دہانے سے ہٹ کر اطراف کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اب تک تو تاشے کی رے سے دو پہر کا کھانا رات کا کھانا سب کرے میں ایک تو اڑے ہے آر تھا۔ لانے واسطے چہرے بدل جاتے تھے بھی بڑی نہ جانے اور بھی پھولی نہ فائزہ لایا کرتی تھی۔ وہ چونکہ گھر میں بھی خاص کام کاج کی عادی تھی۔ وہ صفائی تھرائی تو اس کے ذہنی محرم کھانا اماں ہی بنایا کرتی تھیں۔ کچھ تو اس کی کالی سستی دوسرا پاجان کو اماں کے ہاتھوں کا ہی کھانا پسند تھا۔ چول ایا جان اس کا جیسا لذت سے بھر پور کھانا کوئی اور بنا ہی نہیں سکتا تھا۔ اب ایسا بھی نہیں تھا کس کو کمرے سے کچھ بنانا تو نہیں تھا۔ در حقیقت وہ موڈ کی موڈ ہوتا تو زندگی اماں کو کچن سے باہر نکال کر خود کھانا بناتے تھے تھے محرم سب اس کے خوش گوار سوڈ کے مہر منہ تھا۔ اس لیے یہاں بھی بیٹھ کر کھانے میں اس نے کوئی عارضہ نہیں کیا تھا شاید یہ سلسلہ جاری دوسری

ی رہتا اگر ایک دن سعد یہ بیگم کی گرج وار آوازاں ہی کے کانوں سے نہ گزریں۔ ”میں بھی ہوں پھر بھروے کو آیا ہے ابھی تک تمہاری بیوی کا دلہنا ہی نہیں ہونے میں نہیں آ رہا ہے۔ دو دو جوان نہیں کرے تک کھانا بیٹھا آئی ہیں۔ اس کو کھیں تو تم کو ہی شرم آئی جائے محرم کو کھیں شرم آئی۔ جب ایسا سہرے کے پھول کھاتے نہیں آئی جب کہ بہنوں کی ڈولی عین نہیں اٹھ کی تھی۔ اس نواب زادے کے کردار آج سے اپنا خود کھانے اور خود ی کھا ہے۔ تم اٹھاؤ اس کے چوہے کھانے، ہم تو اب باز آئے۔“ سعد یہ بیگم نے باٹ اور لچے میں کہا تھا اندر بیٹھی شہر بانو ہنسی کی تھی۔

”اماں آہستہ ہو میں دن لے گی۔“ صابر نے گھر باہر سے کہا تھا۔ ”ارے سہی کی ہے تو سن لے میں کوئی ذرتی ہوں۔“ سعد یہ بیگم نے دھاک دھاک لٹھوں میں کہا تھا۔ ”اماں میں اس کو سمجھا دوں گا۔“ صابر نے دے دے لچہ میں کہا تھا۔

صابر بیوی کے رعب حسن میں تھا۔ ”پاں بھجھاؤ ابھی طرح سے۔“

☆☆☆

رات کو جب بات کرنے کی غرض سے صابر کرے میں آیا تو وہ سوتی بن گئی تھی۔ صابر نے دل میں محرم ارادہ بنا دیا تھا کہ وہ نکلتا کرے گا۔ صابریہ نے شہر بانو جاگ بگلی کی اس نے ہاتھل خاموشی سے اطراف کا جائزہ لیا تھا قالی خانہ کی دیو کی بندھی روشنی میں اس کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

روزانہ کی وہ صفائی تھرائی سعد یہ بیگم کا اپنے میاں زادہ کے ساتھ مل کر بیٹھوں کے بازو سے جا کر دودھ دینا پھر ڈولوں میں ہلڑ تیب بھیل کرنا اور پھر اس کے بچھانوں کو چارہ ڈالنا پانی پلانا اس کے

بعدا شے کی تہا ری نہ۔

دوسری طرف فائزہ سارے آگھن میں بکھرے
چوں کا پیر صاف کہے باں کا پھر ہٹانے چن میں
آ جاتی گی۔ عازنہ سب کے نیلے کپڑوں کا ڈمیر
ناشے کے نورابعد صواب شرع کر دیا کرتی تھی۔ ابھی
ناشے سے فراغت ہی ہوئی تھی کہ دودھ پہرے کے کھانے
کی فکر تانے لگی تھی۔ شہر بانو کو بے زندقہ بے حد مشتاق
لگتی تھی۔ گھر دیکھ کر کھانے کی توجہ اس کی آرائش کی
طرف مبذول نہیں ہوئی تھی۔ روزانہ کی کچی پیڑی
روشن سے ہٹ کر کھانے کی چوٹی میں ہوتا تھا تکی کی
دی چند ساتھی تھے جو ہر دوسرے دن بعد کھیتے تھے اور
حیرت کی بات یہ تھی کہ سب گھر جھکا کر باگل خاموشی
سے کھا بھی لیتے تھے۔ عازنہ تو فیہرک کے بعد
مزے تعلیم حاصل ہی نہیں کی تھی نہ ہی اس کو حقوق تھا
اس کی دیکھا دیکھی چھوٹی فائزہ بھی ڈل کے بعد ہی
پڑھائی سے اتھار اٹھا کر کھانے میں جت لگتی تھی
ان کو گھر داری پڑھائی سے نسبتاً زیادہ آسان لگا کرتی
تھی۔

آہستہ آہستہ شہر بانو بھی گھر کے کاموں میں
لگھ ہٹانے لگی تھی لیکن جہاں کارکنہ سے برتن خود دیتی
تھی فائزہ سے پہلے جن میں جھاڑو لگا صاف کر
دیتی تھی۔

اب اس کو بات بات پر غصہ پڑتی تھی کہ جاتی
تھی مگر کوئی اس سے مل کر بھی نہیں دے رہا تھا ایک
ناقصی ہی لگتی تھی جو ابھی فیصل کی ماہد اس کے اور
اغل خانہ کے درمیان مل گئی۔

چوبایوں کی طرف کیے سارے کام اور ساری
ذمہ داری اس کے سرسری کھی شہر بانو کو یہ دلچہ کر پہلا
جھکا پٹ لگا تھا جب اسے معلوم ہوا تھا کہ صابر کسی
آگھ میں جا پکرتا ہے وہ تو جتنی بھی کردہ باگل ہی
ان پڑھ جانی مگر اسے گھر اب اس کے انداز نظم بھی
شہر بانو کو پڑھنا جانتے تھے۔

”آج میں کھا ہانا پتا ہی نہیں ہوگا اگر آپ کو کوئی
امراض نہ ہو تو.....“ سارا دن فراغت اس کو اب
کاواکر گزرنے کی تھی صابر کے جانے کے بعد غیر
محسوس طریقے سے وہ اس کا انتظار کرنے لگی تھی ایک
سجھوتا سا تھا شاید جواب اس کو یہاں رہنا تھا تو کھلے
لئے بھی ضرورت تھی۔ اس لیے وہ اس باجول میں
خود کو مگر نے کی کوشش میں بلان ہو رہی تھی مگر سب
صابر کی سن جاتی یہی کی نگاہ سے ہی اس کو پرکھتے
اور دلتے تھے۔

”تم پکنا جانتی ہو تو ضرور پکا لو مجھے کوئی
امراض نہیں ہے۔“ مسعدہ یہیم نے کھلے دل سے اس
کو کھانا بنانے کی اجازت دے دی تھی۔
شہر بانو نے ہینڈی کرکشت بنایا مگر میں بھی وہ
بیکار دیکھا ہوں دل سے بنایا کرتی تھی۔ اس نے ساتھ میں
کھیر بنائی۔ مگر بعد کام کیا تھا تو دت بھی زیادہ لگ
گیا تھا۔

رات کو جب سب کھانے کے لیے بیٹھے تو
سب نے کھلے دل سے شہر بانو کے انھوں کے ڈالندہ
کوسرنا تھا۔

”واہ بھو حرا آگیا پہلی مرتبہ میں نے ہینڈی
گوشٹ کھا یا ہے۔“ پلونا بھائی انعام۔
اس کے سرسے اس کے ہاتھ میں بنار کے
چاچو ٹوٹ رکھے وہ دھو کے دیکھ رہی تھی اس
نے یہ سب کسی انعام کی لالچ میں تو نہیں کیا تھا۔ صابر
سے اس کی لگوں کا قصاص ہوا جو جیت سے اس کو ہی
دیکھ رہا تھا اس کے چہرے کی چمک تہا ری بھی کردہ
تھی آج بھائی خوش ادا ہے۔

دودھ کو اس کی ساس کی عادت تھی وہ کھانے
کے بعد ضرور قلیل کرنا کرتی تھیں مگر شہر بانو کو دودھ
میں سونے کی باگل بھی عادت نہیں تھی اس وقت وہ
شدید طور پر تھیں گری تھی سب اہل خانہ سارے

تھے اس نے باگل خاموشی سے بڑے گول کرے کا
رنگ کیا تھا جو کٹھ کھاڑ سے بھر ہوا تھا جب کہ ایک
اسٹور گھر کے چیمبر کی جانب تھا دیں اسے سب ملے رکھا
جا سکتا تھا۔ اس نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ اس کے چیمبر
میں ماں نے جو فرنیچر دیا تھا اس سے اس کا گھر میں
زرد ہو رہا تھا۔ اس کے بجائے اگر اس سارے سے
فرنیچر کو یہاں طریقے سے چھڑا کر رکھا جاتا تو
اس کی بھی سن جاتی یہی کی نگاہ سے ہی اس کو پرکھتے
اور دلتے تھے۔

”تم پکنا جانتی ہو تو ضرور پکا لو مجھے کوئی
امراض نہیں ہے۔“ مسعدہ یہیم نے کھلے دل سے اس
کو کھانا بنانے کی اجازت دے دی تھی۔
شہر بانو نے ہینڈی کرکشت بنایا مگر میں بھی وہ
بیکار دیکھا ہوں دل سے بنایا کرتی تھی۔ اس نے ساتھ میں
کھیر بنائی۔ مگر بعد کام کیا تھا تو دت بھی زیادہ لگ
گیا تھا۔

رات کو جب سب کھانے کے لیے بیٹھے تو
سب نے کھلے دل سے شہر بانو کے انھوں کے ڈالندہ
کوسرنا تھا۔

دودھ کو اس کی ساس کی عادت تھی وہ کھانے
کے بعد ضرور قلیل کرنا کرتی تھیں مگر شہر بانو کو دودھ
میں سونے کی باگل بھی عادت نہیں تھی اس وقت وہ
شدید طور پر تھیں گری تھی سب اہل خانہ سارے

تو ایک ضرورت ہے۔“
مسعدہ یہیم نے بنا کچھ کہے آگے بڑھ کر اس
کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے بہت ساری دعا میں دی
تھیں۔ شہر بانو نے پہلی مرتبہ مسعدہ یہیم کے چہرے پر
اپنے لیے بڑی دیکھی کی بعد میں فائزہ نے بھی اس کی
اس کاوش کو سراہا تھا اور کھلے دل سے اس کی تحریف کی
تھی۔

☆☆☆

عازنہ کے لیے ایک شہ آقا تھا متوسط طبقے کے
ہی سادہ سے ہی لوگ تھے ایک مختصر خاتون پسند کر تھی
تھیں۔ عابدان کا انکھن پتا تھا ان کو گھر داری کھینے والی
احساس کرنے والی بہو کی ضرورت تھی۔ آنا کانا
سارے معاملات حل ہوتے چلے گئے تھے اگلے ماہ
ہی دھنچ بھی لے ہوئی تھی۔

شہر بانو نے تپا خود کو بدل دیا تھا۔ عورت
اپنے آپ کو حالات کے ہمارے پر چھوڑ دیا کرتی
تھیں۔ منافع سمجھتا مقدر کا لکھا ہے سارے لفظ ڈا بر کر
لیتی ہے۔

شہر بانو نے اپنی قسمت سے سمجھتا کر لیا تھا مگر
ایک غلطی بھی جو اس کو بے گھر رکھا کرتی تھی۔ سروس
خندو پوری ہو گئی تھی مگر عورت کی خند میں اسے اپنا
آپ گونا پڑتا سارے رشتے نا کھو کر بیٹا پڑتا
ہے لیکن فرق تھا کہ صابر کی خند یا جیت اس سے شادی
کے بعد پوری ہو گئی۔

محسوس کا یہ راجہ صاب شام وہ اپنی جان لگا کر ادا
کر دیتی تھی۔ بہت مشکل سے اب اس کو بھی گھر کا ایک
فرد شمار کیا جانے لگا تھا یہ اس کی قربانیوں کا ہی صلہ تھا
کراس نے بھی مشورہ دیا جانے لگا تھا یہ تمام بنانے
کے لیے اس نے اپنا دل ہاتھ دیا تھا۔

☆☆☆

اس کی ایک ہی درست تھی تاہم جس کی شادی
کی تقریب میں وہ شریک نہیں ہو سکی تھی اب اسے

عرسہ بندہ و شہر بانو سے ملنے کی تسنائی تھی۔

”سنیں میں اپنی دوست کو بلاؤں کیا؟ اس کی شادی بھی میں نہیں جا سکتی تھی۔ میری ایک ہی دوست ہے۔“

شہر بانو نے پہلی مرتبہ ازخود اس کو مخاطب کیا تھا وہ شہر بانو کی رہا تھا۔

”کوئی اعتراض نہیں ہے تم ایک بار ای سے بھی اجازت لے لیتا۔ وہ جو جاؤ تم میرے گھر والوں پر چلایا ہے امید تو یہی ہے کہ اسی ہاں کے دیں گی دیکھو کتنی عجیب بات ہے کہ اسی کو جاؤ دگر کرنی کہا کرتی تھیں اور آج خود ہی تمہارے دام میں آ گئی ہیں۔“

وہ لب بستہ رہ گئی تھی اس جادو کے لیے اسے اپنے من کی بار بار ڈھاکا تھا۔

پھر واقعی اس کو راضی خوشی سے اس کی ساس نے اجازت دے دی تھی اور بلور خاص صابر کو مکملیہ انداز میں کہا تھا کہ وہ شام کو جلدی گھر آ جائے اور کھانے بیچنے کی اشیاء میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔

شہر بانو بہت خوش میں ملا تھا تو اتنا کہ تانیہ کا میاں سے خوب صورت تانیہ کی شادی کی تصاویر اس نے دیکھی تھیں اور کتنی ہی دیر وہ دم بخود دیکھتی رہ گئی تھی اس کے خوابوں میں یہی صورت ہے بے حد مشابہت رکھتا تھا کہ اس سب سے چٹا منٹول تھا۔ اس کو ملوگ تھا کہ صابر کو کدہ کو کس کی دوست کے کیا تاثرات ہو سکتے ہیں گھر میں اب اس کی زندگی کا پورا چمٹا ہے اس نے قبول کر لیا تھا۔

شام کو تانیہ کی آمد سے مکمل ہی ہو گئے کہ ساس اور برائی تیار کر چکی تھی چٹھے میں اس کی ساس نے گاڑ کا طولہ بنایا تھا۔

تانیہ ہمیشہ کی طرح ہنسی مسکراتی گھر میں داخل ہوئی تھی سب سے بہت محبت اور مٹھوس سے مل گئی۔

”ارے یہ ہیں دلدار بھائی! ماشاء اللہ اسلام علیکم؟“

شہر بانو اس کے لیے میں طنز کا شئی رہ گئی تھی مگر وہاں طنز کا نشانہ نہ لگ سکتا تھا۔

”تم اکیلی آئی ہو بیٹا۔“ اس کی ساس سعدیہ یکدم نے پوچھا تھا۔

”جی ہاں آئی تھی راستہ میں بازار بکچر ہو گیا تھا موٹر سائیکل کا۔“ اس نے سادگی سے جواب دیا تھا۔ چائیں کیوں شہر بانو کو محسوس ہو رہا تھا جیسے تانیہ بے حد صدفرد ہے جسے ہی عامر آ گیا تھا شہر بانو نے سلام کے بعد کوئی کھرب پیش کیا تھا۔

”میں کھانا لائی ہوں ابھی آئی ہوں۔“ گول کمرے میں اس وقت صرف تانیہ اور عامر ہی تھے۔ جب شہر بانو سانس کا ڈھکے کوڑے میں رکھے اس گول کمرہ میں داخل ہونے کی جتنی ٹھک

جب اندر عامر کا تیز بیدار ہونے کا ٹھک کے رک گیا تھی۔

”اسکی کوئی شخص ہو تو تم جب سے میری زندگی میں آئی ہو زندگی ابیرا کر دی ہے آج موٹر سائیکل پر سوار ہوئی اور بازار بکچر ہو گیا ہر کوئی نہ کوئی نقصان ہی کر داتی ہو۔“

”اس میں میرا کیا قصور ہے۔“ تانیہ کی تسنائی آواز سنائی دی گئی۔

”ابھی تو کون کا دو دروازہ ابھی سیدھا گھر چلا جاؤں گا تم آتی رہا اپنی دوست کے ساتھ۔“

پہلی گھر میں بیٹے سارا منظر راج ہو گیا تھا اس کے رخ دوئے کوئی صابر نے قس کر کہا تھا اس کو کمر آگھوں پر بٹھایا تھا۔

”ارے مجھے دوش لے جاتا ہوں اندر صبح سے کام چمک میں کی ہوئی ہو۔۔۔۔۔ صابر کا نظردہ بھیاں کی محبت کا جو بت تھا پورا ہو گئی تھی اور صابر نے ہی کھانا لگایا تھا مزہ پر۔ وہ تو صرف سوچ رہی تھی مسلسل۔۔۔۔۔ چروں سے بلند کردار ہوا کرتے ہیں حسین چہرے کے پیچھے کردار وہ بھی ہوا کرتے ہیں انسان کردار میں افعال میں اعمال میں ہوتا نہ ہو۔ آج

اسے اپنی ماں کے انتخاب پر چارہ آ رہا تھا کیونکہ وہ ہر بلندی سے پورے اعتماد کے ساتھ تانیہ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی جبکہ تانیہ کی آنکھوں میں خوف دہراں تھا چاہتا کہ کچھ نہ کیا کہہ دے اور اس کا ہجرم پاش پاش ہو جائے۔ رات گہری ہونے سے ذرا پہلے ہی تانیہ اٹھنے کی تیاری میں کی۔ جانے سے پہلے شہر بانو کا ہاتھ تمام حرکت سے روک لی گئی۔

”شہر بانو تم سب بیٹیوں میں خوش قسمت ہو جو تم کھانا بٹھا ہوا چکر لے والا بیٹن ساس کی ملا ہے جو تمہاری قدر کرتا ہے تمہارے احساسات کی قدر کرتا ہے۔ بیوی کو پاؤں کی جوتی نہیں بٹھاتا ہے۔ بکداس کی تقظیم کرتا اور دوسروں سے بھی کرواتا ہے۔ آج مجھے تمہارے نصیب پر رشک آ رہا ہے۔ ماشاء اللہ سدا خوش رہو۔۔۔۔۔ ہیشہ سکرانی رہو تمہاری سکان یوں ہی تمہارے سکان پر چن رہے۔ آئیں۔“

شہر بانو اس سے لگے لگ کر نم آلود آنکھوں سے اس کو رخصت کر رہی تھی جب عامر نے سارے لحاظ طاق پر رکھ دیے تھے۔

”اب ابھی چلو۔۔۔۔۔ دفعان ہو گئی ہو تانیہ شہر بانو سے نظر جرات ہے جو کھراہٹ میں باہر نکل گئی تھی۔“

تانیہ کے جانے کے بعد شہر بانو کا دل بہت بوجھل سا ہو رہا تھا۔ وہ تو ایک عرصے سے بدل چکی تھی آج اس میں آخری مکمل تانیہ سے ملاقات نہ ٹھوکر دی گئی۔ اب نہ تو اسے چوپایوں کی پر محسوس ہوتی تھی نہ وہ اس گھر کے کینوں کو۔ تانیہ بھی جی کیونکہ اس نے دل سے سب کو اپنا لیا تھا اور شاید اس کی وجہ یہ تھی جان کی جواب اس کی کدھ میں کی اس نے اس کا ذکر صرف اپنی ساس سے کیا تھا جس نے اس کا افسی خلق استوار ہو چکا تھا وہ اب ہر معاملے میں ان سے رہنمائی لیا کرتی تھی۔

ایک دن جب اس کی حالت بھی ناساز تھی وہ اس کا ہاتھ تانے سے لپڑی ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھیں اور پھر اس خوشی کی خبر نے اس کو سرتاپا بدل ڈالا تھا وہ غیر محسوس طریقے سے اس گھر کے رنگ میں رنگ لگتی تھی تو کچھ رنگ اس نے اس گھر کے کینوں کو دیے تھے۔ محبت کے رنگ، چاہت کے رنگ، غم و غصہ کے رنگ انہماک کے رنگ جن کی مٹھاس میں اب اس کے شب و روز بسر ہونے لگے تھے۔

”کیا بات ہے میری یکدم کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“

عقب سے صابر کی آواز پر اس نے ہلٹ کر دیکھا تھا۔ یہ شخص واقعی اس کی رنگ جاں میں رنگوں ہو رہا تھا مگر دھیرے دھیرے۔

”میں تو ٹھیک ہوں آپ کو ایک خبر سنائی ہے پہلے تو سوچا تھا کہ جب کدھا گھر آئے گا تو خود ہی ملوگ ہو جائے گا۔“ اس نے شرارت سے کہا تھا

”کون آ رہا ہے گھر؟“

صابر نے نا بھی سے پوچھا تھا۔

”امام کی زندگی کی پہلی خوشی ہماری اولاد۔“

وہ سر جھکا کر بھی صابر سر خوشی سے اس کا

شرعیں انداز ملا تھا کدھ کر رہا تھا۔

”گھر میں چاہتا ہوں مکمل بیٹی ہو بائیں گھر صابری جیسی۔۔۔۔۔“

”تمہیں میں نے دعا کی ہے ہمارا بیٹا ہو ہو ہو۔“

آپ جیسا۔۔۔۔۔ بے یقینی صابر کی آنکھوں میں اللہ آتی تھی۔

”میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے تمہاری دعا قبول ہو۔“

شہر بانو نے صابر کے کندھے پر سر رکھ دیا تھا۔

دفا کے کوہ گراں میں۔ ☆ ☆

ثبوتِ سحر

سحر کے نونج رہے تھے، پہنے کا شرع دن
بھی چڑھتا۔ پورے گھر میں افرا تفری ہوئی گی۔
شاذ نسیم بچن میں لڑی ہانپتا رہی میں۔ شاذ یہ
ہانپتا سیر پر سہاری تھی۔ فائق یونس دہلی جانے کے
لیے تیار ہو رہا تھا۔ عبدالکریم صاحب کی دی پرندوں
رہے تھے۔ ام ہانی یونس کی جانے کے لیے ڈھنچا
پر لیں کر رہی تھی۔

"شاذ یہ! اگر وہ کچھ بولی کے پہلو میں بڑا سوراہا
ہوگا۔ کام پر اس کا پ جائے گا کیا؟" شاذ نسیم نے
توے پر براٹھا پلٹے ہوئے عرق آلود پیشانی کو صاف
کرتے ہوئے سحر سے کہا تھا۔ "ابھی اسی جانی
ہوں۔" شاذ یہ دو چٹا شانوں پر ہمارہ کرنی بچن سے لگی
تھی۔

☆☆☆

"اجرا! بس اب جلدی سے یہ والی شرٹ پہن
لیں، ساڑھے نو بج چکے ہیں، دس بجے آپ کے
اُپس سے گاڑی آ جائے گی۔" مزینہ مندلی سے
بولی گی۔

"بارا یہ وقت کتنی تیز رفتار سے گزرتا ہے،
ابھی تو ہم نے دو پیار بھری باتیں اور کوئی شرارت بھی
نہیں کی۔"

اجرا بھرت لانا لے لپے میں بولا تھا۔ نئی نئی شادی
تھی۔ مزینہ اور اجرا تپا زاد دہلیازاد تھے۔ یہ شادی
خالصتا گھر کے بڑوں کی مرضی سے ہوئی گی۔ مزینہ
ملندار خوش اخلاق، خوش گفتار لڑکی تھی، جس نے
شادی کے پہلے دن سے ہی اپنے ہماری خدا کا دل
جیت لیا تھا۔ دونوں کے شب و روز صحبت کی پھول میں

اچھے امی، ابو، بہن، بھائی کا کام کرنا چھ پر بھاری
تھیں۔ یہ جو ہر وقت کئی سنواری دہلی سے ناں، لکھا پیا
تیار ہوئی، یہ مجھے پسند نہیں، مگر بندہ چھوٹے منہ
کہہ دیتا ہے کہ آج میں دسرخوان لگا دیتی ہوں،
برتن اٹھا دیتی ہوں، فرخچہ صاف کر دیتی ہوں،
کی بوتلیں بھر دیتی ہوں، گھر میں ہزاروں چھوٹے
چھوٹے کام ہوتے ہیں۔"

بیکے ہوتے تھے۔

"اجرا! اسی بات پر انتظار کر رہی ہیں۔" شاذ یہ
جو چوٹ پر لڑی اسے ہلانے آئی گی۔ ناگ کرتے
پر مزینہ کے دروازہ کھولنے پر جھٹ سے بولی گی۔
"تم چلو ہم آتے ہیں۔" اجرا سرکا کر بولا تھا۔
اور شرٹ سے کف کے۔ جن بندہ گردانے مزینہ کے
پاس چلا آیا تھا۔ مزینہ کو شاذ یہ کے سامنے حیا آ رہی
تھی۔ نظریں جھکا اس نے جن بندہ کر دیے۔

☆☆☆

"امی! مزینہ ہر وقت تیار رہتی ہے۔ کسی کام کو
ہاتھ نہیں لگاتی۔ بس بہت آرام دے دیا اب کام
چاہیے۔ کل اتوار ہے ان کا بھر میں ہاتھ ڈالو گی۔
دوہہ کے وقت سب ہی لاڈ لیا میں بیٹھے تھے۔ مزینہ امی کے ساتھ
لی دی ہوئی ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔

شاذ یہ سامنے کاؤچ پر مزینہ کو سونے دیکھ کر
طنز سے بولی تھی کہ مزینہ کہہ رہی وہاں سے اٹھ کر چلی گی
تھی۔ اسے شاذ یہ کی بات ناگوار گزری تھی۔

"آئی امی! بھانجی تھا ہو کر چلی گئی۔ امی تو ایک
ہینڈ گی نہیں ہوا ابھی کو گھر آئے، ابھی کے ہاتھی
تو ہم سب کی گرامار کا کم کرتے تھے۔ کچھ دن کی بات
ہے ساری زندگی کوں بھانجی کھاتا ہے۔"

امی ملی موہاں میں یوٹیوب پر ڈرامہ دیکھتے
ہوئے بولی گی۔ مزینہ کے جانے کے بعد اس نے لی
دی آف کر دیا تھا۔

"اسے رہے دو! خود تو اپنی پڑھائی اور دیگر
ایکویٹی میں بڑی ترقی ہو، امی صرف ہینڈ رول کر
جیں، پورے گھر کا کام میں اکیلے ہاتھ سے کرتی ہوں،

"آئی! اتنا غصہ کس بات کا ہے، میں خود کھا
ہے ابھی آپ سے کہتی ہیں کہ شاذ یہ آئی میں آپ
کے ساتھ رہتی ہواؤں تو آپ ہی انکار کر دیتی ہیں کہ
امی چاروں ہونے ہیں شادی کو انجوائے کر، یہ دن
دوبارہ نہیں آتے۔ وہ آپ کی بات مان کر کسرا دیتی
ہیں۔ وہ جس کام کو ہاتھ لگتی ہیں آپ انہیں روک
دیتی ہیں۔ وہ آپ کے غلوں اور محبت پر شک نہیں



"مما! مزہ کے کام میں صفائی نہیں ہے۔" وہ

☆☆☆
مذہب کا طبعیت کن (توں) سے گہری گہری

زور کی بولی تھی۔
 "تم بیٹھو میں بتا دیتی ہوں۔" شبانہ بیگم نے
 اسے کچن میں نہ جانے دیا تھا۔ اور خود گرمی میں روٹی
 پٹانے لگی تھیں۔ مزہ انھیں دل سے دعا کیوں دے رہی
 تھی۔ احمر لچ کر نے آنے ہی والا تھا۔ مزہ اپنے روم

☆☆☆
"السلام علیکم مہمما۔"

”بیٹا! ذمہ داری سے کام کرنے میں ہی مزے داری ہوتی

موبائل وائٹ رکھ کر اس روم گیا تھا اور دروازہ بند کر کے بند کیا تھا۔ مزینہ جھٹ اٹھ بیٹھی تھی۔ اور دواش روم سے نکلا تو اک خشکیں نگاہ اس پر ڈال کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ مزینہ کو احساس ہو رہا تھا کہ احمر کا دل اس کی طرف سے برا ہو گیا ہے۔ بدگمانی کا بیج بویا جا چکا ہے۔

حجرت کی انتہا ہوئی ہے جب ایک ہی گھر میں
 رہنے والے افراد سے اک دوسرے کے بارے میں
 یہ باتوں کی جھوٹ جھڑپا جاتا ہے۔ اور دل
 ان قصوں کی شکل میں بارے کرنا چاہتا ہے کہ وہ کسی
 بھی تیرے فرد پر یقین کر لیتے ہیں جبکہ کسی جھٹ
 کے رہے ہیں بات کی صداقت کرنے میں بنانے کیا
 قیاس تھاں ہوئی ہے اور ہم ہر اعتبار کے گھمے سے
 بات کی صداقت کیوں نہیں کرتے۔ جیسے احمد کے
 محبت مجھے ساتھ کی تھی شاید ضرورت ہے۔ میں کتنی
 تکلیف دہ عمل سے گزر رہی ہوں مجھے میری دلجوئی
 کے گھمے سے بدگمان ہو گئے ہیں۔

وہ جتنا سوچ رہی تھی اس کی اپنی ہی بدول ہو رہی تھی۔
☆☆☆

”اگر کیا بات ہے آپ کس بات پر مجھ سے ناراض ہیں۔“ مرنہ نے اس کا ہاتھ تھامایا تھا کہ اس نے جھٹ جھڑا لیا تھا۔

”اگر۔۔۔“ وہ کسی سے بولی تھی۔

”مرنہ! تم ایسی لکڑی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“

”ایک۔۔۔ کیا۔۔۔ مطلب۔۔۔ کیسی۔۔۔“ وہ
 ”تم اتنی زیادہ بد زبان و بد لحاظ ہو کہ

”تم جھوٹ نہیں بولو۔ مجھے جھوٹ سے لڑائی
جھگڑے سے نفرت ہے، یہ بات میں نے جھپٹیں
شادی کے اولین دنوں میں ہی باور کرا دی تھی۔“ وہ
اسے یاد دہانی کراتا ہوا بولتا تھا۔
”اگر میں جھوٹی تھی تو جو جاے سزا دیجیے گا میں
اف تک نہیں کھڑا کروں گا۔“ سرنہ نہ اٹھ کر کھڑا

”میں یہاں ہوں۔ صبح سے سارا دن کچن میں مگڑا کر کڑی چاول بنائے ہیں تھک کر چور ہوئی“ عزتہ منکر انکر باڈی سے بنا جھجک کر رہی تھی۔

”بیٹا! تم اکیلی تو نہیں تھیں، میں بھی تمہارے ساتھ تھی۔“ شبانہ بیگم جھٹ بناوٹی مسکراہٹ کے ساتھ یاد دلاتے ہوئے بولی تھیں۔

مزنہ نے اب سوچ لیا تھا کہ وہ دوبارہ جواب دے گی جب اس کے بارے میں اس کے شوہر سے یہ بات اتنے دھوکے سے کہی گئی ہے کہ وہ نہاں دروازے پر اب وہ حق بات کہے گی۔ حق بات کہنے والے

کو ہمارے یہاں گسترخ کہا جاتا ہے۔ منافقانہ عمل میں سرگرم لوگ بات کو بڑی عداوت و دلیری سے جھٹلاتے ہیں۔ مزین شاذ نہیں بلکہ بات پر لب و لہجہ رکھتی ہے۔ وہ درود گزرتی کہ جس میں احرے کے لیے پانی لینے چلی ہو گی۔

☆☆☆

مزین برائی یا تکرار کے بچن سے کبھی کراہ بکھ دیر آرام کرے گی تو دیکھا۔ شاذ یہ اس پر دود چا بانڈے لیے نہیں۔ مزین سبھی اپنے گھر کے لیے طرف جانے لگی تو پیچھے سے شاذ بیکم زحمت شفق کے لیے میں کہا۔

”مزین پناہ دو کپ اشراک چائے بنا دو۔“

”معدودت کا جانی پیچھے سے ہر کدو لکھیں ہوا جا رہا۔“ مزین کہہ کر گری نہیں کی۔ اگر وہ سے شاذ کوئی بانی بھی پالنے کا روادار نہ ہوتا نہ جرات تک نہ لے سکتی جانی۔ وہ شاذ بیکم سے دہری پائیس کو بچان لگی مگر منہ پہ کچھ اور پیٹ پیچھے کچھ بانٹیں احر کے کان بھرنے میں تو میں پھر برائی ہی سمجھا۔

”اشی! انہیں ہم نے ہی سکھایا ہے۔“ ام ہانی

اطمینان سے بولی کہ میں تو سبھی کی عزت کر دے تو

عزت پاؤں گے۔“

☆☆☆

”فاقینا! تو ہی دو دل میں ماں کے ساتھ گزرا کر میرا دل چاہتا ہے کہ میرے بیٹے مجھ سے باتیں کریں۔“ شاذ بیکم زحمت ڈانڈ میں بولی میں۔

”مہماں بڑھائی کی مصروفیت ہے۔“ وہ ماں کی گود میں سر دکھ کر دروازہ ہوا تھا۔

”میرا اصرار تو ایسا ہی ہے کہ اے کرے ماں بہنوں کی پروا نہیں۔ مزین سے ایسا امید نہ تھی تو اسے اپنی ام ہانی اور شاذی کی طرح ہی سمجھتی تھی اس نے مجھے کبھی ماں نہیں سمجھا۔ بیشہ احر کا دل

برایا ہے۔ وہ اتنے کان بھرتی ہے کہ اللہ ہی بچائے۔“

”اھر بھائی شاذ مجھ کیلئے آپ کے پاس آتے ہیں ہر دم میں جاتے ہیں۔“ فاقینا تجھ سے دوسرا لگتا۔

”روم سے جگ میں پانی تنم ہو گیا تھا اھر پانی بھرنے نہیں میں جا رہا تھا تو سامی یا نہیں سن کر اس کے قدموں کے تھکے وہ ماں کی باتیں سن کر دنگ رہ گیا تھا اسے یقین نہیں ہوا تھا۔ وہ تو اپنی ماں کو اتنا

سچا تھا کہ وہ مزین کو جھٹلاتا تھا۔

”کچھ لے چاہا چاہا کر گئے وہ مردہ قدموں سے کرے میں واپس لگ گیا تھا اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔“

☆☆☆

مزین چپک چپ تھا اس کا لہجہ پھر پانی تھا۔ ڈاکٹر نے ڈیوڈر دل دلیات چاہی کر دی تھی۔ دردا لینے کے بعد اھر اسے تنہا یا پارک میں لے آ گیا تھا کہ اس کے ڈسٹرپ ڈین کو پرفضا محل میں چھو سکون لے۔

”مزین! ڈاکٹر اپنا خیال رکھا کہ ہمارے بیٹے کو بھی پرالیم ہو سکتی ہے۔“ اھر سامنے شاذ سے جوں اور نہیں کا بیکٹ لے کر آیا تھا۔ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ صحت مجھے سے انداز میں بولا تھا۔

”اھر ہم نے ہند کی شادی تو نہ کی پھر میرے ساتھ چائی جان اور ان شاذی آپ کا رویہ مجھے بہت افسردہ کرتا ہے۔“ مزین دہائی ہو رہی تھی۔

”پار جانے دو بس مجھے بھی اللہ پاک نے سچائی سے آگاہ کر دیا ہے۔“ وہ سن ہو گئے ہیں۔ میں لکھتا

مضطرب ہوں تمہیں کیا بتاؤں۔ بس میں جی بوجھتا ہوں کہ میں کہاں غلط ہوں۔ ہر کام میں جتن دیتا ہوں

سے کبھی بات تو ہی پوری کر دیتا ہوں۔ پیسہ تمہارے لیے شاذ کھاتا ہوں اس طرح ہی اور دروہوں بہنوں کے لیے کہ تو ان سب کے حقوق ادا نہیں کر رہا خوش

اسلوبی سے۔ سب حقوق پورے کر رہا ہوں اپنی

جانب سے۔ اس کے باوجود اپنی کدورت میں

دو دلے ہیں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سادی طبیعت کا سیدھے مزاج کا انسان ہوں۔ خوش رہتا ہوں ہر سکون رہتا چاہتا ہوں۔ اپنی ذات سے سب کو خوش رکھنا چاہتا ہوں۔ اپنی کوشش کے بعد بھی کوئی خوش نہ ہو تو کیا کیا جائے۔ بچوں سے کنارہ نہیں کیا جاتا۔ لیکن منافقت کے ساتھ گزارا بھی نہیں ہوتا۔“

”وہ دھکے سے کہہ رہا تھا مزین کو فاقین اور ہما کے درمیان کی سادی بات کو سن کر زار دی گئی۔ مزین سے بولی گئی۔

”جو باپ باپ یا بہن بھائی اپنے کچھ بھائی یا بیٹے کے ساتھ کھلی نہیں ہوتے وہ بہو سے کیسے محبت کر سکتے ہیں۔ بھائی یا بیٹا اچھے برے وقت میں کام آتے دل سے گھر والوں سے محبت کرے۔ اس کی محبت کوئی وقت نہیں۔ بے پرواہی دل بنا دے کہ لڑائی جھگڑوں میں اسے یہ کہہ دیا کہ بیوی تو کیا نظام ہے۔ بیوی کا ہر دم بھالنا ہے۔ بیوی کے شادیوں پر جاتا ہے۔ سب باتیں اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ شوہر کے گھر والوں کو کیاں بیوی کا کسی خوش رہتا برداشت نہیں ہوتا۔ بنا کسی جواز یا جتنی باتوں میں دروازہ ڈال دیتی ہے۔ رشتے محبت و خلوص سے نبھاتے جاتے ہیں۔

”اب اعزت نے ہر رشتے کا ایک مقام اور

حدود مقرر کی ہیں۔ ماں، بہن، بیوی، بچے۔ ہر رشتہ

ترتیب وار ہے۔ ہر رشتے کا رتبہ جانتے محبت الگ

الگ ہے۔ ہر دوسرے کو چاہتا ہے۔ لیکن جواز کا خیال

رکھنا اس عزت دینا چاہئے کیوں سرسالی رشتوں کی

آگ کش میں لگتا ہے۔

ہر سرائی میں بہو سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

سراں میں سب کا خیال رکھے۔ سب کو عزت

دے۔ محبت دے۔ گھر کو سنبھالے بڑوں کا ادب

کرے۔ سراں والے بہو کو کوئی عزت اور اہمیت نہ

دیں۔ بہو کے مقابل ہمیشہ بیٹی کو ہی فوقیت دی

جاتے۔ بہو کے ہر کام میں محبت لگنے کا سبب۔ وہ

اپنی بساط سے بڑھ کر کبھی کرے تو کوئی تعریف و توصیف کرنے والا نہیں ہوتا ایسے میں وہ بہو کیا کرے گی۔ بدول میں ہوئی نہ۔ سب چاہتے ہیں بہو سب سے محبت لے۔ تو کیا نہیں چاہتی کہ سب اس سے محبت کریں۔ چار لوگ بیٹے قبیحے لگا رہے ہوتے ہیں بہو سے کئے ہی بدودھاری کیوں ہو جاتا ہے۔ بہو کدورت میں بڑھ چڑھ کر کام کرے بہو کے دکھ و دیش اسے کہہ کر میں سمجھو کہ کدورت جانا چھڑا لی جاتی ہے۔ بہو کے بیزدوم میں کیا سیکھے سے فکر پیچھے جاتے ہیں جو اس کی تیارواری کرتے ہیں۔“

”مزین! تم حق بجانب ہو۔ تمہاری ہر بات سچی

ہے۔ ہم کیا کریں ازل سے چلا آ رہا ہے ساس ہند

اور بہو ہمارے گھر کے رشتے کا تاؤ بھی قسم ہو گیا یا نہیں

لیکن مجھے تم پر پھر دوسرے ختم اپنی جگہ دوسرے ہو غلاما

اور آئی ہیں۔ انہیں میں لاکھ قاتل کرنے کی کوشش

کرلوں ان کے دل تو اتنی بڑھائی کی پیٹ میں ہیں

کہ وہ میری کت بات سے بیٹھیں نہیں کریں گی۔ بلکہ وہ

بیٹے زن مرے کہہ کر کہہ کر اپنے دل کی مزید بھڑاس نکالیں

گی۔ اپنی لٹی ہوتی ہوئی بہو سے نہ خوشی والے

لوگ پسند کی شادی کرنے والے بیٹے کا کیا حال

کرتے ہوں گے۔ مجھے تو سوچ کر ہی ہجر جبری لگتی

ہے۔“ وہ منافق سے کہہ رہا تھا۔

”مزین سہری تم سے جس اتنی کڑاؤں ہے کہ تم

اپنی طرف سے گھر کے ماحول کو خوش گزار لکھتی

بھر ہو کر کوشش کر دے گی اور میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں

آج کے بعد تم سے بھی دو گان نہیں ہوں گا۔ مزین نے

اھر کے ہاتھ پانچا ہاتھ لگا کر اپنے تھکان دلا دینا

اور اس کے کندھے پر سر دکھ کر سکون سے آگئیں

موندنے آئے۔ دل دن تھا لیکن اسے

یقین تھا کہ اھر کا ساتھ اٹھائیں آسان بنا دے گا۔

☆☆☆



القرآن

”یہ ایک سورت ہے جسے تم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکام ہم نے ہی فرض کیے ہیں اور تم نے اس میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو۔ بدکار اور بدکار اور دوسریوں میں سے ہر ایک کو سوسوڑے بار اور انہیں اللہ کے معاملہ میں ان پر زرارہ نہ آ کر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔ بدکار مرد سوائے بدکار عورت یا مشرک کے نکاح نہیں کرے گا اور بدکار عورت سے سوائے بدکار مرد یا مشرک کے اور کوئی نکاح نہیں کرے گا اور ایمان والوں پر یہ حرام کیا گیا اور لوگوں باک دامن عورتوں پر تہمت لگائے گئے ہیں اور پھر اگر گواہ نہیں لاتے تو انہیں اتنی دوسرے بار اور بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور دیکھ لوگ تا فرمان ہیں مگر جنہوں نے اس کے بعد تو یہ کر لی اور دوسرا ہو گئے تو بے شک اللہ بھی بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔“

(سورہ نور - آیت 1 سے 5)
نماز کے لیے سکون کے ساتھ جانا

چاہیے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نماز کے لیے دوڑتے ہوئے مت آیا کرو بلکہ آرامگاہ اور سکون کے ساتھ آیا کرو“ یعنی نماز ادا کرنے سے پہلے سکون کے ساتھ دوڑ جائے اسے مکمل کر لیا کرو۔“

(مسند امام: جلد چہارم، حدیث 3606)

خیالات کی مہک

☆ آدمی کے نماز روزے کو گنہگار اس کے معاملے کو دیکھ کر مگھانے کا ٹھیک ہے تو عبادت کا بھی درست ہوگا (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔
☆ جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔
☆ علم بغیر عمل بھی فائدہ مند اور عمل بغیر علم بے فائدہ (حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔
☆ اپنوں کو بیٹھا اپنے ہونے کا احساس دلادو رنہ وقت آپ کے اپنوں کو آپ کے بغیر جینا سکھادے گا (حضرت علی رضی اللہ عنہ)۔
☆ رجب روزہ..... دوسری ایسکر

حکایات رموی

حضرت لقمان علیہ السلام ایک شخص کے غلام تھے، وہ امیر اپنے تمام غلاموں کو یہ سننے کے لیے باغ روانہ کیا کرتا تھا۔ وہ غلام جو میرے سن کر تھے ان میں سے خود بھی کھا جاتے تھے، سوائے لقمان علیہ السلام کے۔ ایک بار امیر کو خبر ہوئی اس نے دریافت کیا تو غلاموں نے جواب دیا۔

”لقمان کھا گیا۔“ امیر حضرت لقمان علیہ السلام پر ناراض ہوئے، حضرت لقمان علیہ السلام نے عرض کی کہ ”نانگ! ابھی یہ ہے کہ بظاہر کسی جانے، اس کی صورت یہ ہے کہ گھر میں کسی کو پانا جائے اور ایک جنگل میں تو سوار ہو کر گھوڑا دوڑا اور ہم سب گھوڑے کے ساتھ دوڑیں، اس کے بعد دیدوں

کے کھولے والے خدا کی ادا ہو تو اسلی چور کو چاہئے۔“ انھیں نے ایسا ہی کیا، اس دوڑ و دوپ سے غلاموں کا بھی ہاتھ کرنے لگا اور آخر کار سارا کھانا چا نکل گیا اور حضرت لقمان علیہ السلام کو جو تے ہوئی بالکل صاف اور ان کے منہ سے صرف پانی نکلا۔
سبق: جب حضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت یہ سمجھ کر کہتی ہے تو مالک الملک کی حکمت کھوئے تھر سے کو لگا کر دکھائے میں کیا سمجھ کر کہتی ہے۔
فخرنور..... روزہ پڑی

بلھے شاہ

بھلا دل تو عطر بنتا
عطران دافتر کڈ دیا
دربار و فرج کے کٹھا
مچھلیاں اور کھنیاں تاریاں لا
فرو تیری پویش کنی
پیلے پٹا ”میں“ مٹا

موتی مالا

کشتی کرو کہم دنیا میں رہو، دنیا تم میں نہ
مے کیونکہ کسی جیب پانی میں رہتی ہے تو خوب تیرتی
ہے لیکن جب پانی میں آ جاتا ہے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔

دردوں کی زندگی ہے اسے وہی اصولوں پر
گزار دو، رہو تو پھولوں کی طرح اور بکھرو تو خوشبو کی طرح۔

زندگی ایسے چوک کو کہتے تو تمہاری جیب سے
نہنے، جسم پر نہیں اور اگر کوئی دے تو تمہارے لیے
دے تمہاری جیب سے نہیں۔

فاخرہ بول..... موزہ و حمال

ہنسنا منع ہے

خاتون امیر جمعی کبیر پر ایوبیٹس کو کون کر تے
ہے۔
آریٹر: ”میں پلیز۔“
خاتون: ”میرے پاؤں کی انگلی جائے کی میز

سے لگا رہی ہے۔“
آریٹر پڑھتے ہوئے: ”اور اس کے لیے آپ ایوبیٹس پانا چاہتی ہیں۔“
خاتون: ”میں ایوبیٹس تو میرے شوہر کے لیے، انہیں ہنسنا تو نہیں چاہے تھا۔“

میں نے اپنا حق لے لیا ہے

دکالت میں بھی قائد اعظم کے کچھ اصول تھے
جن سے وہ تیار نہیں کرتے تھے، وہ جائز معاوضہ
لیتے تھے مثلاً ایک تاجر ایک مقدمہ لے کر آیا۔

مکمل: ”میں جانتا ہوں کہ آپ اس مقدمہ میں میری دکالت کریں آپ کی گیس کیا ہوگی۔“
قائد اعظم: ”میں مقدمے کی حساب سے نہیں، دن کے حساب سے فیس لیتے ہوں۔“

مکمل: ”کی؟“
”قائد اعظم“ پانچ سو روپے فی جی۔
مکمل: ”میرے پاس اس وقت پانچ ہزار روپے ہیں، آپ پانچ ہزار میں ہی میرا مقدمہ لڑیں۔“

قائد اعظم: ”مجھے انفس سے کہ میں یہ مقدمہ نہیں لڑ سکتا، ہو سکتا ہے کہ یہ مقدمہ عدالت چلے اور یہ تم کا کافی ہو، بہتر ہے کہ آپ کوئی اور وکیل کر لیں کیوں کہ میرا اصول ہے میں فی جی نہیں لیتا ہوں۔“

چنانچہ قائد اعظم نے اپنی شرط پر مقدمہ لڑا اور اپنی فراست سے مقدمہ جیت کر بیٹیلوں میں جیت لیا اور جس کے صرف پندرہ سو روپے کیے۔ تاہم پانچ ہزار روپے چاہے، قائد اعظم نے کہا۔

”میں نے اپنا حق لے لیا ہے۔“

مقدمہ آصف..... رائے و ظلالہ اور

بڑے لوگ، بڑی باتیں
بعض لوگ پیدائش سے ہی عظیم ہوتے ہیں، بعض
جدوجہد کے عظیم بنے ہیں اور بعض پر عظمت مسلط
کر دی جاتی ہے۔ (شعبیز)

دنیا کا سب سے بڑا اور بدترین گناہ انفس

ہے۔ (برنارڈ شا)

✽ سر میں پردان چڑھتی ہیں جہاں اعتماد کے
چج کی آجاری ہو۔ (جان گلن)
کائنات سے ڈرنے والی انگلیاں، پھولوں
کی تڑی محسوس نہیں کر سکتیں۔ (ظلیل جبران)

✽ جو کچھ زیادہ سوچنے والا ہوتا ہے وہ سب
سچ سمجھ کر رہتا ہے۔ (روز ویلیٹ)
✽ میں خوش رہتا ہوں کیونکہ میں کسی سے کچھ
نہیں مانگتا۔ (آئن اسٹائن)

✽ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میرے لئے کچھ بھی لوگ
تمہیں یاد رکھیں تو تمہارے پاس ہونا چاہیے جو دوسری جگہ جا میں
کچھ ایسے کام کرو جو دیکھے جانے کے قابل ہوں۔
(فرینکلن)

✽ گالی کا جواب درد کر کبوتر کو ہے کی بولی
نہیں بول سکتا۔ (فریٹ ٹوٹ)
✽ حق جتنا ہے حق ثابت نہیں ہوتا۔
(ہیکٹر)

کنول شاہین قیصر..... تلخ بگم
حوریں و حسن

✽ جب حضرت طوح علیہ السلام اپنے امتیوں کو
لے کر مکی میں پہنچے تو انہیں مکی میں ایک بوڑھا حاضر
آپا اسے کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا۔ آپ علیہ السلام
نے ہر چیز کا جوڑا جڑا کسی میں بٹھایا تھا مگر وہ اکیلا
تھا، لوگوں نے اسے پہچان لیا۔ حضرت طوح علیہ السلام
نے اس سے پوچھا۔

”تاؤ کون ہو؟“
وہ کہنے لگا۔ ”میں شیطان ہوں، آپ مجھے
معاف فرمادیں۔“

حضرت طوح علیہ السلام نے فرمایا کہ ”ہم ایسے
نہیں چھوڑیں گے تو ہمیں اپنے گمراہ جس سے تو
لوگوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچاتا ہے۔“

شیطان کہنے لگا۔ ”میں دو باتوں سے انسان کو
زیادہ نقصان پہنچاتا ہوں ایک ”حسد“ اور دوسرا

”حرم“ وہ چر کہنے لگا۔

حسد ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے میں
خود راہ دو اور حرم وہ چیز ہے جس کی وجہ سے آدم
علیہ السلام کو جنت سے نکالا گیا۔ اس لیے میں ان ہی
دو چیزوں کی وجہ سے انسانوں کو سب سے زیادہ
نقصان پہنچاتا ہوں۔“

شاذیہ ہاشمیاتی..... کھدیاں خاص، قصور

روشن الفاظ، روشن تجویزیں
✽ دوسروں کی غلطی کو نظر انداز کیجئے کیونکہ یہ پیدا

کرنے والے حالات ہوتے ہیں حالات کو معاشرہ
جنم دیتا ہے اور معاشرے کی تشکیل ہم کرتے ہیں۔

✽ اگر آپ سب کچھ دیکھتے ہیں تو اپنی
ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو سب کچھ خود دیتا ہے
اس کے پاس ہانے کے لیے پوری دنیا ہوتی ہے۔

✽ دھوکا ہو یا دکھ جب ان کا صدمہ زیادہ اور
حملہ شدید ہوتا ہے جب انسان ذاتی طور پر تیار نہ ہو۔
فوزیہ عمرت..... ہائے حیران..... مگر بات

بہل ہم سب بین نہیں ہوتے
جب آگ میں نیندا آتی ہے

کو رسل کا خواب نہیں ہوتا
اور بے داری کے عالم میں

کب جبر طرب نہیں ہوتا
کب تجویز دینے کی خواہش میں

یا گل نہیں نہیں ہوتے
کہ ہم بے چین نہیں ہوتے

بس ہم سے چین نہیں ہوتے
بس ہم سے چین نہیں ہوتے

(راشد مراد)
افشاں سچ..... کراچی
☆☆

بشر بخون



رباب را چہوت، کی ڈائری میں تحریر
ابھاسام احمد کی غزل

بریں لائیں تیری یادوں سے بگناتی ہیں
یری سائیں تیری خوشبو سے بگناتی ہیں

یری آنکھوں میں تیرا پسینا سہا رہتا ہے
ہاں میرے دل میں جیسا کہیں بگناتا ہے

اس طرح میرے دل کے بہت باس ہو تم
جس طرح باس ہی خدائے رب گناہ بگناتا ہے

تم کو معلوم بھی شاید بھی ہو کہ نہ ہو
میرے گن گن میں گئے بھول گواہی دی گئے

میں نے مجھ سے کسی بھول کو دیکھا ہی نہیں
تجھ کو سوچا ہے کہ چھوڑ کر کوئی پہلے بھلا

تیرے سے سوا کسی اور کو سوچا بھی نہیں
تم کو معلوم بھی شاید بھی ہو کہ نہ ہو

فوزیہ عمرت، کی ڈائری میں تحریر
افتخار مغل کی غزل

اُس نے کہا مجھ سے نہیں کتنا پیار ہے
میں نے کہا سنا دل کا بھی کوئی شاید ہے

اُس نے کہا مجھ سے نہیں کتنا پیار ہے
میں نے کہا سنا دل کا بھی کوئی شاید ہے

اُس نے کہا کون نہیں ہے بہت عزیز
میں نے کہا دل پر بسے اعتبار ہے

اُس نے کہا کون سا شخص ہے من پسند
میں نے کہا وہ شام جواب تک اُتار دے

اُس نے کہا خزان میں ملاقات کا سہارا
میں نے کہا قریب کا مطلب پہاڑ ہے

اُس نے کہا سینکڑوں غم زندگی میں ہیں
میں نے کہا کیا غم ہیں جب غم گناہ ہے

اُس نے کہا کون سا گناہ کھانا بکس تھا ڈالے
میں نے کہا کوئی بی بی یا سائیں کی تار ہے

بیا اسامہ انجم، کی ڈائری میں تحریر
افتخار مغل کی غزل

کسی سبب سے اگر بولتا نہیں ہوں میں
تو یوں نہیں کہ مجھے سچتا نہیں بھلی میں

میں تم کو خود سے جدا کر کے کس طرح دیکھوں
کہ میں تم کو ہوں، کوئی دور رائیں بھلی میں

تو یہ میں نے کہہ دیا کہ میں لوگ جیتے ہیں
میں جی رہا ہوں اگرچہ جیسا نہیں بھلی میں



کسی میں کوئی بڑائی مجھے دکھائی نہ دے
نہا کا شکر ہے کہ آفتاب بڑا نہیں ہوں میں

اس طرح مٹ گیا ہوں دنیا سے
دیکھنے کو نشان بھی نہ رہا

مری اطمینان کی ہر بات میں نے لکھی ہے
میں حزن ہوں! بنایا ہوا نہیں ہوں میں

تم محبت تلاش کرتے ہو
اُس نہا تو خاندان بھی نہ رہا

یہاں جو آئے گا وہ خود ہار جائے گا
تھار خانہ جاں میں نیا نہیں ہوں میں

آخری سانس تک تمہارا ساتھ میرے
اودھیر امتحان میں نہ رہا

میرے وجود کے اندر مجھے تلاش نہ کر
کو اس مکان میں اگر ڈرنا نہیں ہوں میں

اس سے کہے ماگنا نہیں تیر
کیا کرو گے جو مان بھی نہ رہا

میں ایک مے سے خود کو تاشا ہوں مگر
مجھے یقین نہیں، ہوں بھی پائیں ہوں میں

عائشہ جاوید کی ڈائری میں تحریر
فرحی سیلائی کی نظم

میں اک گمان کا امکان ہوں اختتام
کریں ہر تو کستا ہوں لیکن ہوا نہیں ہوں میں

عقلمند تارکون ہے
دلت کے گھناؤم کر

الوش البصار کی ڈائری میں تحریر
شیراز میر کی غزل

جس کے تھوڑے تھوڑے
مسل کے خواب کی ذوقی ناؤ کو

تم گئے تو جہان میں نہ رہا
دل کو دنیا کا دھیان بھی نہ رہا

غیر تارکون ہے
اپنے قافل کے تاج خد خد خد کو

کیا دما نہ تھا، ہم بھی ہوتے تھے
اب ہمارا گمان بھی نہ رہا!

عمر کی شام پر کھینچے والی اس اک
بے سبب جوتنگ سے اس الزام کو

خاک پر میرے ساتھ آ بیٹھے
کیا تمہارا مکان بھی نہ رہا؟

پھر چنے نام کر
بھولتا کون ہے

سرمہ جسم سے نکلے ہیں
کیا زمین، آسمان بھی نہ رہا

اسے یاد ہو
دل منافی تھا، شب جو میں ہوتا ہے

کے زین، آسمان بھی نہ رہا

ادب و جنت کے دوا لٹ کے

عاصر نیم
تائیر ابی الٹی سے اخلاص کے اسرت کی
ہم میں کو جلاتے ہیں وی نہ ہر گستاخ ہے
نفا طافی
فیصل آباد

وقت دیوار بنا بیٹھا ہے
وہ اگر لوٹ بھی آنا چاہے

دیکھو محمد
زندگی کے نیلے میں، میرے بس بھی دیکھا
اک دوکان پسوں کی، اک ہجوم دنیا کا
کراچی

کراچی
کڑوئے والے دیوں سرری گزردل سے
مکان مشکتے ہیں پر مکیں رکھتا تھا
فیصل آباد

فیض تاج
مجھے وہ فاکہ تڑپا لے مگر اس غصے کی خاطر ا
میرے دل کے اندھیروں میں نہا لیں دگر دیکھا
سرت طافی

سرت طافی
طوں میں قید کر دے جو صوفیوں کی چاچیں
حسرت رہی کہ اپنا بھی کوئی ایسا طلب گار ہو
ماہیں بل

ماہیں بل
اپنی جاہت تو رسوال کی محتاج ہیں
جی کر کرنا ہے وہ جمید محبت کریں
دانش عامر

دانش عامر
اپنا یہ حال کہ حق ہار چکے لٹ بھی گئے
ادب محبت وی انداز پر لے ملنے
امارتی

امارتی
بہن آتا یاد ہے کہ مجھے محض ہوا تھا
پھر کیمیا ہوا اس کی مجھے خبر نہیں
لاہور

لاہور
کنا جب جوت مانگا ہے اس نے یہی خواہ
مجھے بھولنا تو میں مازوں نہیں مجھے بھولنا ہے

کراچی

کراچی

بات میں نہیں کی۔
"جج، ایک بار پھر سوچ لو کسی بیویاں قسمت والوں
کوئی کتنی ہیں۔"

مدافعت... فیصل آباد
ہماری خبر ہے
ایک بے خوف نرک کرکس کرتے ہوئے نرک
کے کرکریا۔
لوگوں نے پوچھا: "تمہیں نظر نہیں آیا؟"
"بے خوف۔" نظر تو آقا تھا لیکن اس پر لکھا تھا۔
"تو نرک کا ساڑی تھرا ہے۔"

عاصمہ خدیجہ... پشاور
ایمان داری
ایک بڑے میاں بندوٹی کیے اپنے فریوڈز کے
کھیت چاہتے ہوئے سہ سے کئے ایک راہ گیر کے کہہ
"میں کبھی یہاں کے لوگ۔"
بڑے میاں بولے۔ "بڑے ایمان دار ہیں، کیا
بھال جویرے فریوڈز کو ہاتھ لگا نہیں؟"
راہ گیر نے پوچھا۔ "یہ بندوٹی آپ نے کیوں
سنبھال رکھی ہے؟"
بڑے میاں بولے۔ "ان کو ایمان دار رکھنے کے
لیے۔"

سرکٹ طارق... آزاد کشمیر
جاؤں کہاں
جج غلام سے۔ "تم جانتے ہو جھوٹ بول کر جھپیں
کہاں جانا پڑے گا؟"
غلام: "دور نہیں۔"
"جج، اور جج بول کر؟"
غلام: "سرکاری جیل خانے میں۔"
ٹادیہ یاسر... گوجرہ

فیثن
داوی اماں نے فیثن کے شوٹ میں ہال کھلا دیا ہے
انہوں نے ہال کو سٹور کرتے ہوئے جھکا دیا اور اپنی پٹی
سے پوچھا۔
"کما میں تمہاری بوڑھی داوی اماں لگتی
ہوں؟"
"ہرگز نہیں اب تو آپ دادا لگتی ہیں۔" ہوتی نے
کہا۔

فوزیہ خیرت ہاشمہ مرزا... مہجرات
اسکالنگ
ایک پولیس میں نے نرک والے روکا اور تلاشی لی
مگر کچھ نہیں ملا۔
پولیس والے نے پوچھا: "میں حیران ہوں تم
روزانہ گزرتے ہو اور نرک میں کچھ نہیں ہوتا۔ کیا وجہ ہے
آخر تم کیا کرتے ہو۔"
نرک والے نے جواب دیا: "اسکالنگ۔"
پولیس والے نے زچ ہو کر کہا۔ "مگر تمہیں تو کوئی
لکھی چیز نہیں ملتی۔"
نرک والے نے پولیس والے کو ایک پرچی دی اور
کہا۔ "اسے میرے جانے کے بعد کوٹنا۔"
پولیس والے نے اس کے جانے کے بعد پرچی
کوئی ٹوٹ میں لکھا تھا۔
"میں نرک سے مل کر رہا ہوں۔"

فوزیہ بیٹا ہاشمہ مرزا... مہجرات
خوش نصیبی
خاندانہ عدالت میں جج سے: "میں اپنی بیوی کو طلاق
دینا چاہتا ہوں۔"
"جج، مگر کیوں؟"
"شوہر... اس نے پچھلے ایک سال سے میرے ساتھ

زبردست دریاغی
اس سے یہ سوچ کر کہیں الوداع کہہ دیا
یہ عزم لوگ ہیں محبت کے سوا کیا دوسرے
زینب، کل
جہاں سوال کے بدلے سوال ہوتا ہے
وہاں سے جھپٹن کا زوال ہوتا ہے
تعمیم
پچھلے اب اود محبت نہیں کی جا سکتی
خود کو بھی اپنی اذیت نہیں دی جا سکتی
حاکم کل
کوئی اچھی سی سزا دو مجھے
چلایا کرو مجھ کو
تمہیں مجھ کو نوبت آجائے
دل کی گہرائی سے دعا دو مجھے
کنول شاہین فیثن
ہم بھی کچھ دوسرا جاری کر سکیں گے
بات بڑھے تو ہم بھی بات بدلے ہیں
ادبیر خزان
غصے سے سوک اچھے لگتے ہیں
ملنے کے روگ اچھے لگتے ہیں
کوئی دیر وانا نہ کر، کر مجھے
سے دونا لوگ اچھے لگتے ہیں
سوسنا علی
ہاں اود تمام اس پر ہوئی
اب جو ہو گی وہ دل لگی ہو گی!

نور افر
ملتی ہیں نہیں تمہارے بیساکوئی اسی شہر میں
میں کیا معلوم تمام ایک اود ہو جی دیکھ
نورہ حمید
اندیشہ بھی بہت تھا اور امتیاز بھی بہت کی
ہم سے ہونے وہ شخص اس پر پیدا ہو جی گیا

نور افر
ملتی ہیں نہیں تمہارے بیساکوئی اسی شہر میں
میں کیا معلوم تمام ایک اود ہو جی دیکھ
نورہ حمید
اندیشہ بھی بہت تھا اور امتیاز بھی بہت کی
ہم سے ہونے وہ شخص اس پر پیدا ہو جی گیا

مگورہ
کتنی بھی نہیں بدلی دیا بھی نہیں بدلا
اود دوسرے دالوں کا ہند بھی نہیں بدلا
ہے خوشی سزا ایسا ایک مجھے سے یادو
منزل بھی نہیں پائی آرت بھی نہیں بدلا
ہا خان
روئے کی سزا سے نہ دل لے کے کی سزا ہے
یہ دود محبت کو نبھانے کی سزا ہے
ہفتے کی تو کھم سے نکل گئے ہیں کھم
یہ ایک شخص کو بے انتہا چاہنے کی سزا ہے
طوبی عارف
ابن داود مٹی کو دینا تھا محبت میں حال
انتہا ہے کہ اب نہ نا بھی شکل ہو گیا
میں نے کب رال گاہے تم سے اپنی ذات کو کاٹا
میں درد دیتے ہو محبت بڑھتی رہے گی
عشاہیل
ہم نے تو محبت چھوڑ دی لیکن
محبت نے ہم کو کہیں سے نہیں چھوڑا
سلا فانی
ناروق آباد
رات ماری گزرتی ہے ان صاحبوں میں
آسے محبت تھی! ہمیں کچھ بچا ہوا ہے!
صوفیہ سلیم
تو آگلا ہے تو یہ احساں ہرے چکر
یہیری عمر محبت کے لیے مٹوئی ہے
ساحر
کچھ وقت کی روانی نے ہمیں یوں بدل دیا
وفا پاراب بھی تمام ہیں عمر محبت چھوڑ دی ہے
نشانی
ہوتی ہیں محبت میں کچھ راز کی باتیں
ایسے ہی تو اس کیل میں آتا نہیں جاتا
عارف
کوئی تعویذ دو روئے ملا کا
مرے دلچے محبت بڑھتی ہے

غریب کی محبت
لا کے لڑکی سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے
کہا۔
”کل جس نے ملے اُس کا دم کو پھولوں میں گا“
”لڑکی سے عقل مندی سے سوچے ہوئے جواب دیا۔
”گوگلی کا پھول کے لے آتا ہمارے بھاری کا
اکتھار بھی ہو جائے گا اور دارا ساں بھی چمک جائے گا۔“
تاکر ن..... چوکی

داڑھیں
ڈاکٹر نے مریم علی کی بیوری دالیں کر کے پتھا۔
”بتاؤ کہیں کچھ یاد آ رہا ہے۔“
مریم: ”صرف بلی کا نام یاد ہے۔“
ڈاکٹر: سب کچھ فاریٹ ہو گیا لیکن داڑھیں نہیں
”گیا۔“
اشفاق مسک..... کراچی

نمک خوار
ایک روز ڈاکٹر نے ہاں ملاتے کے کوگوں کی دعوت
تھی، میزبان اور مہمان دسترخوان پر موجود تھے اور کھانے
کے ساتھ پورا پورا ادا انصاف کر رہے تھے۔ اسٹن میں ایک
صاحب آواز آئے، میزبان نے ان سے کہا۔
”آج جیسے بھگت دال لہا بیچے۔“
وہ صاحب کہنے لگے۔ ”بھوک تو نہیں ہے تمھارا
بہت کمال ہے گا تاکہ آپ کا کھانا خور ہو جائوں۔“
میزبان نے بوجھ کہا۔ ”ہمارے ان کھانے میں
نمک نہیں ڈالیں آپ بس خورایی خور ہوں گے۔“
ممدو..... فادوق آباد

سیدھا سادہ معاملہ
ایک عیدے دار صاحب کسی جگہ میں اپنا کام نکلوانے
کے لیے ڈاکٹر کا ریکی پیشکش کر رہے تھے، انسر نے متانت
سے کہا۔
”بتا اب یہ رشتہ ہوگی اور میرا ضمیر اس کی
اجازت نہیں دے سکتا۔“
”لیکن سنئے تو۔“ عیدے دار صاحب نے لاجبت
سے کہا۔

”میں یہ کیا آپ کو گفت نہیں دے رہا آپ مجھے
اس کا ریکی محض ہزار روپے دیں، ادا ہو یہ رشتہ نہیں
ہوگی۔ یہ تو خرید و فروخت کا سیدھا سادہ معاملہ ہے۔“
انسر نے چند لمحوں کا ریکی اور پھر یوں گویا ہوا۔
”ایسی سورت میں تو دو کارکن خریدوں گا۔“
پہلے پر دھلا
ایک کافی نیکل اسٹور کے سامنے ہوئے کے باہر دو
انسی چائے پی رہے تھے ایک نے دوسرے سے کہا۔
”وہ جو سامنے اسٹور ہے، میں وہاں سے ایک
پینٹ کا ڈیا خرید کر کسی کے لاکس کا گور دکان والے کو بچا بھی
نہیں بیٹھا۔“
دوسرے نے کہا۔ ”یہ نہیں ہو سکتا بہت بار دقت
اسٹور ہے۔“
پہلے نے کہا۔ ”اگر میں چھاپا یا پانچ سو روپے کی
شرابی؟“

دوسرے نے کہا۔ ”ہاں گئی۔“
پہلا والا اسٹور گیا اور پینٹ کا ڈیا لے آیا اور
دوسرے سے خریدا پینٹ کے بعد پانچ سو روپے مانگے
دوسرے نے کہا۔
”میں نہیں چوری کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں
کیونکہ میں ایک کپڑا نہیں لے رہا ہوں۔“
پہلے نے کہا۔ ”میں نے پینٹ گرفتار نہیں کر سکتے کیونکہ میں
اسٹور کا مالک ہوں۔“
امید ملتیت..... لیاری کراچی

مولانا محمد علی جوہر مولانا ڈاؤد اللہ قادری خان جوہر اور
شوکت علی محمد بھائی تھے۔ شوکت علی بھائی تھے انہوں نے
ہاں سال کی عمر میں ایک اخلاقی خاتون سے شادی
کر لی۔ ایک بار ایک اخبار نویس نے ان سے سوال کیا۔
”آپ کے بچے بھائی کو پر ہیں اور چھوٹے
بھائی جوہر ہیں آپ کا کس کا ہے؟“
شوکت علی جواب دے ”شوہر۔“

☆ ☆ ☆

کچھ موتی چنے ہیں

اداریہ

فتح دکھا سبالی

اللہ فتح انہیں عطا فرمایا کرتا ہے جس کا کردار اور
ایمان پختہ ہو اور جس کے ارادے اور نیتیں صاف ہوں اور
ان کے سامنے کوئی ایسا مقصد ہو جو اللہ کو پر ہو تو حیات
تو جن کی گرفتار سے اور اس کے اندازوں سے حاصل نہیں
کی جا سکتیں۔ فتح کالے جاوے سے بھی نہیں لگائی اور
اپنے حریف کو فریب کاری سے قتل کرانے سے بھی
کا سالی حاصل نہیں ہو سکتی۔ (حمایت اللہ..... کوئٹہ شہر بیتا
رہا)

شاز یہ ہاشم بیوی..... کھٹیاں خاص تصور
معاوضہ

بڑے سالوں کی بات ہے ایک غصہ میرے پاس
آیا اور کہنے لگا ”دعا کریں مجھے کام مل جائے۔“
میں نے کہا ”تم یقین سے کہتے ہو تمہیں کام کی
حلاش ہے؟“
کہنے لگا۔ ”مگر کہے ہیں، میں بھلے دو سال سے بے کار
ہوں اور مجھے کام کی تلاش نہ ہوئی کہ ہوگی؟“
میں نے کہا۔ ”اگر تمہیں کام مل جائے اور معاوضہ
نہ ملے تو پھر؟“

گھبرا کر کہنے لگا۔ ”مجھے ایسا کام نہیں چاہیے جیسا
کم کم کر رہے ہوں، مجھے تو ریکی لگا کر ادا کیا جاوے، ایسا کام جس
کے مل نہیں۔“
میں نے کہا۔ ”اچھا! اگر تم کو توخوار دیتی ہے تو کو کا نہ
کرنا ہے پھر؟“
کہنے لگا۔ ”میں انہی ادا کیا ہوا ہے تو اور کیا چاہے۔“
میں نے کہا۔ ”پھر تمہیں کام کی تلاش نہیں، خواہ اور
معاوضہ کی تلاش ہے۔“
اس طرح ہم خدا کے ساتھ کرتے ہیں۔ بظاہر باطن
کسی اور شے کا طلب گار ہوتا ہے۔ (اشفاق احمد..... بابا

ماسا)

ناگروہ بھی..... چوکی

خالہ جان

سیاست دانوں کو ٹنگی دینا پڑا بھاشن دے ہوئے
مجھے بھینچا دی بڑی خالہ جان یاد آ جاتی ہیں، وہ بھی کسی سادہ
سے سوال کے جواب میں ایک طویل داستان شروع کر دیتی
تھیں شلا میں پوچھا میں کہ ”خالہ جان آج آپ دوپہر کے
کھانے کے کیا کھا رہی ہیں؟“ ”تو وہ کچھ یاد آ گاؤ ریکی
چیں کہ۔“ میں جو کمرے گئی وہں تو اسے میں فاطمہ جیڑا لائی
گئی، اس کا بیٹا دینی میں ہے۔ تو اس نے ایک پورا صندوق
کپڑے لے کر باں کو بھیجا ہے تو فاطمہ جیڑا ہی نے مجھے وہ
سارے کپڑے دکھائے۔ ”خالہ جان نہایت تفصیل سے ہر
کپڑے اور برلاس کے بارے میں مجھے آگاہ کر رہیں۔ کہ ان
کپڑے سے کتنے سوٹ خوب کے تھے اور کتنے سوٹوں پر کتنی
تعداد میں سوئی تاکے تھے، اسے ادا ادا بعد وہ آشانی بی
ملاقات کی تفصیل بیان کرتے تھیں اور جب میں بے ہزار ہو کر
کہا کہ ”خالہ جی میں نے تو آپ سے پوچھا تھا کہ آج دوپہر
کے کھانے پر آپ کیا بنا رہی ہیں؟“ ”تو دوپختہ خفا ہو جائیں
اور کہیں کہ ”ایک تو آج کل کے بچوں میں برہنہ سے ہات
سننے کا دوسل نہیں، میں نے دوپہر کے کھانے کے لیے ٹیبلے
پاکے تھے۔“ ”وہیے خالہ جان ان سیاست دانوں کی مانند
دور سے گور دنا تھی، جوں میں ہوتا تھا وہ بیان کر دیتی
تھیں اور اگر چہ قدرے تفصیل سے کرتی تھیں۔“
(ششتر محمد باڑ..... گرفتار ہاتھ اداں کے کھڑے)

افراغ عزیز..... گاؤں دیر یاں جالبانی
شوکیالی
خاموشی بسا اوقات برنگانیوں کو بوجھا دیتی ہے۔
بات کرنے سے دل کی گھڑاسی غلطی سے اور دل میں غلطی
برنگانی بھی، اس جہاں ضرورت ہو وہاں بات ضرور کرنی
چاہیے تاکہ گھڑاسی غلطی اور برنگانیوں بھی۔ (مفت سحر
ظاہر..... بن ناگلی داما)
مقدور آصف..... رانیٹو پٹیل لاہور
رشتوں کی بے حس
رشتوں کا نہ ہونا اتنا تکلیف کا باعث نہیں ہوتا جتنا

رکے۔ چلو خیر آگے دیکھتے ہیں۔ "محقق ہے ام الکتاب" شہزادہ عالمگیر کا محقق ہی ہو ہی ایک میگزین میں ہی کی مادیات کی..... "فرانز شندر انداز میں لکھا ہوا اچھا سا ٹاٹ تھا جہاں حنا کی مستقل حرارتی دلاویز ساس کے ساتھ دالے پر تھراں ہوئی وہی اسد کے چھلچھلے پر کسی آئی کی ہر حسابد، جسم زدہ، ڈیڑھ راتر اپنے نام کی طرح ہر محرم عطاری کر دیا۔ خیر سمیع کے ٹاٹ کا عجیب سا موصوعہ دیکھ کر پہلے تو کھارہ کرے دوں لیکن پھر جلدی جلدی پر دھماشو کا کیا ٹھکان کے ساتھ اس کی محنت کی برقی تار جب جڑی تو محنت کے ساز شگنائے گئے۔ جہانہ آفتاب کی تجرہ "پناہ نام" نے واقعی ایک اچھا پناہ نام یا جو کہ کسی کو پہلے ہی خبر سے بہار کی طرح نہیں چھوڑتا چاہے کیونکہ یہ آزادی خوشیوں کو کھل گئی ہے۔ "لوہم نے بار مانی" چلتے ہے کہ میری گشت آئی اور اس نے کلکتہ کی دروہائی۔ "نہم ہوا" کسی دھڑکی میں اس شام وہ زندگی فریاد آگے بصرہ کر دی۔

ج: چاری شانزہ یہ اچھا لگتا ہے کہ آپ اپنی مصروفیت کے باوجود ہر حاضر ہو کر حاضر ہو رہی جاتی ہیں۔

م: "مقابل ہے آئینہ میں اس شام اظہار جگہ سے دی جانے گی۔"

میرود..... معلوم

ایسے اہل کے کہ ان کی طرف سے سے پہلے قیات ہو جائے مگر ان کی مصباح علی سید کا "بھورئین" کی یہ ہمارا سویت لیورٹ ہے۔ ادراپ بات ہو جائے سلسلے دار ناول کی آسیر مزاک "مسن سوکھ" بہت ہی زبردست ٹاٹ ہے اس ناول کی قسط ہی زبردستی پڑتے پڑتے جب ایڈٹ میں پہنچے تو کیا حازم کے بعد اس پر ایک سیکینٹ چلیز باہر ہوا تو ناگہان چاہے۔ باہر کا کردار اب میں بہت پسند ہے۔ اب لگتا ہے کہ کوریج اور اپریل جا میں گئے۔ ٹاٹ میں صدف آصف کا "فرانز" "میرود تھا۔ میرا یہ کی بھی شام سے پہلا خط ہے کہ آپ اگر ایک فیصلہ فرائی کی تو آئندہ ہمارے ساتھ شرکت کریں گے۔

ج: پیاری میرا آپ کو کرن کی محفل میں خوش آمد یہ کہتے ہیں۔ میں خوشی ہے کہ ہادی خاموش قاری نے اپنی خاموشی تو ڈر آپ کے مکمل تہرے کا انتظار

رہے گا آئندہ خط میں اپنا مضمون نام اور جگہ کا پتہ کر رہا ہوں گے۔

شاہزادہ عالمگیر..... فورے والی برہم باہران

نئے سال کا کرن 20 تاریخ کو ملے۔ عرفی ساہنگل اچھا لگا۔ "نیا سال کی اسیر" میں سروس کی اچھا ماحول خان کے ساتھ ملاقات بھی اچھی رہی۔ "میری بھی سنے" میں گورہ شہر کو کسا "مقابل ہے آئینہ" یا "میں اقبال نے بے حد پسند کیا جوابات دے۔

"ہوا میں رخ بدل گئی" اچھا جگہ ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ کینڈہ، مہرچند اور پے پٹی کی فکرم ہے، جتنی باتیں بھی نہیں۔ ہر حسابد کے ٹاٹ کا مجھے شونت ہے انتظار رہتا ہے۔ "مسن زدہ" ہر حسابد کا ٹاٹ دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔

"مسن سوکھ" آسیر مزانے بہت اچھا کیا کہ ناول کا اختتام کر رہی ہے کیونکہ کہانی کو مرے سے وہی رکھی لیکن ایڈٹ چتر افساد رکھی ہوتا چاہے۔ اساتو میں "تین تین" کچھ خاص اچھا نہیں لگا "نیکم" اور "اسیر سو" اچھے لگاتے تھے۔ "بھورئین" ابھی پڑھا نہیں لیکن بیوٹی طرح بیوٹی اچھی ہی ہوئی۔ "نیل کر" کے بعد ٹھیک ہے "محقق ہے ام الکتاب" بھی بہتر میں تھا۔

ج: پیاری کارن! کہ ان کی پسندیدگی کا شعریہ آئندہ بھی اپنی رائے سے گا کرن کی ہے گا۔

عالمگیر..... تو سرفریز

آپ کے پڑا ہر مجھے جواب ہے ہادی سستی کو رکھ کر کیا سویم پھر ان پہنچے ہیں اپنی ہر دم میں۔ ادراپ یہ پڑھا ہادی سوچ کا رنگ بدلے کی ضرورت ہے پھر حروفیت سے مستفید ہوئے۔ ویسے اور کارناں کے بجائے اگر ہر ہادی کی رملو کا اندرونی ہوا تو حرا آگے۔ "مسن سوکھ" کا ایک اب اچھا اختتام ہوا جائے۔ "بھورئین" واقعی اللہ کی چکر بہت سخت ہے۔ نئے ٹاٹ میں لگا ایسے ہے ہوا میں گھڑا ٹھوڑا رخ بدل رہی دے۔ "مسن زدہ" "بھورئین" ٹاٹ تھا "محقق ام الکتاب" مکمل دگی ٹاٹ تھا۔ جگہ ساگ۔ آئی یا "میں اقبال سے ملاقات دلچسپ رہی۔ باقی تمام سلسلے ہیں طرح بہت اچھے تھے۔

ج: پیاری عاشق! آپ براہ ہادی محفل میں شریک ہوں میں خوشی ہوگی۔ آپ کی فرمائش نوٹ کر لی

گئی ہے۔

اقراء جٹ ٹین آبار

اس سنے سال 2018ء کے ساتھ ادومت کے سینے (فروری) اور ہاتھ میں کرن لیے ہم حاضر ہیں جی اس دفعہ ہم چاہے ہیں کہ ناول کر جھمکر کریں کہ اسے سے قسمت کرن والے میں پہلے ہی (یعنی ہمارے تہرے کو) دور کی تو کر کے نہ کر کے کہ شہر میں سردی ڈھڑلے میں گڑھ کیا۔ "حروفیت" کا ہر محفل سلسلہ ہے۔ "میں اظہار ایک مہر دوری کو تو آدھن خرم ہاشی ————— ایشی کے لیے دعا ہے مغفرت۔

"نیا سال کی اسیر" میں سب کے جوابات دے گئے۔ "مقال خان سے ملاقات" بہت اچھی تھی۔ گورہ رشید کا اندرونی مکالمہ رہا۔ "مقابل ہے آئینہ" یا "میں اقبال کی جواب گئے۔ "ہوا میں رخ بدل گئی" ٹھیک ہے ہادی آپ کو تو کہیں جب بھی لکھا لکھا تھا "مسن سوکھ" آسیر مزاک گورہ رشید کے ساتھ سوینے۔ اگر نفاذ کر دیا ہوا ہے تو دل میں یہ دہم، غنڈے کیوں "بھورئین" مصباح علی سید دوری سلسلہ ازلان کو سرا تو میں چاہے تھا اگلی قسط کا شونت سے انتظار ہے۔ "مسن زدہ" ہر حسابد الفاظ نہیں تحریف کے لیے "مہراں ہوا" "میر میری کیا بات ہے مجھ میں آپ تو نیکست پڑھ کر اسرا ٹھیک مکس کر کے۔ "محقق ہے ام الکتاب" "محبت سہاٹا لنگ کیا لفظ سے کی جملے تھے کیا اسٹوری کی ڈھڑل "فرانز" صدف آصف کی بہت اچھی تھی اسٹوری بھی پہلی جھوک میں ایک مہر پڑھتے زبردست کچھ دہان پتہ نہیں سید ہر فرنی طرح جواب "نیا سال کو" جانتا تھا اب بار بار پڑھنے کو دل کرتا ہے بہت زبردست تحریف۔

ادراپ ایک سے پڑھ کر ایک سے مستقل سلسلے "یادوں کے درپے سے" زبردست سلسلہ بھی مجھ لگی۔

ج: پیاری اقراء! ہمارے پاس دور کی تو کر کے نام کوئی چیز نہیں ہے۔ ہادی کرش ہوتی ہے کہ ہر جاہ "نہن" سے ہرے نام "مسن شریک ہو جائیں ہو کر ہر جاہ جس بہن کا خطا تا جرح سے لگا ہے وہ شائع ہونے سے وہ جاتا ہے پھر پڑھا ضرور جاتا ہے۔ "میں ادراپ" میں "مسن شریک" ضرور شریک کیا جائے گا اور "یادوں کے درپے سے" میں بھی آپ شائ ہو گئی ہیں جس شاعر یا شاعر کی م

فرل پسند ہے ان کے نام کے ساتھ بیچ رہی۔

فرل عمران مکی..... معلوم

یہ برادران ایک فروری کی کہانی ہے۔ اس میں آپ کو ایک نیا دل ضرور آپ کی نظر کرم ہو رہی جائے گی۔ نامیہ نہیں ہوں۔ سنی خان کا شمارہ زبردست لگا سرخ جھلکا رہے رنگ سے کچی باؤڈل خوش کر گئیں۔ "میں اظہار" "مسن سوکھ" کا ایک ایک حرف توجہ سے پڑھا۔ مقال خان سے ملاقات پسند کی "مقابل ہے آئینہ" یا "میں اقبال کیا کمال کیا زبردست ایسے پڑھا اور جواب جوابات آج تک نہیں پڑھے۔ جس میں کے دہرے تہرے ہوئے رہے۔

"ہوا میں رخ بدل گئی" بہت جاسم کی کہانی ہے۔ کی بار پڑھی ہوئی "مسن سوکھ" "بھورئین" بہت جان دار کہانیاں ہیں۔ جن کا بے جتنی سے انتظار تھا میری تہرہ میں فیاض بہت سنتر راتر میں۔ بہت پیارا محفل۔ "نیا سال کی اسیر" میں پڑھا ہوا ہے بلکہ ہادی قاضی سٹائش ہے۔ ادراپ "نہم ہرے نام" میں اس بار بھی میرا نام لکھا ہے۔ آپ کی مرس میں جن سے ہے یہ میرا سوال تھا ہے کہ کہانیوں کے بارے میں ضرور بتائیے گا۔ میں انتظار کروں گی۔

ج: پیاری خالہ! آپ کا یہ پہلا خط میں موصول ہوا ہے اور لگا لگا بار ہے جو خطوط میں تاخیر سے ملتے ہیں وہ شائع ہونے سے رو جاتے ہیں مگر ان کو پڑھا ضرور جاتا ہے۔ مگر آپ کا یہ پہلا خط میں لگا ہوا ہے تو خطوط میں موصول نہیں ہوئے

نفسور..... درو پڑے

اس ماہ پچھل

حصین دور میزائوں سے چھللا ہوا تھا دونوں لاؤز کے ہتھ اٹھا لی خوب صورت لگد ہے تھے۔ اس لاؤز کے حوالے سے پچھل زبردست رہا۔ نیا سال کے حوالے سے سروس خفہ شخصیات کے خیالات کے

مقال خان سے ملاقات بہت اچھی رہی۔ گورہ رشید کی کئی یا "میں اقبال" مقال سے آئینہ پڑھ کر ہوا آرا۔

"ہوا میں رخ بدل گئی" "ہوا میں رخ بدل رہی ہے۔ دیکھ کی وجہ سے حرا کا جینا حرام ہو گئے لگا ہے۔ "بھورئین" اس بار قسط اظہار شکات سے پھر میری

اجازت نہ دی۔ دل چاہا کہ اس دن کرن کا تھوڑا بہت مطالعہ کیا جائے تاکہ چھٹے جنرل کو سن کر جانے لیکن یہ کیا رائے دینے لگی کہ شاید سارے کرادور کو مارنے کا تہیہ کر رکھا ہے خدا کا بیشمار دے گئے ہے باہر کی دنیا کا بھی ہے آپ تو یاد کیا کریں ہم دن و رات بحث و مباحثہ کرتے ہیں جنرل کو سکون کے لئے کوئی ایک آدمہ کرادور جاسے تو اور بات لیکن ہر قسط میں کسی نہ کسی کرادور کو مار دینا چاہتے ہیں کہ مہر کو آزاد کرانہ ہے ہوا میں بدل گیا "میں اچھے کے بعد بد میں بدل گیا" کرادور بھی قہم لگتی تو تیسری قسط ہے ناول کی "بھور فشن" اور دوسرے نمبر کے بعد چاروں کرادور اذکار اذکار ناول کی دہائی میں آئے۔ بات بات ہو جائے میرے سب سے پسندیدہ ناول "سومرکھ کی بات نہ ناٹ" جسے میں دل سے پڑھتی ہوں آپ نے تو یکدم کہانی کارن ہی بدل دی۔ پہلے حازم پھر حزام لگائی اور اب باہر آ۔ آپ کی تو کیلائی یا پاؤں کی دیران کر دیا خدا رب باہر کوست مار دینے کا۔

ج: چارویں نمینہ! اپنی کہانی پر بیانیوں اور چارویں کے باوجود آپ نے کرن کے لئے وقت نکالا ہے۔ جاری دعا ہے کہ اللہ آپ کی پرتشانیں دور فرمائے اور آپ کو صحت و تندرستی عطا کرے آمین۔

گول شاہین قصیر..... تہلہ کلک

ایک طویل ترین حرس کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ سے بہت ہی پیارے "کرن" کے اس بہت ہی پیارے سے سلسلے "نامے میرے نام" میں حاضر خدمت ہوں۔ غیر حاضری کی عمر کو بہت ہی طویل ترین یعنی کروڑوں سال پر گزرنے سے بڑے کا متعلق بھی نہیں ہوتا۔

تھیں کر دے تو دیکھیں کہ کرن کے پیارے سب سے دلکش مائٹرو اے جس کا جلوہ بکھیرتی ہوئی نظر آئیں۔ ان کے ہنجر اٹھانے سے لے کر تک آپ اور ایک آپ سے لے کر ہینڈی اور بیرونی سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

ج: چارویں تھا "اور" "نفت رسول تہلیل" بہت ہی پیاری و پروردگی تھی۔ "چارواں دنیا" پر کارنامہ دہی کے بارے میں بہت ہی معلومات تھیں۔

"ناسال کی امیدیں" میں مختلف شبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے بارے میں پڑھا کہ اچھا لگا کردہ لوگ ناسال کی پیلیسے میں کرتے ہیں۔ کیونٹی ایکٹر تھیں "منال خان" سے ملاقات بہت اچھی تھی۔

شہریدہ۔

مفتیہ سلیم..... دھوکہ سانول

میں نے بھی سانول میں غلط کتابت نہیں کی اس کی وجہ زندگی کے پہلے ہی رہے۔ میں دل ہی دل میں خود سے تہور کر لی۔ دسمبر 2015ء سے کرن نے ایک دم پلاں کیا اور دل ہی کر دیا۔ مجھ سے اس کا "دوست سیکھا" چپ آقا کی پلاں کر دیا خیرہ اور تیل کے "لوزنرل" نے توجہ چھ لے لی اب وہی توجہ مصباح علی سید کے "بھور فشن" نے اپنی طرف منبذ کر دیا۔

لکھنے میں کیا روایت ہے کہ خوب صورتی کے ساتھ سین کے ساتھ میں ملتی ہیں۔ اس کے بعد کیا کرن میں اتنی پیاری تحریر ہے کہ اب کی دفعہ سارا سال رسول سے بہت کر تھا وہ سال کا اچھا مختصر ساجد نے کیا ناول لکھا تھا ہی ابھی کہانی تھی۔ پڑھا کہ مرزا آگیا۔ ناٹ میں صدف آصف کا "فرقان" فیض سید کا "ظلم زبانی" "تیک" "نفت ناٹ" تھے۔ چنانچہ آقا بہت سارے ساتھ تحریر میں کیا چکا تھا۔ مستقل سلسلے اور کرن کتاب آپ لوگوں کی بے پناہ محنت کا منہ بولن جوت ہیں۔ ان شاء اللہ دوبارہ کی قصوں کی۔

ج: چارویں مفتیہ! تہورہ کرنے کا شہر ہے ضرور آپ دوبارہ کی رائے سے آگے بڑھ چکے۔

افواض البصار..... فکاہہ مگر کم تر دوشی

واو اب کی دفعہ تو مرزا آگیا میں نے پہلے کچھ میں ہی صدف آصف کو یاد کیا اور اس کی آخر پر۔ ناٹ "فرقان" سارے نمبر سے کیا۔ واہی واہ سلیز صدف آصف باجپ مت جاہے۔

"فرقان" کے بعد "بھور فشن" اور رفت۔ مصباح نے تو آج تک میں کر دیا ویلنٹین مجھت سیکھا ناٹ "مفتی سے ام الکتاب" بہت بدوست میر ساجد کا "تہم زدہ" جب پڑھا شروع کیا کیلئے تو ایسا کہ جیسے کوئی مشنیر میر پور چکر لگائی تھی تو پڑھا کہ کلفٹ آیا۔ آصفی سارے اچھے تھے مگر واہ ویلنٹین کا "امید سحر" اور سبابت عام کا "بیرٹنا" تو واو وا کیا کٹھن لٹانے پر لگا۔

"ناسال کی امیدیں" بہت خوب "مفتی سے آئینہ" یائینن اقبال کے جواب بدوست۔

ج: چارویں افواض! آپ تو کرن کی مستقل قاری بن

گئی ہیں براہ آپ کا تہورہ کرنا اچھا لگا ہے۔

فوز میرٹ پلائی کران آندھ میں..... محرات

سال کو کرن اس بار کچھ لکھت ہیں۔ ملا۔ بھلی لگا میں مسکرائے تھیں کہ پلائی کران جو بھری تھا اپنی اور منت دل و دکن پروردگی ہیں۔ اب ان اچھے لوگ مدوں بعد پیدا ہوئے ہیں۔ "ناسال کی امیدیں" برا ایک نے اپنی اپنی خواہشات کا اظہار کیا۔ آخر وہی سن سال خاں سے ملاقات ہوئی رہی۔ "میری کہ سننے" میں گوہر رشید چھائے ہیں۔ "مفتی سے آئینہ" میں یائینن اقبال کے دل بیت کیا لکھا ہے ان شاء اللہ سے ہر جواب پر وقت اور امید کی تھا۔ "پیلے" "سومرکھ" کو پڑھا۔ میر رائٹر کیا چل رہا ہے آپ کے ذہن میں ابھی تو خود یہ کہ سن سال خاں ہوا تھا باہر کی جانب اور آپ نے یہ کیا کر دیا پلیز باہر کچھ بھی ہونا چاہیے۔ "بھور فشن" مصباح از جیت آفر کس بے خبری میں رکھا کہ پڑا سارا مدوسلی لی پی نے ڈالا ہوا ہے۔ سلیز کے حسد نے کھل کر برادر دیے۔

"سومرکھ" نے ناول میں پڑھا کہ زرا۔ عامی اسٹوری کی جسے غائب بنانے کی عمر پور کوشش کی تھی۔ ناٹ میں "ظلم زبانی" "تیک" اچھا لگا مجھت وقت ایک سائینر رتھا۔ مجھت سیکھا کہ "مفتی ام الکتاب" ٹھیک ہی لگا۔ "مفتی انسان کو کلندر پر چلی کرتا ہے مجھ تو بس یہی سمجھا کہ اسے آخر کی۔" ہائی کے تین ناٹ ابھی نہیں سمجھے۔ "انسان" سے پڑھ لے "انسان" "بہر سے ہار" خوب مزے لگا تھا۔ "ظلم" میں موسوی لکھا ہے ہار "مالی" اور "پلائی کران" میں ہار "ایک ناٹ" "بہر" میں ہار "اور ایک کٹھن لکھا ناٹ" ہوا میں سر نہ بدل گیا "بھور فشن" پڑھا میں مستقل سلسلے کی اچھے تھے۔

گول شاہین کی آمد بھی تھی۔ "نامے میرے نام" شہر سے آپ نے پڑھا خاں شال کرانے بھی "امیدیں" کس واسطہ طور کی تو کرنی میں جانے کا ٹیکہ میں زیادہ میں چلی ہوں اب میں آپ کی کتابت کرن اب زیادہ میں ہو گئی ہے کہ یائینن اقبال کے کرن ڈائجسٹ میں آپ کچھ دیا کریں کہ یائینن اہم کی بنی سمان کے بعد کرن کے پینا مشال ہیں۔

ج: چارویں فوز! آپ نے پھر زورخوف کے اپنا تہورہ کیا کریں کیونکہ ہمارے پاس ردی کی بھری نام کی کوئی

چیز نہیں ہے۔ فوزیہ! ہر ماہ کرن ڈائجسٹ میں آپس لگتا ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ ”مکین اور آپ“ میں اس دفعہ کون ہیں۔ آپس کس کس کے پیغامات شامل کیے گئے ہیں ان کے نام و پتہ مشکل ہیں۔ وہ آپ کرن کتاب میں ہی پڑھا کریں۔

ارم بشر..... اسلام آباد

میں اس بار دو تین مہینوں کے بعد شرکت کر رہی ہوں دراصل میری بہن کی مہر میں شادی تھی۔

اس ماہ کا داخل اچھا تھا سب سے پہلے بیاد انشاء مئی پڑھا جائے میں جان نہیں کر سکتی کہ میں ان کی کتنی بڑی نصیحت ہوں۔ ”محبور نصیحتیں“ اور ”مسن مورکھ“ کی میں ابھی بات نہیں کر سکتی کیوں کہ دو اقساط دونوں کی میں ہو گئی ہیں۔

تجربہ مہر اللہ کی دیکھ کر ایک آپ کا نام دیکھ کر دل خوشی سے بھر گیا ہے۔ ”کلوٹوم زمالی بیگم“ آ..... اس کے بارے میں کیا

کہوں اس طرح کے پلاٹ پر پیارے بھی لکھائیں براہ کرم بچے ہیں بس ابھی تھی ”سمن زدہ“ یہ بھی پلاٹ براہ کرم بچہ

بھی چلو برا نہیں لگا پڑا کہ۔ ”اسید محمد“ ابھی تک لکھا نہیں

کی ”نیلیم“ بہت اچھی لگی تھی۔ ”مکین مارا“ اور ”دری گلا“ انشاء

آ کتاب کی ”پیام صوف“ بھی بس ابھی لگی تھی۔ ”مکین مارا“ ابھی تک تو

دو ڈی اینڈ خیر۔ ”مہرین دلی“ کا ”مہرین دلی“ ابھی تک تو

اچھا ہی لگ رہا ہے ناول، اس ماہ کی سب سے زیروست

اسٹوری ”تیر نشانہ“ بھی واہ زیروست مزا آ گیا پڑا کہ رسیا

بہت عامم بہت بہت اچھا لکھا آپ نے۔ ”تجربہ سیمہ کا

”مشتق ہے ام الکتاب“ بھی ٹھیک تھا۔ اپنی مستقل سلسلے

بھی اچھے تھے۔

مخ: پیاری ارم! ہماری طرف سے بھی بہن کی شادی کی مبارک باد قبول کریں۔ آپ کے تبصرے میں مزا

نہیں آیا کیونکہ ہر کہانی پر آپ کی رائے بس ابھی لگی تھی۔ ٹھیک تھی۔

ثناء شہزاد..... کراچی

مجھے کرن منگوانے کے لیے بہت سی دعائیں اٹھانی پڑی تھی اب جب سے پاپا نے اخبار لکھنا شروع کیا ہے گھر پر دے جاتے ہیں۔ سرورق اچھا لگا۔ ”سیمہ سلیٹی“

اسید میری ”شاہین رشید“ کے سروے میں سب کے جواب پسند آئے۔ ”ابن انشا ایک مہر“ قراۃ العین خرم نے بہت اچھا لکھا۔ اس بار انٹرویو پڑا بعد کے لیے چھوڑا۔ سب سے

پہلے ”مسن مورکھ کی بات نہ مانو“ پر حاضری دی مجھے کچھ پلمہ اندازہ ہو گیا تھا کہ نفا کا دل اس لیے بے چین تھا۔ تجھت عبد اللہ کا ابھی تو اچھا چل رہا ہے۔ ”محبور نصیحتیں“ نے ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنالیا مگر بات کہوں مصباح کی ہاتھ ڈرا ہوا

رہیں ہم تو دیوانے ہو گئے ہیں آپ کے۔ سر ساجد کا مکمل ناول اچھا لگا ناول اس دفعہ سارے لا جواب تھے۔

”مہرین دلی“ پر تبصرہ مکمل ہونے کے بعد کروں گی۔ ”مشتق ہے ام الکتاب“ واہ خوب جیسا نام ویسی اسٹوری۔

تجربہ سیمہ۔ ویڈیو صرف آصف لکھیں اور اچھا نہ لکھیں

ہیسا بھلا ہو سکتا ہے۔ حنائی بہت اچھے سے بدلہ لیا۔ نصیہ سعید اور جہان آفتاب کا بھی بہت بہت اچھا لگا۔ انشانے

چار تھے اور چاروں ہی بہت اچھے تھے۔ کرن کتاب میں پیغام دیئے والا سلسلہ بہت اچھا شروع کیا۔

مخ: پیاری ارم! ابھی تک آپ کی پریشانی ختم ہوئی اور اب سرورق بھی کرن ل ل جائے گا۔ تبصرہ کرنے کا

شکر ہے۔

ارم شہزاد..... لاہور

میں ہند کرن میں سینکڑ نام شامل ہونے لگی

ہوں۔ ”مکین مارا“ کے سرورق پر لگا مہرین اور دو بہت پیاری

باز دل کو پھوٹیں۔ اس بار کرن کتاب بھی بہت اچھی

لگی۔ پہلے وہ پڑھی پھر اپنے ٹیوٹ ناول ”مسن مورکھ کی

بات نہ مانو“ پڑھا اور اینڈ پر یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ٹیکسٹ

فٹ لاسٹ ہو گئی۔ بہت اچھا کیا آ سید مئی نے جو بے جا

طوالت سے بھجایا۔ بہت بہت مبارک ہوا تھے اچھے ناول

پر صرف آصف کا ناول پڑھا لڑکے لڑکیوں کے لیے

بہترین تحریر تھی۔ نصیہ سعید کا ”کلوٹوم زمالی بیگم“ ناول بھی

اچھا تھا ”سمن زدہ“ سر ساجد کا زیروست ناول رہا۔ سرورق کی نام نہاد تجھت کے لیے بہترین ناول ہے۔ ”مکین مارا“ نے بہت متعل رکھا کر مجھت پالی۔ تجھت سیمہ نے ”مشتق ہے

ام الکتاب“ بہت خوب لکھا۔ جہان آفتاب کی ”پیام صوف“

بک پڑا تھا پڑ کر خبر پڑنے کہانی کو بہتر کر دیا۔

مخ: پیاری ارم! آپ سینکڑ نام کیا ہر ماہ شامل

ہم لکھن کی مکمل میں ابھی خوشی ہوگی۔

☆☆